جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ معارف قاسم جدید (دہلی)

بیادگار: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

جلد نمبر: ۱۰ — مارچ تا اگست ۲۰۱۱ء — شمارہ نمبر: ۱۹

زیر سرپرستی

- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دیوبند
- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھنؤ
- حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات
- حضرت مولانا محمد ابراہیم مظاہری، گجرات

زیر نگرانی

- حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، لکھنؤ
- حضرت مولانا سید نظام الدین، پٹنہ
- حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری، میرٹھ
- حضرت مولانا مفتی عبداللہ پٹیل، گجرات

مدیر اعلیٰ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی — **مدیر:** ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

مجلس ادارت

حمید الدین مظاہری، عقیل انور مظاہری، رضوان الحق قاسمی
شمشیر عالم جامعی، حسان جامی قاسمی

سرکولیشن انچارج: شاہد عبداللہ

کمپوز و ڈیزائن: محمد ارشد عالم ندوی

سالانہ تعاون

200 روپے
بیرون ممالک کے لیے 100 ڈالر
خلیجی ممالک کے لیے 350 درہم

خط و کتابت

ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی''
این ۹۳ ریسلنگ کلب روڈ لین نمبر ۲ ربٹلہ ہاؤس
جامعہ نگر نئی دہلی-025 110

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

پرنٹر و پبلیشر، چیف ایڈیٹر محفوظ الرحمٰن نے ایم آر پرنٹرس 2818، گلی گڑھیا دریا گنج نئی دہلی، 2 سے چھپوا کر ''معارف قاسم جدید''
این ۹۳ دوسری منزل، سیلنگ کلب روڈ لین نمبر ۲ ربٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

Ph: +91-11- 26981876, Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com / www.jamiatulqasim.com

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il- Islamia
At & Po. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj
Distt: Supaul - 852 125 Bihar (India)
Ph: +91-9771807585, 9931906068

حسن ترتیب

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱	افتتاحیہ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	3
۲	اداریہ	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی	20

رمضان کریم - فضائل و مسائل

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۳	رمضان گناہوں اور معاصیات سے توبہ واستغفار کا موسم	ادارہ	27
۴	رمضان مکمل انسانیت نوازی کے اظہار کا مہینہ	ادارہ	35
۵	رمضان کریم کی خیر و برکت	ادارہ	40
۶	رمضان کریم میں دعاؤں کا اہتمام	ترجمہ: مفتی احمد نادر القاسمی	48
۷	۲۰ رکعات تراویح - ایک جائزہ	مولانا محمد شفیع قاسمی، بھٹکلی	57
۸	رمضان میں خواتین کے معمولات	ادارہ	59
۹	روزہ کے اسرار اور باطنی شرائط	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	66
۱۰	فریضہ رمضان اور چھوٹے بچے	ادارہ	71
۱۱	روزے سے متعلق احکام ومسائل	ادارہ	73
۱۲	زکوٰۃ اور اس کا مصرف	ادارہ	75
۱۳	رمضان کے روزے فرض کرنے کا مقصد	محمد ارشد عالم	81
۱۴	اعانت وتعاون کرنے، کرانے اور لینے کے آداب وصول	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	82

دعوت و تبلیغ - اصلاح معاشرہ

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱۶	......واحد راہ عمل صرف دعوت ہے	مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن)	93
۱۷	فساد معاشرہ کے اسباب	مولانا انور جمال قاسمی	115
۱۸	تبلیغی جماعت کا نام............	ابوحمنہ شہاب	118
۱۹	786 کا استعمال اور اس کی حقیقت	سلمان عبدالصمد	121
۲۰	اسلام۔ موبائل فون اور رنگ ٹونز	عبدالجلیل منشی	123

مفتی ظفیر الدینؒ - حیات و خدمات

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۲۱	......مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ	مولانا نور عالم خلیل امینی	129
۲۲	......کامیاب مربی، مشہور فقیہ، اور عظیم مصنف	مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی	138
۲۳	......چراغ بادصبا نے بجھائے ہیں کیا کیا	نسیم اختر شاہ قیصر	143
۲۴	مفتی صاحب - جہد مسلسل سے عبارت رہی زندگی	فضیل احمد ناصری القاسمی	147
۲۵	یادیں جوان کی آتی ہیں	ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی	156
۲۶	...... وہ صاحب جلال نہ جانے کدھر گئے	ادارہ	164
۲۷	سوانح خاکہ	ادارہ	166
۲۸	ابا جان کی وفات پر (نظم)	مولانا احمد سجاد قاسمی	168
۲۹	آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے	رضوان الحق قاسمی	170
۳۰	معارف کی ڈاک	قارئین کے خطوط	171

اقتباسیہ

رمضان المبارک اور مدارس اسلامیہ

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے اہلِ ایمان ہمیشہ ہی سے رمضان المبارک کی آمد کیلئے خود کو ماہِ شعبان المعظم ہی سے تیار کرتے آئے ہیں۔ایمان والوں کو رمضان المبارک کے آنے سے خوشی اور اِسکے جانے کا غم ہوتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ رمضان المبارک ایسا مہمان ہے جو خالی ہاتھ نہیں آتا بلکہ اپنے ساتھ انعامات کے بادل بھی ساتھ لاتا ہے۔

جس کی بارش میں نیکو کار ہی نہیں، گنہگار بھی نہاتے ہیں۔اس ماہ مبارک میں نیکیوں کی بارش ایسے تواتر کیساتھ برستی ہے کہ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں یہ بارشِ انوار نہ برستی ہو۔ ہر دن کے اختتام پر دس لاکھ ایسے مجرموں کو جن پر عذاب لازم ہو چکا تھا وقتِ افطار آزادی کا پروانہ عطا کر دِیا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی االلہ علیہ وسلم کا فرمانِ ہے ''جب ماہ رمضان کی پہلی شب آتی ہے تو جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پورے ماہ ایک بھی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور اللہ کریم ایک نداد ینے والے کو حکم دیتا ہے کہ یوں ندادو۔اے بھلائی کے طلبگار و آگے بڑھو، اے برائی کے پرستارو پیچھے ہٹو۔

پھر فرماتا ہے، ہے کوئی بخشش کا طلبگار کہ اُسے بخش دیا جائے؟ ہے کوئی مانگنے والا کہ جو مانگے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی تُوبہ کرنے والا تا کہ اُس کی تُوبہ قبول کی جائے صبح طلوع ہُونے تک اِسی طرح صدائیں دی جاتی ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی رحمت نے شعبان المعظم کے آخری دن ارشاد فرمایا: اے لوگوں! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ کر رہا ہے، اس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کئے اور رات کا قیام نفلی (عبادت) ہے جس نے اس ماہ میں ایک نیکی کی گویا اس نے دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا اور جس نے اس ماہ میں ایک فرض ادا کیا گویا اس نے دوسرے مہینے میں 70 فرض ادا کئے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ مواسات کا مہینہ ہے، اِس میں ایماندار کی روزی فراخ کر دِی جاتی ہے جس نے اِس ماہِ مُبارک میں کسی کا روزہ اِفطار کروایا، اس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ہے اور اس کے گناہوں کیلئے معافی ہے۔

یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں گنہگاروں کے دل اللہ کریم کی جانب مائل ہو جاتے ہیں اور ہزار ہا گنہگار اس موسم بہار کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گناہوں سے تائب ہو جاتے ہیں یہ وہ ماہ مبارک ہے کہ جس کے سبب مسجدیں آباد ہو جاتی ہیں۔ مومنین کو شیاطین سے نجات مل جاتی ہے گھروں سے قرآن مجید کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔

لیکن آہ افسوس صد افسوس! بہت سے ایسے بدنصیب مسلمان بھی ہوتے ہیں کہ اس مہمان کا ادب نہیں کر پاتے اور فسق و فجور کی زندگی کو نہیں چھوڑ پاتے، اپنی زندگی میں فیضان رمضان سے استفادہ نہیں کر پاتے جن کے شب و روز میں کوئی انقلاب برپا

نہیں ہوتا۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ابتدائے رمضان میں تو خوب جوش وخروش کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن جوں جوں ماہ رمضان گزرتا ہے واپس نفسانی خواہشات کا شکار ہو جاتے ہیں جسکی وجہ سے مسجدوں کی رونقیں معدوم ہونے لگتی ہیں، تراویح کی قطاروں میں کمی آنے لگتی ہے اور پھر وہی لہو ولعب کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

آیئے عہد کریں کہ اس سال ہم اس شان سے ماہ صیام کا استقبال کریں گے کہ انشاء اللہ ماہ شعبان سے ہی اپنے گناہوں سے آلودہ جسموں کو رمضان کے استقبال کیلئے نیکیوں کی جانب مائل کریں گے، ابھی سے عبادت پر کمر باندھیں گے اللہ کریم سے مدد لیتے ہوئے اگر نماز نہیں پڑھتے تو نماز کی پابندی کریں گے، جھوٹ سے خود کو بچائیں گے اپنی زبان، اپنی نگاہوں کی، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں گے تاکہ ہم رمضان الکریم کا استقبال اس کے شایان شان طریقے سے کرسکیں۔

نیکیوں کا موسم بہار:

خالق کائنات کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہمیں ماہ رمضان المبارک جیسی نعمت بے بہا سے سرفراز فرمایا، اس ماہ کا ہر لمحہ رحمت وعنایت سے سب لبریز ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی عبادت اور نیک کام کا اجر وثواب نہ صرف بڑھ جاتا ہے بلکہ نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا کر دیا جاتا ہے۔ رحمت خداوندی کا یہ عالم ہے کہ روزہ دار کا سونا چلنا، اٹھنا بیٹھنا الغرض ہر فعل عبادت میں شمار کیا جاتا ہے۔ عرش اٹھانے والے فرشتے روزہ دار کی دعاء پر آمین کہتے ہیں، اور مچھلیاں روزہ دار کیلئے افطار تک دعاء مغفرت کرتی رہتی ہیں۔

عبادت کا دروازہ:

روزہ باطنی عبادت ہے کیوں کہ ہمارے بتائے بغیر کسی کو یہ علم نہیں ہوسکتا کہ ہمارا روزہ ہے اور اور اللہ تبارک وتعالیٰ باطنی عبادت کو زیادہ پسند فرماتا ہے، ایک حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ عبادت کا دروازہ ہے۔ (الجامع الصغیر:۱۴۶)

روزہ کی تعریف:

روزہ کو عربی زبان میں ''صیام'' کہتے ہیں جس کا مادہ صوم ہے جس کا معنی باز رہنا، چھوڑنا اور سیدھا ہونا ہے، شریعت میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک عبادت کی نیت سے کھانا پینا اور شہوات نفس سے رک جانے کا نام صوم یعنی روزہ ہے۔ روزہ صرف بھوکے رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ ہر اس فعل کا نام ہے جو انسان کے نفس پر بوجھ ڈالے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو جھوٹی باتیں اور برے کام نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کو چھوڑ دینے کی کوئی پرواہ نہیں''۔ (بخاری)

رمضان المبارک کے حروف اور اس کی خصوصیت:

رمضان المبارک میں پانچ حروف (ر۔م۔ض۔الف۔ن) میں ر۔ سے مراد رحمت الٰہی، م۔ سے مراد محبت الٰہی ہے، ض۔ سے مراد ضمان الٰہی، الف۔ سے مراد امان الٰہی اور ن۔ سے مراد نور الٰہی۔ یعنی روزہ، تراویح، تلاوت قرآن، اعتکاف اور شب قدر یہ رمضان المبارک کی مخصوص عبادتیں ہیں جو کوئی خلوص دل سے ان پانچ عبادات کی ادائیگی کرے گا وہ مذکورہ پانچوں انعامات کا مستحق ہوگا۔

20 رکعات تراویح:

دس سلاموں کے ساتھ ۲۰/رکعات تراویح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ائمہ اربعہ اور جمہور علماء اہل سنت و الجماعت کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے، اس کا حکم بھی حق سبحانہ و

تعالیٰ کی طرف سے ہے، رمضان المبارک میں بہت سے لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جلد سے جلد آٹھ دس دن میں کلام مجید سنالیں، پھر چھٹی۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ سنت ہیں۔ تمام کلام اللہ کا تراویح میں پڑھنا یا سنانا ایک اور پورے رمضان کی تراویح مستقل ایک سنت ہے۔

مذکورہ صورت میں ایک سنت پر تو عمل ہو جاتا ہے مگر دوسری سنت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ البتہ رمضان المبارک میں سفر وغیرہ یا کسی وجہ سے ایک جگہ تراویح پڑھنی مشکل ہو تو مناسب ہے کہ قرآن شریف چند روز میں سن لیں، پھر جہاں موقع ملے تراویح پڑھ لیا جائے۔

اعتکاف:

رمضان المبارک میں اعتکاف کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس کا اہتمام فرماتے تھے، معتکف کی مثال اس شخص کی ہے کہ کسی کے در پر جائے اور یہ کہے کہ جب تک میری درخواست قبول نہ ہو ٹلوں گا نہیں۔ ابن قیمؒ کے بقول ''اعتکاف کا مقصود اور اس کی روح دل کو اللہ کی ذات کے ساتھ وابستہ کر لینا ہے''۔

صاحب مراقی الفلاح کہتے ہیں کہ اعتکاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو افضل ترین اعمال میں سے ہے، اعتکاف کیلئے سب سے افضل جگہ مسجد حرام پھر مسجد نبوی، پھر بیت المقدس ان کے بعد مسجد جامع پھر اپنی مسجد۔

شب قدر:

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات شب قدر کہلاتی ہے جو بہت خیر و برکت والی ہے، قرآن پاک میں اس رات کو ''لیلۃ القدر خیر من الف شھر'' (ہزار مہینوں سے افضل) بتایا گیا ہے، خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو اس رات کی عبادت نصیب ہو جائے، جو شخص یہ رات عبادت میں گزار دے گویا اس نے تراسی سال اور چار مہینے سے زیادہ کا عرصہ عبادت میں گزار دیا۔ اور یہ بھی صحیح معلوم نہیں کہ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینے سے کتنے مہینے زیادہ افضل ہے۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے قدر دانوں کیلئے یہ نعمت بے بہا مرحمت فرمائی ہے، جو پہلی امتوں کو نہیں ملی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کیلئے) کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری)

صدقۃ الفطر:

صدقۃ الفطر ہر اس آزاد مسلمان پر واجب ہے جو بنیادی ضروریات (مکان، لباس، سواری، ضروری ہتھیار وغیرہ) سے زائد نصاب کا مالک ہو اس میں عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ صدقۃ الفطر صرف اس شخص پر ہے جس کے ذمہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، حالانکہ یہ درست نہیں زکوٰۃ صرف سونے، چاندی، مال تجارت اور نقدی میں فرض ہوتی ہے جبکہ صدقۃ الفطر کے نصاب میں زائد ضروریات اشیاء نصاب (۳۵ء۶۱۲ گرام چاندی یا ۴۷۹ء۸۷ گرام سونے کی قیمت) کی مقدار میں ہیں یا اموال زکوٰۃ مقدار نصاب سے کم مالیت کے ہیں لیکن زائد از ضرورت اشیاء کو ملانے سے ان کی مجموعی مالیت نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقۃ الفطر جب چاہیں دے سکتے ہیں، لہٰذا رمضان

کے مہینے سے پہلے پہلے ادا کرنا بھی صحیح ہے بلکہ اگر کئی سالوں کا صدقۃ الفطر ایک ساتھ دے تو بھی جائز ہے۔

زکوٰۃ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جو شخص مال کی زکوٰۃ ادا کردے تو اس کا مال شر اس سے جاتا رہتا ہے'' ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں جائے گا''۔

مالداروں کے مال میں حق:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسلمان مالداروں پر ان کے مال میں اتنا حق (یعنی زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو ان کے غریبوں کو کافی ہوجائے اور غریبوں کو بھوکے، ننگے ہونے کی جب کبھی تکلیف ہوتی ہے۔ مالداروں ہی کی (اس کرتوت کی) بدولت ہوتی ہے (کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے) یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سے (اس پر) سخت حساب لینے والا اور ان کو دردناک عذاب دینے والا ہے۔ (طبرانی اوسط وصغیر)

مال کا طوق:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، قیامت کے روز وہ مال ایک گنجے سانپ کی شکل بنادیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو نقطے ہوں گے (ایسا سانپ بہت زہریلا ہوتا ہے) اور اس کے گلے میں طوق (یعنی ہار) کی طرح ڈال دیا جائے گا اور اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیری جمع ہوں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھی (**ولا یحسبن الذین یبخلون الخ**) اس آیت میں مال کے طوق بنائے جانے کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (مقبول) نہیں ہوتی۔

روزہ دار کے لئے دو خوشیاں:

ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللّٰہ علی ماھدٰکم ولعلکم تشکرون (بقرہ:۱۸۵)

حق جل مجدہٗ کا اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ رب کریم نے اپنے فضل سے ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرمایا اور اس مہینے کی برکتوں سے ہمیں نوازا، اور اس میں روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، پھر اس مبارک مہینے کے اختتام پر اس مہینے کی انوار وبرکات سے مستفید ہونے کی خوشی میں ''عیدالفطر'' عطا فرمائی۔ حدیث شریف میں رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **للصائم فرحتان فرحۃ عند افطار و فرحۃ حین یلقی ربہ۔**

(نسائی، کتاب الصیام)

یعنی اللہ تعالیٰ نے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں رکھیں ہیں: ایک خوشی وہ ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، اور دوسری خوشی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ یوم قیامت میں اپنے پروردگار سے جاکر ملاقات کرے گا۔ اصل خوشی تو وہی ہے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ہر مومن کو نصیب ہوگی۔ انشاءاللہ۔

افطار کے وقت کی خوشی:

جبکہ اس آخرت کی خوشی کی تھوڑی سے جھلک اللہ رب

العزت نے اس دنیا میں بھی رکھ دی ہے، یہ وہ خوشی ہے جو افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، پھر یہ افطار دو قسم کے ہیں: ایک افطار وہ ہے جو روزانہ رمضان المبارک میں روزہ افطار کے وقت ہوتا ہے، اس افطار کے وقت ہر روزہ دار کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھئے! سارے سال کھانے پینے میں اتنا لطف اور اتنی خوشی حاصل نہیں ہوتی ہے جو لطف اور خوشی رمضان المبارک میں افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے، ہر شخص اس کا تجربہ کرتا ہے۔ علماء کرام روزانہ کے اس افطار کو ''افطار اصغر'' کا نام دیتے ہیں۔ اور دوسرا افطار وہ ہے جو رمضان المبارک کے ختم پر ہوتا ہے جس کے بعد عیدالفطر کی خوشی ہوتی ہے اس کو ''افطار اکبر'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ پورے مہینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر روزے رکھنے اور اس کی بندگی اور عبادت کرنے کے بعد حق جل مجدہٗ عید کے دن خوشی اور شادمانی عطا فرماتے ہیں، یہ خوشی آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت حاصل ہونے والی خوشی کی ایک چھوٹی سے جھلک ہے جو رب کریم نے اپنے بندوں کو عید کی شکل میں عنایت فرمائی ہے۔

اسلامی تہوار دوسرے مذاہب کے تہواروں سے مختلف ہے:

یہ بھی اسلام کا نرالا انداز ہے کہ پورے سال میں صرف دو تہوار اور دو عیدیں مقرر کی گئی ہے، جبکہ دنیا کے دوسرے مذاہب اور مختلف الخیال لوگوں میں پورے سال کے دوران بہت سے تہوار منائے جاتے ہیں، عیسائیوں کے تہوار الگ ہیں، یہودیوں کے اور ہندوؤں کے تہوار الگ الگ ہیں، جبکہ اسلام نے صرف دو ہی تہوار مقرر کئے ہیں، ایک عیدالفطر اور دوسری عیدالاضحیٰ۔ ان دونوں تہواروں کو منانے کے لئے جن دنوں کا انتخاب کیا گیا ہے وہ پوری دنیا کے تہواروں سے الگ اور نرالے ہیں، اگر آپ دوسرے مذاہب کے تہواروں پر غور کریں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ لوگ ماضی میں پیش آنے والے کسی واقعہ کی یادگار میں تہوار مناتے ہیں۔ مثلاً عیسائی ۲۵ ردسمبر کو ''کرسمس ڈے'' کا تہوار مناتے ہیں بقول عیسائیوں کے ان کا یہ تہوار حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مناسبت سے مناتے ہیں۔ حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات درست بالکل ہی غلط ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ۲۵ ردسمبر کو ہوئی، چنانچہ آپ کی پیدائش کی یاد میں انہوں نے ''کرسمس ڈے'' کو تہوار کے لئے مقرر کرلیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی اسرائیل کو فرعون سے جس دن نجات ملی تھی اور فرعون غرق ہوگیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر دریائے نیل کو عبور کرلیا تھا، اس دن کی یاد میں یہودیوں نے اپنا تہوار منانا شروع کردیا۔ اسی طرح ہندوؤں کے یہاں بھی جو تہوار ہیں وہ بھی ماضی کے کسی نہ کسی واقعہ کی یاد میں منائے جاتے ہیں۔

اسلام کا کوئی بھی تہوار ماضی کے واقعہ سے وابستہ نہیں:

اسلام میں جو دو تہوار مقرر ہیں وہ ''عیدالفطر'' اور ''عیدالاضحیٰ'' ہیں۔ ماضی کا کوئی واقعہ اس دونوں تہواروں کے ساتھ وابستہ نہیں ہیں، یکم شوال کو عیدالفطر منائی جاتی ہے اور دس ذی الحجہ کو عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے، ان دونوں تہواروں کی تاریخوں میں کوئی تاریخی واقعہ پیش نہیں آیا، اسلام نے نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن کو عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے مقرر کیا، نہ ہی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکۃ المکرّمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کے اس تاریخی واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار دیا، اور نہ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بدر کے میدان میں فتح ونصرت سے ہمکنار ہونے پر ''عید'' کا دن قرار دیا، نہ ہی غزوہ اُحد اور غزوہ احزاب اور اسی طرح سے بیسویوں غزوات کے دن کو ''عید'' کا دن قرار دیا، جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا کفر ہمیشہ کے لئے حرمین کی زمین میں دفن ہوا اور بیت اللہ کی چھت سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان اور اللہ اکبر کی صدا پہلی مرتبہ گونجی اس دن کو بھی ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اور خاص طور پر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ایسے واقعات سے بھر پور ہے، لیکن اسلام نے ان میں سے کسی واقعہ کو ''عید'' کا دن قرار نہیں دیا، یہ بھی اسلام کی حقانیت کی علامت ہے۔

''عیدالفطر'' روزوں کی تکمیل پر اللہ کا انعام:

جن ایام کو اسلام نے تہوار مقرر فرمایا، ان کے ساتھ کوئی ایسا واقعہ وابستہ نہیں جو ماضی میں ایک مرتبہ پیش آ کر ختم ہو چکا ہو، بلکہ اس کے بجائے ایسے خوشی کے واقعات کو تہوار کی بنیاد قرار دیا جو ہر سال پیش آتے ہیں اور ان کے آمد کی خوشی میں عید منائی جاتی ہے۔ اللہ نے دونوں عیدیں ایسے موقع پر مقرر فرمائی ہیں جب مسلمان کسی عبادت کی تکمیل سے فارغ ہوتے ہیں، چنانچہ عیدالفطر رمضان المبارک کے گزرنے کے بعد رکھی ہے کہ میرے بندے پورے مہینے میری بندگی کے اندر مشغول رہے، اور پورے مہینے انہوں نے میرے خاطر کھانا پینا چھوڑے رکھا، نفسانی خواہشات کو چھوڑے رکھا، جبکہ ان کے سامنے فریج کا ٹھنڈا پانی کھانے کے مواقع اور خواہشات نفس پوری کرنے کیلئے شریک حیات کے موجودگی کے باوجود صرف انہوں نے میری رضا کے لئے پورا مہینہ عبادت کے اندر گزارا، اس کی خوشی اور انعام میں یہ عیدالفطر مقرر فرمائی۔

''عیدالاضحیٰ'' حج کی تکمیل پر انعامات ربانی:

عیدالاضحیٰ ایسے موقع پر مقرر فرمائی جب مسلمان ایک دوسری عظیم عبادت یعنی حج کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اس لئے حج کا سب سے بڑا رکن وقوف عرفہ ۹ ر ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا ہے، اس تاریخ کو پوری دنیا سے آئے ہوئے لاکھوں بندگان خدا میدا عرفات میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظیم عبادت کی تکمیل کرتے ہیں، اس عبادت کی تکمیل کے اگلے دن یعنی دس ذی الحجہ کو اللہ رب العزت نے دوسری عید مقرر فرمائی۔ اس کے ذریعہ رب کریم نے یہ سبق دیا کہ ماضی کہ وہ واقعات جو ایک مرتبہ پیش آئے اور ختم ہو گئے، وہ واقعات تمہارے لئے عید کی بنیاد نہیں، بیشک تمہاری تاریخ ان واقعات سے جگمگا رہی ہے اور تمہیں ان پر فخر کرنے کا بھی حق پہنچتا ہے، آپ کے آباء واجداد نے یہ تاریخی کارنامے انجام دئے تھے لیکن آپ کیلئے ان کا عمل کافی نہیں، آپ کے لئے آپ کا ہی عمل ضروری ہوگا۔ کوئی شخص آخرت میں صرف اس بنیاد پر نجات نہیں پائے گا کہ میرے آباء واجداد نے اتنے بڑے کارنامے انجام دئے تھے بلکہ وہاں ہر آدمی کو اپنے کا جواب دینا ہوگا۔ بقول شاعر

عمل کہ اپنی اساس کیا ہے
بجز ندامت کہ پاس کیا ہے
رہے سلامت تمہاری نسبت
میرا تو بس یہی آسرا ہے

محض ماضی کے واقعات پر خوشی ومسرت کا احیاء کرتے رہنا صاحب ایمان کے لئے کافی نہیں بلکہ خود آپ کو اپنے عمل کو دیکھنا ہے، اگر آپ کے اپنے عمل کے اندر اچھائی ہے تو خوشی منایئے اور اگر خرابی و برائی ہے تو سر دھونئے اور ندامت و

رنج کا اظہار کرتے رہنا بھی تقاضائے ایمان۔

عید کا دن ''یوم الجائزۃ'' ہے

خیر! یہ عید الفطر خوشی منانے کا اور اسلامی تہوار کا پہلا دن ہے، حدیث شریف میں اس کو ''یوم الجائزۃ'' بھی قرار دیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پورے مہینے کی عبادتوں پر انعام دئے جانے کا دن ہے جو ''مغفرت'' کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ گزر جانے کے بعد عید کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اصحاب ایمان کی طرف اشارہ کرکے فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں۔

انسانوں کی تخلیق پر فرشتوں کے سوال کا جواب:

اس لئے فخر فرماتے ہیں کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جارہا تھا ان فرشتوں نے اعتراض کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ:

اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک نقدس لک۔

(بقرہ:۳۰)

آپ مٹی کے اس پتلے کو پیدا کررہے ہیں جو زمین پر جاکر فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا اور ایک دوسرے کے گلے کاٹے گا، اور ہم آپ کی تسبیح وتقدس کے لئے کافی ہیں۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

انی اعلم ما لا تعلمون۔ (بقرہ:۳۰)

اس مخلوق کے بارے میں میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ میں جانتا ہوں کہ اس مخلوق کے اندر اگرچہ میں نے فساد کا مادہ بھی رکھا ہے، فساد پھیلانے کی صلاحت اس کے اندر موجود ہے، لیکن اس کے باوجود جب یہ مخلوق میرے حکم کی تعمیل کرے گی۔ اور میری عبادت و بندگی بھی کرے گی تو یہ تم سے بھی آگے بڑھ جائے گی۔ کیونکہ تمہارے اندر میں نے فساد کا مادہ ہی نہیں رکھا، چنانچہ اگر تم گناہ کرنا بھی چاہو تو گناہ نہیں کرسکتے، نہ تم کو بھوک و پیاس لگتی ہے، نہ تمہارے دل و دماغ میں جنسی اور نفسانی خواہشات پیدا ہوتے ہیں تمہیں تو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ بس ''اللہ اللہ'' کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے رہو، لیکن اس انسان کو بھوک و پیاس لگے گی، جنسی خواہشات بھی پیدا ہوں گے، جب میں اس مخلوق سے یہ کہہ دوں گا کہ کھانا پینا مت، تو میرے اس حکم کے نتیجے میں انسان سارا دن اس طرح گزار دے گا کہ اندر سے پیاس لگ رہی ہوگی، فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہوگا، کمرے میں کوئی دوسرا انسان دیکھنے والا حائل بھی نہیں ہوگا لیکن اس کے باوجود صرف میرے خوف اور میری عظمت کے خیال سے اور میرے حکم کی اطاعت میں یہ اپنے ہونٹوں کو خشک کئے ہوئے ہوگا۔ اس صفت کی وجہ سے یہ انسان تم سے بھی آگے بڑھ جائے گا۔

آج میں ان تمام کی مغفرت کردوں گا:

خیر! عید الفطر کے دن جب مسلمان عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہی فرشتوں کے سامنے جنہوں نے اعتراض کیا تھا، فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے میرے فرشتوں! یہ ہے میرے بندے جو میری بندگی میں لگے ہوئے ہیں، اور بتاؤ کہ جو مزدور اپنا کام پورا کرلے اس کو کیا صلہ ملنا چاہئے؟ جواب میں فرشتے عرض کرتے ہیں کہ جو مزدور اپنا کام پورا کرلے اس صلہ یہ ہے کہ اس کو اس کی پوری پوری مزدوری دے دی جائے، اس میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ اللہ رب العزت پھر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ یہ میرے بندے ہیں، میں نے

رمضان المبارک کے مہینے میں ان کے ذمے ایک کام لگایا تھا کہ روزہ رکھیں اور میری خوشنودی کی خاطر کھانا پینا اور اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں۔ آج انہوں نے یہ فریضہ پورا کرلیا اور اب اس میدان کے اندر اکٹھے ہوئے ہیں اور مجھ سے مغفرت چاہنے کے لئے آئے ہیں، اپنی مرادیں مانگ رہے ہیں، میں اپنی عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں، اپنے علومکان کی قسم کھاتا ہوں کہ آج میں سب کی دعائیں قبول کروں گا اور ان کے گناہوں کی مغفرت کردوں گا اور ان کی برائیوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کردوں گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب روزہ دار عیدگاہ سے واپس جاتے ہیں تو اس حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہوچکی ہوتی ہے۔

''عیدین'' کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جائے:

یہ معمولی انعام نہیں ہے کہ رب کریم پورے مجمع کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز کے لئے اس بات کو سنت قرار دیا کہ مسلمان بڑی سے بڑی تعداد میں کھلے میدان میں آسمان کے نیچے جمع ہوں اور مجمع کثیر ہو، کیونکہ مجمع جب بڑا ہوگا اس مجمع میں نہ جانے کس اللہ کے بندے کی برکت بندگی کی برکت سے اللہ تعالیٰ پورے مجمع عام پر رحمت کی بارش فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی و کریمی تو دیکھئے کہ اگرچہ انعام کے مستحق چند ہی افراد ہوتے ہیں جنہوں نے صحیح معنی میں اللہ کی بندگی کی تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو مجھ جیسے ناکارہ اور گناہوں سے لت پت بھی اگر وہاں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ان چند افراد کی تو مغفرت کردوں اور باقی لوگوں کی نہ کروں، یہ میری رحمت سے بعید ہے، لہٰذا سب کو اپنے فضل و کرم سے مغفرت فرمادیتے ہیں۔

یہ چند اقتباسات ''اصلاحی خطبات'' (مصنف مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی) سے برائے استفادہ عامۃ المسلمین لئے گئے ہیں۔

قارئین محترم! رمضان المبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں مخیّر حضرات کی مدارس پر خصوصی توجہ مرکوز رہتی ہے۔ اور ذمہ داران مدارس بھی پورے سال کے مقابلہ رمضان المبارک کے موقع پر زیادہ سے زیادہ بہی خواہان ملت سے ملاقات کرتے ہیں اور اپنے ادارہ کے نصب العین و مقاصد کی تکمیل کیلئے ان سے امداد کی درخواست کرتے ہیں اس مناسبت سے ''معارف قاسم'' کے اس خصوصی شمارہ کے افتتاحیہ میں ''آزادی کے بعد مدارس اسلامیہ کی خدمات'' پر بھی قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

مدارس اسلامیہ اسلام وانسانیت کی بقا کا ضامن:

مدارس اسلامیہ کی اہمیت وافادیت سے اب انکار کی گنجائش نہیں رہی ہے تاہم دشمنان اسلام نے بھی اس کی قوت کو پوری طرح بھانپ لیا ہے اس لیے آئے دن مدارس اسلامیہ کے تعلق سے طرح طرح کے منفی شگوفے ہوا میں چھوڑے جاتے ہیں اور مدارس واہل مدارس کے تئیں مسلمانوں خاص طور پر محسنین مدارس کو گمراہ اور بدگمان کیا جاتا ہے۔ کبھی مدارس اسلامیہ کے وجود کو زمانے کے ساتھ نہ چلنے والا فرسودہ نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے تو کبھی علما واہل مدارس پر بے ہنر طلبہ کی کھیپ کو دھرتی کا بوجھ بنانے کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن جب معاندین اسلام اور ان کے غلط پروپیگنڈے کے شکار کچھ مسلمان بھائیوں نے بھی جب یہ دیکھ لیا کہ مدارس سے متعلق علماء اور طلبہ کی شکل میں یہ دیوانے

اپنے ہدف سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تو اب مدارس اور اس کی انتظامیہ پر ہی سوالات کھڑے کیے جا رہے ہیں اور چند برسوں سے اس میں کافی تیزی آ گئی ہے۔ مدارس مخالف قوتوں نے اب مدارس چلانے والوں اور علماء پر بداخلاقی اور مالی بد دیانتی کے الزامات لگانے کو بہترین ہتھیار تصور کر لیا ہے۔ ان حالات میں علماء اہل مدارس کو منفی پروپیگنڈے سے بچنے کی سعی کرنے کے ساتھ ساتھ نہایت ضروری ہے کہ مخلصین ومعاونین مدارس معاندین اسلام کی بدنیتی کو سمجھیں اور علماء کے تعلق سے ہر اڑی اڑائی بات پر ہرگز دھیان نہ دیں۔

اس بات کو اچھی طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب جب شمع حق کی لو تیز ہوئی ہے باطل کے خیمے میں بے چینی پیدا ہوئی ہے اور حق بات کو دبانے کی ہر ممکنہ کوشش ہوئی ہے۔ چنانچہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور منفی پروپیگنڈوں کے باوجود مدارس اسلامیہ پوری قوت وجوش عمل کے ساتھ دین حق کی تعلیم اور اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ چند دہائیوں سے مدارس نے علمی وباطنی سطح پر بھی ترقی کی ہے اور ظاہری طور پر بھی اسے وقار وترقی حاصل ہوئی ہے اس لیے اسلام ومدارس مخالف قوتوں کا بے چین ہو جانا فطری ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ کبھی کبھی کلمہ گو بھائی بھی ایسی طاقتوں کا آلۂ کار بن جاتے ہیں اور ان ہی کی زبان بولنے لگ جاتے ہیں۔ جب کہ غور کرنے والی بات یہ ہے کہ یہی مدارس ہیں جن کی وجہ سے اسلام اور اسلامی تعلیم زندہ ہے اور اسلامی تشخص باقی ہے۔ ہمارے بھائیوں کو اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو توکل علی اللہ پر بڑے بڑے پروجیکٹ کی بنیاد رکھتے ہوں، کوئی تنظیم ایسی نہیں جو بے سروسامانی کی حالت میں کسی کام کا عزم رکھتی ہو اور کائنات میں کوئی ادارہ نہیں جو چندہ بشکل بھیک اکٹھا کر کے نونہالان قوم کو تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کی مکمل کفالت بھی کرتا ہو۔ تصور کیجیے کہ علماء کے علاوہ کوئی قوم ایسی دنیا میں ہے جو فرائض منصبی بھی ادا کرتی ہو اور ایک ایک روپیہ چندہ اکٹھا کر کے مدارس کا نظام بھی چلاتی ہو اور اپنا وظیفہ بشکل تنخواہ بھی لیتی ہو؟ یاد رکھیے علماء اور ذمہ داران مدارس کے سامنے محض اسلام کی خدمت اور اشاعت دین ہے اور وہ اس کے لیے مر مٹنے کے لیے تیار ہیں ورنہ امت کی جو بے رخی ہے مدارس پر کب کے تالے لگ چکے ہوتے۔

ایک طرف اہل مدارس کو معاندین اسلام کا سامنا ہے تو دوسری طرف ان روشن خیال برادران اسلام سے سابقہ ہے جن کے نزدیک مدارس اور اس سے وابستہ جملہ سرگرمیاں کار عبث ہے، چونکہ ان کے نزدیک انسانیت کی خدمت سب سے بڑی عبادت ہے اور ایسے مدرسوں کو وہ لا حاصل سمجھتے ہیں جہاں صرف مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے، ایسے لوگوں کی خواہش ہے کہ مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کو برابر شامل کیا جانا چاہیے تاکہ دنیا میں ترقی یافتہ قوم کہلا سکیں، یعنی وہ ایسا مدرسہ چاہتے ہیں جہاں دینی تعلیم کی حیثیت اتنی ہی ہو جتنی کھانے میں چٹنی کی ہوتی ہے۔ اس سوچ کے افراد خالص اسلامی مدرسوں کے لیے نہ دست تعاون بڑھاتے اور نہ کسی کو اس کام کے لیے آمادہ کرتے ہیں، بلکہ بعض وقت تو وہ مدارس کے تعاون کرنے والوں کو روکتے ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ ہندوستان میں صاحب نصاب افراد میں سے دس فیصد لوگ بھی اپنی پوری زکوٰۃ نہیں نکالتے اور جو نکالتے ہیں انھوں نے زکوٰۃ کی رقم کو کھپانے کے لیے نام نہاد قسم کے ٹرسٹ کھول رکھے ہیں

،ظاہر ہے ایسے میں اہل مدارس کہاں سے یہ امید لگائیں کہ ان کی مالی مشکلات دور ہونگی اور وہ پوری تندہی کے ساتھ اشاعت دین میں منہمک رہیں گے۔اتنی رکاوٹوں اور مسائل ومشکلات کے باوجوداہل مدارس اگر دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں تو یہ کسی جہاد سے کم نہیں۔

ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء اہل اسلام اورصاحب ثروت لوگوں کواس بات کی تلقین کرتے رہیں کہ وہ اپنے مال راہ خدامیں خرچ کرنے کی کوشش کریں اورمدارس کی اہمیت سے بھی انھیں آگاہ کرتے رہیں دوسری طرف صاحب ثروت کو چاہیے کہ وہ اسلامی مدارس کومضبوط و مستحکم کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہیں کیوں کہ یہی وہ مدارس ہیں جن کے دم سے آج ہندوستان کے جنگلوں میں بھی اذان واقامت ہورہی ہے۔روشن خیال طبقے کوبھی چاہیے کہ وہ مدارس کے مقاصد کوسمجھیں اوران کے نشانہ کو پہچانیں،اگر وہ اس پرغور کریں گے توان پر یہ منکشف ہو جائے گا کہ مدارس اسلامیہ کی خدمات کا دائرہ کتنا وسیع ہے اوراس کےاثرات کتنے ہمہ گیر ہیں۔

علماء واہل مدارس کوایسے حالات سے نہ گھبرانا چاہیے اور نہ کسی طرح کی مایوسی کا شکار ہونا چاہیے کیوں کہ جس قرآن کریم کی تعلیم میں وہ مصروف ہیں اس کے بقا کی ذمہ داری خود اللہ تعالی نے لے رکھی ہے دوسری طرف علماء کواپنے اسلاف کی خدمات کو دیکھنا چاہیے کہ کن کن مسائل ومشکلات کوجھیل کرانھوں نے دینی تعلیم اوراشاعت دین کی شمع کوجلائے رکھا۔بوریہ نشیں علما نے مدارس اورخانقاہوں میں بیٹھ کرجس طرح مدارس کے نظام کو رائج وعام کیا تھا وہ ہمارے لیے مشعل راہ ہے،انشاء اللہ علوم اسلامیہ کاچراغ یونہی جلتا رہے گا۔

حرف اول:

بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں جب سلطنتِ مغلیہ کاچراغ گل ہوچکا تھا،انگریزی سیاست ہندوستان پر پوری طرح حاوی تھی،اسلامی روایات ایک ایک کرکے رخصت ہورہی تھیں،اسلامی تہذیب اورعلوم وفنون کے زوال کا وقت آگیا تھا اورایسا لگتا تھا کہ دیکھتے دیکھتے اسلامی تعلیمات خودمسلمانوں کے لیے''لاشئی'' بن کررہ جائیں گی،انگریزی حکومت انتہائی شدت سے زندگی کے اس''لطیف جوہر'' کواہل اسلام کے ذہن ودماغ سے محوکرنے کی سعی پیہم میں مصروف تھی،مسلمانوں کی تعلیمی اور اجتماعی نظامِ حیات کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا،انقلاب کے بعد، قوم مسلم انھیں مصائب سے دوچار ہوگئی تھی،جن سے عموماً مفتوح قومیں دوچار ہوتی ہیں اورذہنی اضمحلال وپراگندگی ایسے نامساعد وقت میں رونما ہورہی تھی،ان عام مشکلات سے صدیوں حکومت کرنے والی قوم اپنے آپ کو غیر مامون پارہی تھی،ایسے ظلمت آگیں دور میں،مردانِ حق کیش اٹھے اور انھوں نے جہل کی تاریکی کوعلوم وفنون کی روشنی سے تابناک بنانے کے لیے،اسلامی قندیلیں مدارس کی صورت میں روشن کرنے کا باعزم فیصلہ کیا۔

قیامِ مدارس کامقصد:

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے بغیر کسی اسلامی معاشرہ کی تعمیراوراس کے قیام کا تصورممکن نہیں،اسلامی تعلیمات ہی پرصالح معاشرہ کی بنیاداورداغ بیل ڈالی جاسکتی ہے،قرآن و حدیث اسلامی تعلیمات کا منبع ومصدر ہیں اور دینی مدارس کا مقصد،اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ اسلامی تعلیمات کے ماہرین، قرآن وحدیث پرگہری نظر رکھنے والے علماء اورعلوم اسلامی میں دسترس رکھنے والے رجال کارپیدا کیے جائیں،جوآنے والی نسل

کا اسلام سے ناطہ جوڑیں، مسلمانوں میں اسلام کی بنیادی اور ضروری تعلیم کو عام کرنے اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ابدی صداقت کواجاگر کرنے کا فریضہ انجام دیں اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ مدارس اپنے اس بلند مقصد کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

مدارس اسلامیہ کی ہمہ گیر افادیت : مدارس اسلامیہ نے اگر ایک طرف ملت اسلامیہ کی ہر میدان میں رہنمائی کی اور کروڑوں انسانوں کو شاہراہِ مستقیم پر گامزن کیا، تو دوسری طرف انھوں نے ایسے بے شمار بلند پایہ علماء پیدا کئے، جن میں سے ہر ایک علم وفن کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا اور جن کی جامعیت، اخلاص وللّٰہیت، علمی رسوخ اور قوتِ عمل نے قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کردی، مدارس اسلامیہ نے آزادی کے بعد اٹھاون سال کی مختصر مدت میں لاتعداد علماء وصلحاء پیدا کر کے افراد سازی کا ایسا بے مثال نمونہ پیش کیا کہ تاریخ کا ہر معلم اپنے سنہرے حرفوں سے مدارس اسلامیہ کی اس عظیم الشان خدمت کو رقم کرے گا، یہ بے مثال معنویت اس وقت اور دوچند ہوجاتی ہے جب اس حقیقت پر غور کیا جائے کہ ان فضلاء میں اکثر نے مدارس اسلامیہ سے حاصل کردہ امانت دوسروں تک پہونچانے اور دنیا بھر میں علم کی شمع جلانے کا اہم فریضہ ہر دور میں انجام دیا ہے اور آج بھی ہمہ تن مصروف ہیں۔

مدارس اسلامیہ کی علمی خدمات:

مدارس اسلامیہ کے فرزندوں کی علمی خدمات ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں، تفسیر قرآن، حدیث نبوی، فقہ اسلامی، علم کلام، عربی ادب، تجوید وقرأت، تاریخ وسیر اور تحریر وصحافت میں ان کی خدمات نہایت وقیع ہیں، اس پر مستزاد اردو زبان کی خدمت بھی مدارس نے جس قدر انجام دیا ہے دیگر یونیورسٹی اور کالجز دینے سے قاصر ہیں، چنانچہ صرف ہندوستان میں دینی مدارس جو بغیر کسی سرکاری سرپرستی وامداد کے چل رہے ہیں، ان سے وابستہ بوریانشیں علماء نے پچاس سال کے عرصے میں پچاس ہزار سے زیادہ کتابیں عربی، فارسی، انگریزی اور اردو میں تحریر کی ہیں۔

فضلاء مدارس کے تصنیفی کارنامے:

مدارس اسلامیہ کی تعلیمی اور تدریسی خدمات کے علاوہ تصنیفی کارنامہ ایک معروف حقیقت ہے اور دنیا نے اس کا اعتراف کیا ہے، خصوصاً ازہر ہند دارالعلوم دیوبند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دیگر مدارس اسلامیہ کے فارغین نے درس وتدریس اور دوسرے دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے حوالے سے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے، بلکہ دنیائے اسلام کے لیے بھی ایک سرمایۂ افتخار ہے۔علوم دینیہ سے متعلق کوئی علم وفن ایسا نہیں، جس میں ان کی تصنیفات و تالیفات موجود نہ ہوں، ان میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے بھی ہیں، یہ کتابیں زیادہ تر عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں ہیں، ان کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی ملتی ہیں۔

درحقیقت مدارس اسلامیہ کی خدمت کے دو رخ ہیں، ایک اندرونی، جس کا تعلق طلباء کی تعلیم وتدریس سے ہے، اس کا دوسرا رخ بیرونی ہے جو عام مسلمانوں اور ملک سے متعلق ہے ۔عوام سے رابطہ، وعظ وتبلیغ، دینی وملکی معاملات میں قوم کی شرعی رہنمائی، تذکیر وتذکیہ اور تصنیف وتالیف اس کے اہم عنوانات

ہیں۔سید محبوب رضویؒ رقم طراز ہیں ''مدارس اسلامیہ سے جو قابل قدر خدمات انجام پائیں، وہ برصغیر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں، صرف تصنیف و تالیف کے میدان میں تنہا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام نامی سے کون ناواقف ہوگا، جنھوں نے اگر ایک طرف اپنی گراں قدر تصنیفات سے لوگوں کو علم و تحقیق سے روشناس کرایا تو دوسری طرف افراد سازی کا ایسا بے مثال کارنامہ انجام دیا کہ ان کی ذاتِ اقدس پر'' مجددیت'' کا لفظ صادق آنے لگا۔دینی اصلاحی نقطۂ نظر سے ملت کے ہر گوشے کو بدعت و خرافات سے دور کر کے سنت و شریعت پر گامزن کرنے کی سعی پیہم کی اور اس میں بہت حد تک کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔حضرت تھانویؒ کو تو ہم نے ایک آئیڈیل بنا کر پیش کیا، ورنہ اس طرح کے بے شمار بزرگان دین نے ملت اسلامیہ کو روبہ ساحل کرنے میں اپنی عمر عزیز کو فنا کر دی۔

بیرونِ ہند مدارس کی خدمات:

افادۂ ملت کے لیے فضلاء مدارس نے جو گراں قدر تالیفی خدمات انجام دیں اس کا دائرہ صرف برصغیر تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس کی افادیت عالم اسلام تک عام ہوئی۔سید محبوب رضویؒ ارقام فرماتے ہیں'' علماء دیوبند کے اس تحریری سرمایے کا مدار، شام کے ایک جلیل القدر عالم شیخ ابوغدہ کے الفاظ میں، گہرے علم اور وسیع مطالعے کے علاوہ تقویٰ وصلاح، روحانیت اور استغراق فی العلم ہے، چنانچہ عبدالفتاح ابوغدہ نے علماء دیوبند کی تصانیف کی اہمیت کے اعتراف کے ساتھ، اس خواہش کا اظہار بھی کیا ہے کہ ان میں جو کتابیں اردو اور فارسی زبانوں میں ہیں، ان کا عربی میں ترجمہ کرایا جائے تا کہ'' عرب دنیا'' کو بھی ان سے استفادہ کا موقع مل سکے''۔

چنانچہ خود شیخ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ (متوفی: ۱۹۳۶ء) کی تصنیف ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کو نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا، نیز انہوں نے مولانا عبدالحئی لکھنوی (متوفی: ۱۸۸۶) کی کچھ کتابوں کو بھی ایڈٹ کر کے طبع سے آراستہ کر کے امت مسلمہ کی زبردست خدمت کی۔

فضلاء مدارس اور تفسیر قرآن:

قرآن کریم، شریعت اسلامی کا محور و مصدر ہے، لہٰذا اس کی تفہیم و اشاعت کسی بھی اسلامی ادارے کا بنیادی فریضہ ہے۔ علماء ربانیین نے اس سلسلے میں اپنے فرضِ منصبی کو خوب سمجھا اور اس میدان میں نہایت وقیع خدمات انجام دیں، تفسیر اور اس کے مختلف گوشوں اور ذیلی فنون پر فرزندان مدارس کی عظیم الشان اور معیاری تصانیف ہیں، جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے مثلاً: ترجمہ شیخ الہند اور اس کے حاشیہ پر تفسیر عثمانی، ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری، بیان القرآن، مشکلات القرآن، معارف القرآن اور احکام القرآن جیسی بلند پایہ کتب پیش کی جاسکتی ہیں، اسی طرح تفسیر کی سربرآوردہ شخصیات میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا احمد حسن محدث امروہوی، حکیم الامت حضرت تھانوی، فخر المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی، مولانا ادریس کاندھلوی اور عظیم انشاء پرداز، محقق عالم حضرت تھانویؒ کے خلیفہ و مجاز حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفاسیر مشتے از خروارے کے طور پر پیش کی گئیں ورنہ یہ عنوان سیکڑوں تصانیف اور شخصیت کا احاطہ کرتا ہے۔

فضلاء مدارس اور ترویج حدیث:

سرزمین ہند سے ایسی قد آور ہستیاں نمودار ہوئیں اور

علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں ایسی نمایاں خدمات انجام دیں، جنھیں دیکھ کر ابن حجر اور عینی وطیبی کی یادیں تازہ ہوگئیں، جن کے چند اسماء قابل قدر ہیں: شیخ الاسلام حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی، فخر المحدثین سید فخر الدین احمد مرادآبادی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، صاحب بذل المجہول حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، رئیس القلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی، محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ اجمعین۔ ان حضرات کے حوالے سے یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس فن میں امت کی امامت کا شرف انھیں حاصل رہا ہے، جن کی جدوجہد کے نتیجے میں لامع الدراری، فیض الباری، اعلاء السنن، فتح الملہم، اوجز المسالک، معارف السنن، تحفۃ الاحوذی جیسی بلند پایہ کتب اور دیگر بے شمار تصانیف معرضِ وجود میں آئیں۔

مدارس اسلامیہ فقہ اسلامی کا مرکز:

فقہ اسلامی درحقیقت کتاب وسنت کا عطر ہے، خصوصاً فقہ حنفی جو اپنی گہرائی و گیرائی کی بنیاد پر شریعت اسلامیہ کی روح و مزاج کا آئینہ دار ہے۔ مدارس اسلامیہ سے فقہ کے حوالے سے عظیم خدمات انجام دینے والے بے شمار افراد تیار ہوئے، جنہوں نے فقہی بصیرت اور تعمق نظری سے مستند کتابیں تالیف فرما کر امت کی تشنگی کو بجھایا، مزید آئے دن پیش آنے والے مشکل ترین مسائل کو حل کر کے امت مسلمہ کو کامیابیوں سے ہمکنار کیا جس کی شہادت فتاوی دارالعلوم، امداد الفتاویٰ، کفایت المفتی، احسن الفتاویٰ، فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ نظامیہ، فتاویٰ امارت شرعیہ، صنوان القضاء جیسی کتابیں دے رہی ہیں۔

تاریخ وسیر میں علماء کا اہم کردار:

تاریخ وسیر نگاری میں بھی مدارس اسلامیہ کے سپوتوں نے پہلی صف میں مقام حاصل کیا ہے، چنانچہ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مجاہد فی سبیل مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا زاہد الراشدی، مفتی تقی عثمانی اور دیگر علماء کی سیکڑوں تالیفات سے ایک ذخیرہ معرضِ وجود میں آکر قبولیت عامہ حاصل کیا۔

تحریر وصحافت میں فضلاء مدارس کی سرگرمیاں:

تحریری صلاحیت کا ایک مظہر تو تصنیفات و تالیفات ہیں، جن کا جائزہ اوپر گذرا اور دوسرا تحریری کام صحافت سے متعلق ہوتا ہے، اس میدان میں بھی فضلاء مدارس نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ شاید بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات حیرت انگیز ہو کہ فضلاء مدارس نے مختلف ادوار میں جو ماہانہ یا پندرہ روزہ رسائل وجرائد اور ہفت روزہ، سہ روزہ یا یومیہ اخبارات نکالے ہیں یا ان کی ادارت میں شائع ہوئے ہیں، مولانا سلمان احمد بجنوری کے مطابق ان کی تعداد دو سو سے زائد ہے، ان میں بعض پرچے ایک عرصے تک آسمانِ صحافت پر درخشاں رہے اور ان کی ایک بڑی تعداد آج بھی سرگرم ہے۔

شرح خواندگی بڑھانے میں مدارس کا کردار:

برصغیر میں شرح خواندگی کا تناسب افسوسناک حد تک کم یعنی مردوں میں پچاس اور عورتوں میں چوبیس فیصد ہے، اس تناسب کی بنا پر ہندو پاک کا شمار میدان تعلیم کے لحاظ سے دنیا کے

پس ماندہ ملکوں میں ہوتا ہے۔اتنی کم شرح خواندگی والے خطے کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں کی تعداد میں دینی مدارس کا وجود بہت بڑی نعمت ہے، جو نہ صرف شرح خواندگی کی اس کمی کو کافی حدتک کنٹرول کرنے میں معاون ہیں، بلکہ یہ ان بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا بھی واحد ذریعہ ہیں،جن کے والدین عصری درسگاہوں میں ان کے تعلیمی اخراجات برداشت نہیں کرسکتے، اس طرح مدارس نے حکومت کے ایک ثقیل بوجھ کو بھی ہلکا کردیا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ مدارس کا نصب العین:

ہر مدرسہ میں یقینی طور پر ایک شعبہ ''اصلاح معاشرہ'' کے لیے ہوتا ہے، چوں کہ مدارس کی بنیاد ہی صلاح وتقویٰ پر ہوتی ہے اوراس کے بانیان کی سرشت میں اس طرح کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، اس لیے مدارس نے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کا یہ حق اپنے تئیں خودلازم کرلیا ہے، جس کے ذریعہ معاشرہ کی برائیاں،فضول رسومات اور غیر انسانی اقدار و افکار کے ازالہ کے لیے تحریری و تقریری مساعی جاری وساری رہتی ہے، نیز وقتاً فوقتاً خدارسیدہ علماء ربانیین کے باعظمت اثر انگیز خطاب سے عوام وخواص کے دلوں میں ایمانی حمیت وجلا پیدا کی جاتی ہے۔مدارس میں تعلیم دینے والے علماء صلحاء کی تعلیمات کے نتیجہ خیز ہونے کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں مدرسہ کی چہاردیواری میں اقامت پذیر طالبانِ علوم نبویہ، نازیبا حرکات، اخلاق سوز جرائم اورخودکشی جیسے دل سوز واقعات عدم کی حدتک، بلکہ اگر ناممکنات میں شمار کیا جائے تو مبالغہ آرائی نہ ہوگی،اس کے برخلاف عصری علوم میں منہمک طلبہ جو بزعم خود مہذب ہونے کے دعویدار ہوتے ہیں اس طرح کی حرکات سے ان کی تاریخ داغدار رہی ہے۔

مغربی تہذیب کی یلغاراور مدارس کا کردار:

کسی بھی قوم کے مذہبی تشخص کوختم کرنے کے لیے اس پر دوسمتوں سے یلغار ہوتی ہے ،ایک فکری، اعتقادی اور نظریاتی سمت سے، دوسری عملی اورتحریکی زندگی کی جہت سے،ان دونوں محاذوں سے حملہ آور ہوکر اگرکسی قوم کی نظریاتی واعتقادی تعمیر گرادی جائے اورعملی زندگی کو مذہبی قیود سے آزاد کردیا جائے توسمجھیے کہ اس قوم کا مذہب کے حوالے سے تشخص بالکل مٹ جائے گااور کچھ عرصہ بعد اس کی حیثیت تاریخ کے ایک قصۂ پارینہ سے زیادہ نہیں رہے گی۔''مغرب'' عالم اسلام پراس وقت دونوں جہتوں سے حملہ آور ہے، اسلامی تہذیب کے خرمن کو نذر آتش کرنے کے درپے ہے چنانچہ اعتقادی فتنوں کے ساتھ ساتھ اباحیت پسندی، جنسی بے راہ روی، فحاشی وعریانی اور مادیت کی یورش، عالم اسلام میں اپنے عروج پر ہے، برصغیر میں دینی مدارس ہی مسلمانوں کی تہذیبی روایات وعقائد کی حفاظت کے امین وقلعہ ہیں، جہاں سے طوفانِ مغرب کی سرکش موجیں ٹکراٹکرا کر واپس ہوجاتی ہیں اور بحمداللہ اس خطے میں مسلمانوں کا دینی تشخص پورے آب وتاب کے ساتھ قائم ہے۔

مدارس ہرنئی ظلمت میں امید کی کرن:

آج ہندوستانی مسلمان اپنی تاریخ کے نہایت نازک دور سے گذر رہے ہیں، ان کی زیست سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ خطرہ ان کے دین وایمان اوراسلامی تشخص کو ہے، ان حالات میں امید کا سہارا پورے برصغیر میں پھیلے ہوئے دینی وعربی مدارس ہیں، مدارس ہرنئی ظلمت میں مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور بیابان کی تاریک شب میں قندیلِ رہنمائی روشن کرتے ہیں۔ڈاکٹر یونس بلگرامی لکھتے ہیں

کہ ''یہ اسلامی مدارس جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں اور جہاں نبوت محمدی کی ابدیت پر یقین اور زندگی کا نمونہ پایا جاتا ہے، مدرسہ سے بڑھ کر دنیا کا کون سا متحرک ومصروف ادارہ ہے جس کا سرا نبوت سے ملا ہوا ہے اور جو نبوت کے چشمہ سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے کھیتوں کو سیراب کرتا ہے، مدرسہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کی کھیتیاں سوکھی رہ جائیں''۔ مدرسہ ہی ہر قدم پر جائزہ لیتا ہے، نئے نئے فتنوں کا مقابلہ کرتا ہے، بھٹکے ہوئے قدموں کو جماتا ہے اور ملت کی دکھتی رگوں پہ ہاتھ رکھتا ہے۔

مدارس اسلامیہ اسلام کی بقا کا ضامن:

اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس وقت سرزمینِ ہند میں مدارس اسلامیہ مسلمانوں کے دین وتہذیب کے وجود و بقا کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں، اس وقت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں اگر اسلام کے باقی رہنے کی بظاہر کوئی صورت نظر آرہی ہے تو وہ مدارس اسلامیہ ہی ہیں اور جہاں تک مسلمانوں کے تشخص کا سوال ہے تو مسلم قوم کو اپنا ہر طرح کا تشخص برقرار رکھنے کے لیے اپنے دین ومذہب سے کلی طور پر جڑے رہنا ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی اسلامی طرز فکر کی دانش گاہوں اور تربیت گاہوں سے وابستہ رہنا ہوگا کیوں کہ مسلمانوں کا تشخص مدارس اسلامیہ کے ساتھ ربط پیہم رکھنے پر ہی منحصر ہے۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

مدارس اسلامیہ غیروں کی نظر میں:

ہر منصف مزاج نے مدارس کو ملک کی سالمیت، امن پسندی اور عدم تشدد کا پیغامبر ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے، اس کی عالم گیر خدمات بہ نظر تحسین دیکھ کر اپنے منصفانہ و غیر جانبدارانہ خیالات کا اظہار کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر راجندر پرساد سابق صدر جمہوریہ ہند سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی، الٰہ آباد ہائی کورٹ کے سابق جسٹس جناب جگدیش سہائے، ویر بہادر سنگھ سابق وزیراعلیٰ یوپی، رام نریش نائب وزیراعلیٰ یوپی یہ سب وہ حضرات ہیں جنھوں نے بچشم خود دیکھ کر مدارس کی خدمات کو سراہا ہے اور یہ آشکارا کیا ہے کہ ''مدارس اسلامیہ امن پسندی کے داعی ومحافظ ہیں، جہاں اخلاقی اقدار کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ صرف مسلمانوں ہی کی خدمت نہیں، بلکہ پورے ملک اور دنیا کی خدمت ہے، اسی طرح پندرہ بیس لاکھ انسانوں کے عظیم الشان اجتماع میں مسز اندرا گاندھی نے خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا، ان کی تقریر بہت صاف اور شستہ اردو میں تھی، انھوں نے ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی اسلامی تہذیبی اور قومی وملکی خدمات کا بھرپور الفاظ میں تذکرہ کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا۔

لیکن بدقسمتی سے آج انھیں مدارس کے خلاف ناپاک منصوبے اور پروپیگنڈے کیے جارہے ہیں، بے تحقیق الزام تراشی کے ذریعے ان کو دہشت گردی کا ٹھکانہ قرار دیا جارہا ہے اور ان کی کردارکشی اور اصل شبیہ بگاڑنے کی مسلسل کوششیں کی جارہی ہیں۔

مدارس اسلامیہ اور حکومت ہند کا رویہ:

دینی مدارس نے ایسا صالح معاشرہ ہمیشہ سے قوم و ملک کو دیا ہے، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، ان سب کے باوجود آج دینی مدارس کو ''دہشت گردی'' کا اڈہ گردانا جاتا ہے، دینی مدارس کے خلاف مغربی لابیوں اور حکومت کی موجودہ مہم کے پس

منظر میں انسانی حقوق کے تحفظ یا ملک وقوم کے مفادات کا جذبہ کارفرما نہیں، عالمی حالات کے تناظر میں مدارس کے خلاف نئی مہم کا انصاف کے ساتھ جائزہ لینے والا ہر شخص اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ یہ تمام کوششیں دینی مدارس کے اسلامی معاشرے میں مؤثر کردار کی وجہ سے ان کی اہمیت و افادیت پر ضرب کاری لگانے اور دینی تعلیم کی طرف لوگوں کے بڑھتے ہوئے رجحان کو کم کرنے کا ایک مغربی حربہ ہے۔ کمیونزم کی ناکامی کے بعد مغرب اب عالم اسلام سے مقابلہ کے لیے پرتول رہا ہے، اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی مستحکم تعلیمات، اپنی شاندار روایات، صحت مند رجحانات اور اپنی اعلیٰ اخلاقی قدروں کی وجہ سے ''مغرب'' کے لیے اس وقت سب سے بڑا چیلنج اور خطرہ بنا ہوا ہے، مغرب کی پالیسی ساز سوچ اسلامی تعلیمات کی حفاظت کی بنیادیں تلاش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہونچی کہ مسلم معاشرہ کے خشک کھیتوں کو سیراب کرنے والے چشمے ان مدارس سے ہی پھوٹتے ہیں، اسلامی تحریکوں کو ایندھن یہیں سے فراہم ہوتا ہے، اسلامی بنیاد پرستی بھی ان مدارس کی آغوش میں بڑھتی ترقی کرتی اور پروان چڑھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مدارس اسلامیہ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے تعلیمی مشاغل میں مصروف ہیں، کاروبار اور سیاست سے دور ملک کو اچھے با اخلاق شہری مہیا کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ روڈ جام نہیں کرتے وہ قومی املاک کو نقصان نہیں پہونچاتے، توڑ پھوڑ نہیں کرتے، ان اداروں میں گولیاں نہیں چلتیں، بم نہیں پھٹتے یہاں انسانیت سکھائی جاتی ہے اور اعلیٰ کیرکٹر کے انسان تیار کیے جاتے ہیں۔

ہندوستانی عوام اس سے اچھی طرح باخبر ہیں اگر کوئی گروہ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک کر مذکورہ حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے تو یہ اس کی کوئی سیاسی ضرورت تو ہوسکتی ہے مگر اسے قوم و ملک کی خدمت کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ حد تو یہ ہے کہ بعض مسلم دانشوران بھی مدارس کے خلاف حکومت کے معاندانہ رویے میں دوش بدوش ہیں، ان کی کاسہ لیسی میں لگ کر خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سُر میں سُر ملا رہے ہیں۔

روشن خیال دانشوران سے علامہ اقبال کی فریاد:

آج انگلی پر شمار میں لائے جانے والے بعض مسلم روشن خیال دانشوران، مدارس کی خدمات کو نظر انداز کر کے ان کے نظامِ تعلیم کو نشانہ بناتے رہتے ہیں جب کہ علامہ اقبال جیسے روشن خیال کی تحریر ان سے فریاد کر رہی ہے کہ ''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انھیں مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کہ کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان ان مدارس کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود آج ''غرناطہ اور قرطبہ'' کے کھنڈرات اور ''الحمراء'' کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے ''تاج محل'' اور دلی کے ''لال قلعہ'' کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

مدارس اسلامیہ امن کا پرزور داعی اور محافظ:

دینی تعلیم کے مدارس جو ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے قیام کا بنیادی مقصد علم دین کی تعلیم، اس کی ترویج و اشاعت اور تزکیہ نفس و تربیتِ اخلاق ہے اس کے ساتھ ان مدارس میں احترام

آدمیت، اکرام انسانیت، مثالی اخلاق، حق نوازی، رواداری اورحب الوطنی کا درس دیا جاتا ہے۔ان مدارس کے نصاب میں کوئی ایسا مضمون نہیں ہے جس سے نفرت وعداوت کی بو آتی ہو یا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے جذبات کوٹھیس پہونچتی ہو بلکہ اس نصاب تعلیم کو پڑھ کر جو علماء تیار ہوتے ہیں وہ علوم شریعت کے ماہر، امور شریعت کے واقف کار، امن وانسان دوستی کے علمبردار، حب الوطنی کے جذبات سے سرشار اور ملکی و وطنی عظمت کے پاسدار ہوتے ہیں، اس لیے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آزاد ہندوستان کے موجودہ ماحول میں اگر ملک کو کوئی تعلیمی ادارہ اچھا انسان فراہم کرتا ہے تو وہ ہمارے ملک کے مدارس ہیں کیونکہ ان مدارس کے فارغین میں اتحاد واتفاق، انسانیت نوازی، باہمی تعاون اور بقاء باہم کا ذوق ومزاج راسخ کردیا جاتا ہے اس کے نتیجے میں ان میں ایثار وہمدردی، اخوت ومحبت اور شجاعت جیسے مکارم اخلاق پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ ایک ایسی معتدل نفسیاتی کیفیت سے آشنا ہوجاتے ہیں جو نہ کمتری کے احساس سے بوجھل ہوتے ہیں اور نہ برتری کے احساس میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ جس میں خود اعتمادی اور منکسر المزاجی، بہادری وخوش اخلاقی، شفقت وترحم اورعزم واستقلال دونوں قسم کی کیفیتوں کا متناسب امتزاج ہوتا ہے اس لیے ان مدارس پر حملوں سے، اس کی کردارکشی سے صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ ملک کے مفاد کو زبردست نقصان پہونچے گا۔

حرف آخر:

یہ تھی مدارس اسلامیہ کی اجمالی خدمات کا مختصر جائزہ اوران کی سرگرمیوں کی ادنی جھلک جو موجودہ حالات کے پیش نظر سنجیدہ وسلیم الطبع اورحق پسند ہم وطنوں کے لیے لکھی گئی اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ باتیں ایک غیر جانبدار آدمی کو مطمئن کرنے، غلط فہمیاں دور کرنے اور شبِ دیجور اور صبح پرنور کے درمیان فرق کرنے کے لیے کافی ہیں ورنہ ”نہ بیند ہنر، دیدۂ عیب جوئے“ کے مطابق، عیب کی متلاشی نظروں کو خوبی بھی عیب ہی دکھائی دیتی ہے بقول شیخ سعدی۔

> **”ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کہ کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان ان مدارس کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت کے باوجود آج ”غرناطہ اور قرطبہ“ کے کھنڈرات اور ”الحمراء“ کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا،**
> (علامہ اقبالؒ)

کرنہ بیند بہ روز شپرۂ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گنا

ضد اور عناد جن کا شیوہ اور بدگمانی ہی جن کا عقیدہ ہو ایسے دائم المرض روگیوں کے لیے آج تک کوئی دوا شافی تلاش نہ ہوسکی، ان کے لیے تو ہم باری تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحیح سمجھ عطا کرے تاکہ وہ مدارس اسلامیہ کی ناقابل فراموش خدمات کو فراموش نہ کرکے اپنی سلامت روی کا ثبوت دیں۔واللہ ھو الموفق۔

❁ ❁ ❁

اداریہ

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو...

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ (مفتی دارالعلوم دیوبند) اپنے معاصر علماء میں اس وجہ کر سب سے زیادہ منفرد اور ممتاز حیثیت کے حامل تھے کہ وہ ایک طرف جہاں علم و معرفت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، وہیں سادگی، انکساری، راستی، تحمل، استقامت، ایثار اور خدمت خلق میں بھی بے نظیر تھے۔اس پایہ کے اہل علم، علماء یا کسی بھی شعبہ حیات سے وابستہ شخصیات میں احترام انسانیت اور آدمیت کی اس درجہ قدر نہیں ہوتی، جتنی مفتی صاحبؒ کے یہاں تھی۔یہ ان کی ایک ایسی خصوصیت تھی جس کے سبھی معترف اور قائل ہیں۔ان کا ذکر ہوتو سب سے پہلے ذہن و دماغ میں وہی سادگی سے مزین سراپا نقش ہوجاتا ہے جس سے ان کی پوری زیست منور تھی۔

ملک کے عظیم علمی ادارہ میں باوقار عہدہ پر ایک مدت تک فائز رہتے ہوئے جس سادگی و جذبہ صدقیت سے انہوں نے اپنی زندگی بسر کی وہ ہر بنی نوع انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

یہ راز ان کے گل ناز ہی بتائیں گے
گلوں میں اتنی لطافت کہاں سے آئی ہے

مفتی صاحبؒ نے تقریبا ۵۱/ برسوں تک انتہائی خاموشی اور نیک نیتی کے ساتھ ''اندرو باہر'' کی سیاست سے اپنے دامن کو آلودہ کئے بغیر مختلف جہتوں سے مادر علمی کی خدمت انجام دی، مگر اس کا صلہ انہیں کیا ملا ، دارالعلوم انتظامیہ نے انؒ کی اس دینی وفاداری کا جو بدلہ دیا اس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔محض ۲/ ہزار روپے ماہانہ پینشن پر ۲۰/ شعبان المعظم ۱۴۲۹/ مطابق ۲۲/ اگست ۲۰۰۸ کو انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو نم آنکھوں سے خیر باد کہا۔غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اسی دارالعلوم سے کئی اساتذہ سبکدوش ہوکر ۱۰/ ہزار سے زائد پینشن پا رہے ہیں، مگر مفتی صاحب کے ساتھ انتظامیہ کا یہ متعصبانہ رویہ کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔

معارف قاسم جدید کو یہ فخر حاصل ہے کہ فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کے سانحہ ارتحال پر سب سے پہلے ان کی حیات و کارناموں پر مشتمل معارف قاسم کا خصوصی شمارہ ''قاضی مجاہد الاسلام نمبر'' ۲۰۰۲ میں شائع ہوا تھا۔جس کی بروقت اشاعت پر مدیر اعلی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مدظلہ العالی کی علمی و دینی حلقوں میں خوب ستائش ہوئی تھی۔

ایک بار پھر معارف قاسم جدید نے حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کی وفات کے محض چند ایام بعد ان کی حیات و خدمات پر خصوصی گوشہ شائع کر کے اسلاف و اکابر کے نقوش کی حفاظت و بازیابی اور قدر دانی کا سہرہ اپنے سر لے لیا ہے۔

اس خصوصی گوشہ میں شامل مضامین و مقالات کے صاحب قلم نے مفتی صاحبؒ کے علم وفن اور ان کی زندگی کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر انتہائی ایمانداری اور خلوص جذبہ سے روشنی ڈالی ہے، ان کی یہ گراں قدر تحریریں ان اساتذہ اور طلبہ کیلئے بے شک نایاب ثابت ہوں گی جو مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ پر کچھ یا بہت کچھ تحقیقی کام کرنا چاہیں گے۔

یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ مفتی ظفیر الدینؒ کا بیعت وارشاد کا تعلق پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ پھر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے تھا، مگر ان کو خلافت قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ (بانی ندوۃ علماء لکھنؤ) کے پوتے حضرت مولانا سید فضل اللہ الجیلانیؒ (سابق صدر شعبہ دینات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد و رکن شوری دارالعلوم دیوبند) نے دی تھی۔ یہ بات اس وقت معلوم ہوئی جب پی ایچ ڈی مقالہ کے تعلق سے راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحبؒ سے رابطہ کیا اور ملاقات کیلئے وقت مانگا، تو آپ نے اس کے جواب میں ایک مختصر تحریر ارسال کی۔

''عزیزم مکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا، خوشی ہوئی کہ آپ حضرت مولانا پر مقالہ لکھ رہے ہیں، مولانا یحییٰ ندوی سلمہ سے کافی حالات معلوم ہوئے ہوں گے، حضرت مولانا فضل اللہ صاحبؒ بڑے لوگوں میں تھے۔ مولانا کے بہت سے خطوط میرے نام تھے، تلاش کروں گا۔ انہوں نے اس خاکسار کو خلافت بھی عطا کی تھی۔ امید یہی ہے کہ اخیر شعبان میں دیوبند میں ہی رہوں گا، ضرور تشریف لائیں''

بقیہ سب خیریت ہے

طالب دعا

محمد ظفیر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کو نمونہ اسلاف، عالم باعمل مولانا سید فضل اللہ الجیلانیؒ سے بیعت و ارشاد کی اجازت حاصل تھی۔ چنانچہ ایک جگہ مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''مگر انعامات الٰہی کا نزول ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاری رہا۔ میں سخت گنہگار آدمی ہوں، مگر یہ عجیب معاملہ پیش آیا کہ صفر ۱۳۹۵ کی شوریٰ میں قطب عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے پوتے حضرت مولانا فضل اللہ صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ۴/صفر ۱۳۹۵ کو بعد نماز ظہر انہوں نے مجھے مسجد دارالعلوم دیوبند میں روک لیا، میں بیٹھ گیا۔ اس دفعہ آپ کے ساتھ مولانا رضوان امام 'مسجد عامرہ' حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ ان کو بلوایا اور ان سے فرمایا میرے کپڑوں میں 'شیخ سنوسی' والا جبہ ہے لے کر آؤ، وہ لے آئے، اب حضرت مولانا فضل اللہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ میں تم کو بیعت وارشاد کی اجازت دیتا ہوں اور یہ 'جبہ' میری طرف سے قبول کرو، اس کے اہل تم زیادہ ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت میں بڑا گنہگار ہوں، تیز

نظروں سے دیکھا پھر فرمایا قبول کرلو، میں بصد ادب اسے اپنے سر پر رکھ لیا، بات ختم ہوگئی، آنکھوں میں آنسو آگئے۔معلوم ہوا میرے غائبانہ میں کسی نے عرض کیا کہ حضرت !مفتی صاحب میں آپ نے کیا خوبی دیکھی کہ سب کونظر انداز کر کے ان کو جبۂ عطا کیا اور اجازت ارشاد وبیعت بخشی؟ فرمایا،تم ان باتوں کو نہیں جانتے:، یہ صحیح ہے کہ میں موتی اور لعل و جواہر کو نہیں پہچانتا ہوں۔اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے حسن ظن کے مطابق خاکسار کو کسی لائق بنا دے۔

حضرت مو لانا فضل اللہؒ کو اجازت اپنے دادا حضرت مو نگیریؒ سے تھی۔اب سوال یہ تھا کہ اس وقت مو جودہ مرشد حضرت حکیم الاسلام کو اس کی خبر دینی چاہئے یا نہیں؟اس لئے کہ اس وقت پیر و مرشد وہی تھے اور خلافت عطا کردی ہے حضرت مولانا فضل اللہؒ نے بغیر میری خواہش بلکہ میرے وہم وگمان کے،سوچتے سوچتے ذہن میں آیا کہ اطلاع کر دینی چاہئے،سال ڈیڑھ سال بعد حضرت کوکسی طرح اس کی خبر دی۔حضرت کو اس اطلاع سے مسرت ہو ئی۔رمضان المبارک ۱۳۹۶ میں آپ کا قیام بمبئی میں تھا،وہاں سے ۴؍رمضان ۱۳۹۶ کو خاکسار کے نام ایک گرامی نامہ موصول ہوا،اس میں اور باتوں کے ساتھ یہ بھی تحریرفرمایا:

''حضرت مولانا فضل اللہ دام مجدہ اپنے طریقہ کے شیخ اور بے نفس بزرگ ہیں،ان کی توجہ اور اجازت دہی بلا شبہ فضل خدا وندی ہے اس پیش کش کو آپ نے قبول فرمایا،انشاءاللہ یہ خیر و برکت کا باعث ہو گی۔

(مکتوب گرامی،۱۴/۶۹)

بقول حضرت مفتی ظفیر الدینؒ کوئی شبہ نہیں بزرگوں کا یہ اعتماد میرے لئے باعث سعادت اور لائق صد خیر و برکت

یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ مفتی ظفیرالدینؒ کا بیعت و ارشاد کا تعلق پہلے شیخ الاسلام حضرت مو لانا حسین احمد مدنیؒ پھر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمدطیبؒ(مہتمم دارالعلوم دیوبند)سے تھا، مگر ان کو خلافت قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مو نگیریؒ(بانی ندوۃ علماء لکھنؤ) کے پو تے حضرت مو لانا سید فضل اللہ الجیلانیؒ(سابق صدر شعبہ دینات عثمانیہ یو نیورسٹی حیدر آبادو رکن شوری دارالعلوم دیوبند) نے دی تھی۔ یہ بات اس وقت معلوم ہو ئی جب پی ایچ ڈی مقالہ کے تعلق سے راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحبؒ سے رابطہ کیا اور ملاقات کیلئے وقت مانگا ،توآپ نے اس کے جواب میں ایک مختصرتحریر ارسال کی۔

ہے۔اللہ تعالیٰ ان اکابر کوتوجہات عالیہ کے لائق بنائے رکھےاور حسن خاتمہ نصیب ہو اور دین و دنیا کے معاملات میں اپنی مرضیات پراللہ تعالیٰ چلنے ومضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔دونوں بزرگ اللہ والے تھے۔انشاءاللہ ان کا اعتماد خالی نہ جائے گااور رب العالمین اپنے دامن عفو میں اس گنہ گار کوجگہ عطا فرمائے گا۔

ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی دینی، تعلیمی، تدریسی، تصنیفی، سماجی اور انسانی خدمات کے سامنے یہ ’گوشہ‘ سورج کو چراغ دیکھانے کے مترادف ہے تاہم ان کی زندگی پر جومضامین شامل کئے گئے ہیں اس کے مطالعہ کے بعد قاری بہ آسانی یہ محسوس کرسکتا ہے کہ ہم نے اس تعلق سے ایک مضبوط ’نیو‘ رکھ دی ہے جس پر بڑی سے بڑی عمارت قائم کی جاسکتی ہے۔

چاند بھی حیراں ہے دریا بھی پریشانی میں ہے
عکس کس کا ہے کہ اتنی روشنی پانی میں ہے

قابل استعجاب بات یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی زندگی عزیز کا بیشتر حصہ صرف کردیا۔تصنیف وتالیف کے علاوہ انہوں نے جودوعظیم کارنامے انجام دئے ہیں اس کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔پہلاتو دارالعلوم دیوبند کا ’کتب خانہ‘ جو بے ترتیب اور غیر مرتب تھا اسے انتہائی ماہرانہ انداز میں مرتب فرمایا۔آج کتب خانہ دارالعلوم جس ترتیب سے مزین ہے وہ دراصل حضرت مفتی صاحبؒ کا مرہون منت ہے۔اسی طرح ان کا دوسرا قابل رشک علمی کارنامہ ۱۲ر جلدوں میں ’فتاویٰ دارالعلوم دیوبند‘ کی ترتیب ہے۔یہ فتاویٰ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے تھے جنہیں ترتیب دینے کا کارنامہ بھی حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ نے انجام دیا۔اس کے علاوہ تقریباً ۵۱ر برسوں تک انتہائی خاموشی اور نیک نیتی کے ساتھ ’’اندروباہر‘‘ کی سیاست سے اپنے دامن کوآلودہ کئے بغیر مختلف جہتوں سے مادر علمی کی خدمت انجام دی،مگراس کا صلہ انہیں کیا ملا،دارالعلوم انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحبؒ کی اس دینی وفاداری کا جو بدلہ دیا اس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔محض ۲ر ہزارروپے ماہانہ پینشن پر۲۰رشعبان المعظم ۱۴۲۹ر مطابق ۲۲ر اگست ۲۰۰۸ کوانہوں نے دارالعلوم دیوبند کونم آنکھوں سے خیر باد کہا۔غورکرنے کی بات یہ ہے کہ اسی دارالعلوم سے کئی اساتذہ سبکدوش ہوکر ۱۰ر ہزار سے زائد پینشن پا رہے ہیں،مگر مفتی صاحب کے ساتھ انتظامیہ کا یہ متعصّبانہ رویہ کئی سوالات کوجنم دیتا ہے۔

معارف قاسم جدید کے اس خصوصی شمارہ ’رمضان المبارک نمبر‘ میں رمضان کریم کی مناسبت سے متنوع عنوانات کے تحت اس کے فیوض وبرکات اور مسائل پراہم ومعلوماتی مضامین کوشامل کیا گیا ہے۔دوسرے باب میں اصلاح معاشرہ سے متعلق گراں قدر مضامین کے ساتھ ساتھ آخری حصہ میں حضرت مولانامفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ پرایک گوشہ شائع کیا جارہا ہے۔معارف کی یہ کوشش کتنی کامیاب ہے،کیا کمی رہ گئی جس کی بھر پائی ممکن تھی مگر ہماری توجہ نہیں گئی،قارئین اپنے خطوط اور رائے سے ضرورنوازیں،ہمیں آپ کے مفید مشوروں کا ہمیشہ کی طرح انتظار رہے گا۔

❁ ❁ ❁

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

میری زندگی کا ہے مشغلہ میری فکر کا یہ شعار ہے
کروں کیوں نہ ذکر شہِ اُممؐ میرے دل کا جب یہ قرار ہے

جو روش روش جو چمن چمن جو کلی کلی پہ نکھار ہے
بہ طفیل سرورِ انبیاءؐ یہ چہار سمت بہار ہے

وہ ہے نور رب جلیل کا اسی سے پھیلی یہ چاندنی
ہے فلک پہ اُس سے جو روشنی تو زمیں پہ باغ و بہار ہے

جو شہِ اممؐ سے قریب ہے وہ خدا سے بھی ہے قریب تر
جو رسولؐ پاک سے دور ہے وہ جہاں میں خوار ہی خوار ہے

سرِ طور موسیٰ ؑ کا ہے گزر تو مسیح پہونچے ہیں چرخ پر
جو گیا ہے عرش کے اُس طرف وہ عرب کا ناقہ سوار ہے

جو ہیں پھول باغِ خلیل کے جو حبیب ربِّ جلیل کے
وہ کرم کریں تو سکوں ملے نہ کریں تو حالتِ زار ہے

میں نظر سے دیکھوں نبیؐ کا در ہے تڑپ تو دل میں بہت مگر
یہ غلام احمد مصطفیٰؐ ابھی مفلسی کا شکار ہے

اے غنیؔ کہاں یہ بساط ہے میں حقیر بندۂ پُر خطا
یہ اُنہیںؐ کا فیض عظیم ہے کہ سخنوروں میں شمار ہے

ڈاکٹر عبدالغنی مبارکپوری

رمضان کریم

فضائل و مسائل

شهر رمضان الذیٓ أُنزل فيه القرآن هُدىً للناس و بينات من الهدیٰ و الفرقان. (سورہ بقرہ:۱۸۵)

(یہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ وہ انسانوں کے لئے رہنما ہے، ہدایت کی روشن صداقتیں رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے)

رمضان گناہوں اور معاصیات سے توبہ واستغفار کا موسم

............●ادارہ

توبہ ایک ایسی شرعی اصطلاح اور زبانی عمل اور ترک معصیت کا عزم مصمم ہے جسے انسان اس وقت استعمال کرتا اور عمل میں لاتا ہے جب اس سے کوئی خطا سرزد ہو جائے، انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ بھی زیادتی کرتا ہے، دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی خطا کا مرتکب ہوتا ہے اور رب کائنات اور اپنے خالق کی نافرمانی کر کے بھی گناہ کر بیٹھتا ہے، انسان کسی کام سے اپنی کمزوری، یا لوگوں سے اپنی ذات کے بارے میں کسی طرح کے خوف سے غلطی کا اقرار کر کے، یا جس کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی کی ہے اس سے معافی مانگ کر اس سے باز رہنے کا عہد کرتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی غلطیوں پر نادم وشرمندہ ہو کر اعتراف جرم کرتا ہے اور آئندہ ان غلطیوں کو نہ دہرانے کا عزم بالجزم کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ قبول بھی کرتا ہے، اس کی توقیر واقبال میں اضافے بھی کرتا ہے، نیکیوں کی سعادت اور غلط حرکت سے بچنے کی توفیق بھی عطا کرتا ہے، انھیں امور میں سے چند کی ہم توجیہہ قارئین کی نذر کر رہے ہیں:

حقیقی عزت وتوقیر:

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی کی عزت اس کی طرف سے جود وکرم اور عطا وبخشش کی وجہ سے کرتا ہے، اس سے محبت بھی کرتا ہے، لیکن اس کی غلطیوں کی وجہ سے اس کی عزت کرنا چھوڑ دیتا ہے، اسے دیتا رہتا ہے تو عزت بھی کرتا رہتا ہے، بند کر دیتا ہے تو عزت کرنا بھی وہ چھوڑ دیتا ہے، اس میں کمی بھی آجاتی ہے یہیں سے بدگمانی جگہ پکڑنے لگتی ہے، گویا عزت وتوقیر تو محض احسان وامتنان کا مظہر ہے، حقیقی عزت وتوقیر تو یہ ہے کہ خالص بغیر کسی لالچ کے کرے، لیکن بندے اور اس کے رب کے درمیان جہاں تک توبہ کا تعلق ہے تو یہ بالکل اس سے مختلف چیز ہے، ایک گناہ گار بندہ جب توبہ کرتا ہے تو اس کا رب اسے قبول کرتا ہے، یہ رب کریم کی شان کریمی کا مظہر ہے، اور یہ شان اللہ کی ایسی ہے جس میں کبھی کسی طرح کی کوئی کمی نہیں آتی، اس مفہوم کی بہت سی روایات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

توبہ کرنے والے بندے اور رب کے درمیان محبت:

تواب یہ اللہ رب العالمین کے اسمائے حسنی میں سے ہے اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہے، بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، یعنی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اور ہمیشہ توبہ قبول کرنے والا ہے، توبہ کے عجیب وغریب مفہوم میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو پسند فرماتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''إن اللّٰه يحب التوابين '' (اللہ تعالیٰ یقیناً توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان یہ نہ گمان کرے کہ وہ ملائکہ کے جنس ہے کہ کوئی گناہ ہی نہیں کرتا، اور گناہ نہ کرنا یہ کوئی کمال نہیں ہے، بلکہ کمال یہ ہے کہ غلطی کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اس سے وہ خوش ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے: (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر انسان غلطی نہ کرتا تو

اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسری قوم کو لاتا جو غلطی کرتی اور وہ اللہ سے معافی مانگتی اور رب کریم اس کو معاف کرتا)

(والذی نفسی بیده لو لم تذنبوا لذهب اللّٰه بکم ولجاء بقوم یذنبون فیستغفرون اللّٰه، فیغفر لهم)۔

معلوم ہوا کہ بندے کی طرف سے کبھی کبھی لغزش کا ہونا آقا کے لطف وکرم کو متوجہ کرنے کیلئے ضروری ہو جاتا ہے، توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ کا محبت کرنا اس کی شان عبودیت کو اجاگر کرتا ہے اس بات کو بتاتا ہے کہ واقعی وہی معبود کریم ہے۔

توبہ کرنے والے کے لئے دعا کی خاطر ملائکہ کی تسخیر:

ملائکہ ایسی مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی تسبیح و تحلیل اور ذکر کے لئے بنایا ہے، ملائکہ کی تسخیر اور اللہ کی تابعیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ملائکہ انسانوں میں سے جو مومن ہیں ان کے لئے اور ان کی اولاد اور ذریات کیلئے دعائیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے:

''الذین یحملون العرش و من حوله یسبحون بحمد ربهم و یؤمنون به و یستغفرون للذین آمنوا ربنا وسعت کل شئ رحمة و علما، فاغفر للذین تابوا واتبعوا سبیلک وقهم عذاب الجحیم، ربنا و ادخلهم جنات عدن التی وعدتهم ومن صلح من آبائهم و ازواجهم وذریاتهم إنک انت العزیز الحکیم، وقهم السیئات ومن تق السیئات یومئذ فقد رحمته و ذلک هو الفوز العظیم''(سورہ مومن/ غافر: ۷-۹)

(جو فرشتے کہ عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اس کے اردگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ ایمان والوں کیلئے اس طرح دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار آپ کی رحمت اور علم عام اور ہر چیز کو شامل ہے، لو ان لوگوں کو بخش دیجئے جنھوں نے شرک سے توبہ کر لی ہے، اور آپ کے راستے پر چلتے ہیں، اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے، اے ہمارے رب ان کو ہمیشہ کی جنت میں داخل کر دیجئے، جن کا آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کے ماں باپ بیویوں اور اولاد میں جو اس کے لائق ہوں ان کو بھی جنت میں داخل کر دیجئے، بلا شک آپ زبردست حکمت والے ہیں اور ان کو قیامت کے دن ہر طرح کی تکالیف سے بچا لیجئے، اور جس کو آپ اس دن کی تکالیف سے بچالیں تو اس پر آپ نے بڑی مہربانی فرمائی اور سب سے بڑی کامیابی ہے)

توبہ کے فوائد یعنی گناہوں کی نیکیوں سے تبدیلی:

یہ بندے کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ اللہ کی طرف انابت کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس بات کی توقع کرتا ہے کہ اسے اللہ کی رضا نصیب ہو، اور آقا کے دربار سے معافی کا پروانہ آئے، بلکہ انسان جس قدر گناہ کے پھندے میں خود کو پھنسا ہوا محسوس کرتا ہے، اس سے زیادہ اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی، اور توبہ کی وجہ سے گناہ کو مٹائے گا یہی نہیں، بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا (اللہ اکبر) اس سے بڑی کرم فرمائی اور کیا ہو سکتی ہے؟''یضاعف له العذاب یوم القیامة ویخلد فیه مهانا، إلا من تاب و آمن وعمل صالحا فأولئک یبدل اللّٰه سیئاتهم حسنات و کان اللّٰه غفوراً رحیماً''(الفرقان: ۶۸-۷۰)

(کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا وہ اس عذاب میں ہمیشہ کیلئے ذلیل وخوار ہو کر رہے گا، مگر جو شرک و معاصی سے توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتا رہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کیلئے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت

فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے)

ممکن ہے قرآن نے تمام ہلاکت خیز چیزوں سے (گناہ کبیرہ) سے بچنے کی شرط پر اور دوبارہ اس کام کو نہ کرنے کی شرط پر اتنے بڑے انعام کا وعدہ کیا ہو، اس لئے کہ انسان جب ایک مرتبہ کسی گناہ کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے تو اس سے نکلنا آسان نہیں ہوتا، جب تک سچی توبہ کی توفیق نہ ہو، بلکہ کبھی کبھی توبہ سے غفلت میں انسان حد سے گذر جاتا ہے، ایسے موقعہ سے جو شخص توبہ کر لیتا ہے، اور نیک راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ توبہ کے بعد معاصی میں مبتلا نہیں ہوتا اور صبر کو اپنا شعار بنا لیتا ہے، اور مسلسل توبہ کرتے رہنے سے اللہ کے محبوبوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

خالق کا مخلوق سے محبت کرنا:

ودود اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، اور انسان کو ایک دوسرے کے ساتھ معاملات کرنے اور آقا و غلام کے درمیان تعلقات میں بھی یہ مشاہدہ کی ہے کہ ایک شخص جو دوسرے کی خوشنودی کا طالب ہوتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے، اگرچہ وہ لغزش کرے اور غلطیوں کا ارتکاب کرتا رہے، لوگوں کے درمیان ایسا ہی تعامل رائج ہے، مگر رب ذوالجلال نے اپنے بندے کیلئے ہمیں مستقل یہ بات بتائی اور یہ بات صرف اللہ کی ذات ہی کے لائق ہے کہ وہ اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے، اور اسے اقبال و عزت بھی عطا کرتا ہے اور اپنے بندنوں کے ساتھ لطف و کرم اور محبت کا معاملہ بھی کرتا ہے، اسے آپ یک طرفہ محبت بھی کہہ سکتے ہیں۔

رب کریم کی محبت:

اس سے بڑی کرم فرمائی اور کیا ہوگی کہ انسان مسلسل نافرمانی پر آمادہ ہے اور رب کریم عطا اور بخشش کی برسات کر رہا ہے "**قل یا عبادی الذین اسرفوا علی أنفسهم لا تقنطوا من رحمة اللّٰه إن اللّٰه یغفر الذنوب جمیعا إنه هو الغفور الرحیم**" (سورہ زمر: ۵۳)

(آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام گذشتہ گناہوں کو معاف فرما دے گا یقیناً وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحمت والا ہے)

اس آیت پر ذرا غور کیجئے اس کے ایک ایک کلمہ پر کہ منعم حقیقی کی طرف سے انعام و عطا اور محبت کی کس طرح خوشخبری سنائی جا رہی ہے، اللہ کی طرف انابت کرنے، استغفار کرنے کی دعوت بھی دی جا رہی ہے، گویا اسے اللہ سے مانگنے اور اس کی بخشش و عطا تلاش کرنے اور اس کی محبت لوٹنے کا طریقہ استغفار کو قرار دیا جا رہا ہے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ ایک طرف گناہگار بندوں کو بھی عباد میں شامل کیا گیا ہے، اور "عباد" وہ وصف ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور وفقہا اور اپنے رسول کو یاد کیا ہے، اسی وصف سے اس گناہگار بندوں کو بھی یاد کیا ہے، گویا وہ اس لائق نہ ہونے کے باوجود وہ عباد کے زمرے میں ہے، دوسرے قبولیت کی امید کی تجدید کی گئی ہے، اور رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ صرف گناہ کا ارتکاب کر لینے کی وجہ سے کافر نہیں ہوگیا، اس لئے رحمت خداوندی کا امیدوار ضرور رہے۔

تیسرے تمام گناہوں سے معافی کا وعدہ کیا گیا ہے، گویا اللہ کی رحمت سے مایوسی اس گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے، یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل

ہوئی تھی جو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ جو فرمارہے ہیں وہ بہتر ہے، مگر ہم لوگوں نے تو قتل بھی کیا ہے، چوری بھی کی ہے، زنا کا ارتکاب بھی کیا ہے، بھلا ہمارا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب انسان توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف کردیتے ہیں، اس لئے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۷۵)

رب رحیم کی محبت:

اس تودد اور محبت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مخاطب کیا ہے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، اس کی مغفرت بے پایاں ہے، بس اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسی کی طرف امید لگائی جائے۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ابن آدم انک مادعوتنی و رجوتنی غفرت لک علی ما کان فیک، ابن آدم أن تلقنی بقراب الأرض خطا یا لقیتک بقرابھا مغفرة بعد أن لا تشرک بی شیئاً، ابن آدم إنک أن تذنب حتی یبلغ ذنبک عنان السماء ثم تستغفرنی أغفرلک و لا أبالی'' (ترمذی)

(اے ابن آدم یقیناً تم نے مجھ سے دعا کی اور امید لگائی تو میں نے تمہارے اندر جو خطائیں تھیں معاف کردیا، انسان تو ہم سے زمین بھر گناہوں کے ساتھ ملتا ہے اور میں بھی اتنا ہی بھری ہوئی مغفرت کے ساتھ ملتا ہوں، اے ابن آدم تو نے اتنے گناہ کئے کہ آسمان بھر گیا، لیکن تم نے مجھ سے مغفرت چاہی اور میں نے معاف کردیا، اور میں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی)

رب عظیم کی محبت:

اللہ اپنے بندے کے ساتھ کس قدر عظمت کا معاملہ فرماتا ہے، ایک حدیث قدسی میں ہے:

أما عند ظن عبدی بی و أنا منه حین یذکرنی إن ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسه و إن ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منهم و من تقرب إلی شبرا تقربت إلیه ذراعا و من تقرب إلی ذراعا تقربت إلیه باغا و من جاء فی یمشی جئته مهرو لا ''۔

(بخاری ومسلم) (میں تو اپنے بندوں کے خیالوں میں بھی سمایا ہوا ہوں، اور میں اس کے قریب رہتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، جب وہ مجھے دن میں یاد کرتا ہے میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں، جب وہ مجھے اپنے دوستوں میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اچھے دوستوں کے درمیان (ملائکہ) یاد کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اسے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور جب وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں پورے باع قریب ہوتا ہوں، جب میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

توبہ کرنے والوں سے اللہ ورسول کی خوشی:

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت کا سب سے بڑا مظہر اس کو مغفرت کیلئے قبول کرنا ہے، لیکن اس قبولیت پر بھی اللہ کی خوشی کے مظاہر بڑھے ہوئے ہیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوشخبری کی شکل میں توبہ کی قیمت واہمیت کو واضح کیا: چنانچہ حدیث میں ہے:

(اللّٰہ أشد فرحاً بتوبة عبده حین یتوب إلیه من أحدکم الخ) (صحیح مسلم)

(اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس وقت بہت زیادہ خوش ہوتا ہے، جب تم میں کا کوئی شخص توبہ کے ذریعہ اللہ رب العالمین کی طرف آتا ہے)

اس حدیث میں ان لوگوں کیلئے عبرت کی بات ہے کہ اسلام ہر ممکن اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ غلطیاں معاف کردی جائیں اور کم سے کم سزا میں انسان آزمایا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تائب سے خوش ہونا:

جب اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے تو رب کریم کے خوش ہونے سے ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا لازمی بات ہے۔ ایک تو اس لئے کہ اللہ خوش ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ بندہ بدبختی سے نجات پارہا ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بدبختی اور ایمان سے رکنے اور خالی ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوتا تھا، اس کے گہرے اثرات آپؐ ایک کے قلب مبارک پر پڑتے تھے، آپ بہت رنجیدہ ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نصیحت فرمائی:

''**فلعلک باخع نفسک علی آثار ھم** ''

(سورہ کہف:۶)

چنانچہ انتہائی فرحت وانبساط میں تیزی کے ساتھ آپؐ بلال ابن اُمیہ پہلے انسان تھے جن کے پاس اس قدر تیزی سے گئے اور اس کی طرف اللہ کی توجہ اور توبہ کی قبولیت کی بشارت دی۔

آج دنیا کی کون ایسی شریعت ہے جو اللہ کی محبت کی طرف لوگوں کو لے جاتی ہو؟ سوائے اسلامی شریعت کے، اور کون رب ہے جو ہمارے رب سے زیادہ لوگوں کے قریب ہوتا ہو، جس نے ہمارے اوپر دنیا کی نعمتوں کی بارش برسائی اور جب بندے نے اللہ سے معذرت چاہی تو اس کی کوتاہیوں کو بھی قبول فرمایا اور اسے معاف کردیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

(**والذینإذا فعلوا فاحشة أو ظلموا أنفسھم ذکروا اللّٰہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب إلا اللّٰہ ولم یصروا علی مافعلوا وھم یعلمون**''(سورہ آل عمران:۱۳۵)

(اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جو کوئی ایسا کام کرگذرتے ہیں جو ناشائستہ ہو، یا ان کی ذات کو نقصان پہونچانے والا ہو تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اور ہے کون اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا؟ اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتا اور وہ جانتے ہیں)

اللہ سے زیادہ ہم سے کون قریب ہوسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو نہ ہماری ضرورت ہے اور نہ حاجت وہ ہر چیز سے غنی وبے نیاز ہے۔

انسانی فطرت اور طبائع کا لحاظ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے معاملہ میں اس بات کی رعایت کی ہے اور اس کا لحاظ رکھا ہے کہ انسان بہرحال انسان ہے، وہ فرشتہ نہیں ہے، اس لئے اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے، وہ اپنے بندوں کمزوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خیر اور شر دونوں کی صفت رکھی ہے: ''**ونفس و ما سواھا، فألھمھا فجورھا وقتواھا قد افلح من زکاھا، وقد خاب من دساھا**'' اللہ تعالیٰ چونکہ کمزوریوں سے واقف ہے، اس لئے توبہ کے ذریعہ نیک انسان بننے اور عمدہ طریقہ پر بندگی کرنے کا اس نے سلیقہ سکھایا، بلکہ اس کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھا کہ جب بھی غلطی کرے، یا لغزش ہوجائے اور غلطی کر بیٹھے تو اللہ کے لطف وکرم سے اس کے بندوں میں داخل رہے۔

عمدہ توبہ کرنے والے:

اصل میں انسان کی فطرت ہے کہ وہ اکثر خطا میں گھر جاتا ہے کیونکہ وہ ملائکہ میں سے نہیں ہے، کیونکہ ملائکہ تو بخشے

بخشائے ہیں، جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے تو خطاء تو اس کی فطرت میں ہے، لیکن سب سے اچھا خطا کار اللہ کے نزدیک وہ ہے جو توبہ کرے، ''کل ابن آدم خطا وخیر الخطائین التوابون''(الحکم فی المستدرک)(ہر بنی آدم خطا کار ہے مگر سب سے اچھا خطا کار وہ ہے جو توبہ کرے)

وہ خطائیں جو معاف ہو جاتی ہیں:

یہ بات ثابت ہے کہ شریعت نے انسان کی فطرت اور طبیعت کا لحاظ کیا ہے، اور اس کی طبیعت میں خطا ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اس نے غلطی کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا، شرمندہ ہوا اور مغفرت چاہ لی، تو اللہ کی یہ عبودیت اور الوہیت ہے کہ اس سے محبت کرے، اس بات کا ادراک صرف مسلمان ہی کرسکتا ہے کہ وہ اپنے رب کی معافی کا ضرورت مند ہے، اور لغزش معافی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، لہذا جب غلطی کرتا ہے اور وہ اللہ سے معافی مانگتا ہے، تو اللہ اس کو معاف کرتا ہے، اور جب اللہ معاف کردیتا ہے تو کوئی خطا اس پر باقی نہیں رہتی۔

عن ابی هريرة: ان رجلا أذنب ذنبا فقاله أی ربأ ذنبت دنبا أو قال عملت عملا فاغفرلی! فقال تبارک و تعالىٰ عبدی عمل ذنبا فعلم أن له ربًّا يغفر الذنب ويأخذ به قد غفرت لعبدی ثم أذنب ذنباً آخر أو قال عمل ذنبا آخر قال رب إنی عملت ذنبا فاغفرلی فقال تبارک تعالىٰ علم عبدی أن له ربًّا يغفر الذنب ويأخذقدغفرت لعبدی...... الخ(بخاری ومسلم)

(ایک شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا، اور پھر کہا کہ اے میرے رب میں نے گناہ کیا ہے، آپ میری مغفرت فرمادیجئے، تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے، کہ میرے بندے نے گناہ کیا، اور معافی مانگی تو گویا وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے اس لئے وہ گناہ سے معافی بھی مانگتا ہے اور پھر کرلیتا ہے تو میں اپنے بندے کی مغفرت کردیتا ہوں)

اللہ تعالیٰ قطعی یہ نہیں چاہتا ہے کہ انسان گناہ کرے اور پھر وہ معاف کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ بندہ کی کمزوری کے ساتھ ہے اور معافی میں اس نے انسان کی بشریت کا لحاظ کیا ہے، نہ کہ یہ چاہا ہے کہ انسان گناہ کرتا پھرے اور میں تو معافی کے لئے تیار ہی بیٹھا ہوں۔ اس لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو معاف کرتا رہتا ہے، اگر چہ وہ بار بار گناہ کرتا ہے، بشرطیکہ اعتراف کی ڈگر پہ چلے، اللہ تعالیٰ سے معذرت چاہے، جو غلط حرکت کی وجہ سے غلط راستہ پہ چلا گیا ہے، اس سے معافی چاہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کا دفاع کرتا ہے:

''إن الله يدافع عن الذين آمنوا''

خلاف عادت کسی چیز کا سامنے آنا:

چنانچہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ۹۹ قتل کرر کھے تھے، وہ اس ارادے سے نکلا کہ اس کے بارے میں سوال کروں، چنانچہ وہ راہب کے پاس آیا، اور پوچھا کہ میرے جیسے شخص کیلئے توبہ ہے؟ اس نے کہا نہیں، پس اس نے اس کا بھی قتل کردیا، چنانچہ جب اس کا انتقال ہوا تو عذاب اور رحمت کے فرشتوں کے درمیان اس آدمی کو اپنے قبضہ میں لینے کے سلسلہ میں مخاصمت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے زمین کے اس حصہ کو قریب ہونے کا حکم دیا جو رحمت کے فرشتہ سے قریب تھی، اور عذاب والے حصہ کی زمین کو دور ہونے کیلئے کہا اور صرف اس لئے کہا کہ وہ توبہ کے ارادے سے نکلا تھا، پورا قصہ بخاری میں اس طرح ہے:

(کان فی بنی اسرائيل رجل قتل تسعة و تسعين انسانا ثم خرج يسأل فأتی راهباً فسأله فقال

له هل من توبة قال: لا، فقتله، فجعل يسأل فقاله رجل اتت قرية كذا و كذا فأدركه الموت فناء بصدره نحوها فاختصمت فيه ملائكة الرحمة و ملائكة الغداب فأوحى اللّٰه إلى هذه أن تقربى وأوحى اللّٰه إلى هذه ان تباعدى، وقال قيسوا ما بينهما، فوجد إلى هذه أقرب بشبر فغفرله)(بخاری)

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت ہے کہ اس نے انسان کے اندر فہم وشعور کا ملکہ رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات بندوں کے گناہ کے مقابلہ بہت بڑی ہے، جو اسے معاف کر دیتا ہے جب وہ توبہ کرتا ہے، اس پر فضل اور کرم کرتے ہوئے، لیکن انسان خود ہی اللہ کی معافی کی وسعت کے آگے کمزور و ناتواں کھڑا رہتا ہے، ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس شخص کے ساتھ کیا اور اس کی مغفرت ہوگئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی سچی توبہ کو جانتا ہے، اور ہر خیر کی چیز کو قبول کرتا ہے، ورنہ وہ اتنی دور تھا کہ اس کو عذاب کا فرشتہ لے جاتا، مگر اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ رحمت کے فرشتہ کے قریب کر دے، برائی کی زمین کو حکم دیا کہ وہ دور ہو جائے، تا کہ موت کی گھڑی اس شخص کیلئے جو توبہ کر چکا ہے رحمت کے قریب ہو جائے، اس طرح اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول کرتا ہے، اور وہ بھی سفاک، سخت، قاتل شخص اگر وہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔

توبہ کی قبولیت میں جھگڑا:

بعض توبہ کرنے والے ایسے بھی ہوں گے جو عفو و درگذر کے قریب، دوسروں کے حقوق کی وجہ سے نہیں پہونچیں گے، بلکہ ان کی معافی بندے کی معافی پر موقوف ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابن کی حدیث میں ہے:

(يجئ المقتول بالقاتل يوم القيامة ناصيته و رأسه بيده و أوداجه تشخب دما يقول يا رب هذا قتلنى حتى يدنيه من العرش)(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، لہٰذا خیانت کرنے والے سے قصاص ضرور لیا جائے گا، لہٰذا قاتل کا قتل ثابت ہو جائے، دیکھئے یہاں میں توبہ کرنے والے شخص کا اللہ تعالیٰ دفاع کر رہا ہے، مظلوم بندوں کو اپنی رضا اور خوشی دے کر تائب کی دفاع کرتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے:

(رجلان من امتى جثيا بين يدى رب العزة، فقال أحدهما يا رب خذلى مظلمتى من أخى، فقال اللّٰه تبارك و تعالىٰ للطالب، فكيف تصنع بأخيك ولم يبق من حسناته شئ قال يا رب فليتحمل من أوزارى قال: وفاضت عينا رسول الله صلى اللّٰه عليه وسلم بالبكاء ثم قال: إن ذالك اليوم عظيم يحتاج الناس أن يحمل عنهم من أوزارهم، فقال اللّٰه تعالىٰ للطالب ارفع بصرك فانظرفى الجنان فرفع رأسه، فقال يا رب أرى مدائن من ذهب و قصورا من ذهب مكلة باللولو لأى نبى هذا أو لاى صديق هذاأو لأى شهيد هذا قال هذا لمن اعطا الثمن قال يا رب و من تملكه ، قال لماذا؟ قال بعفوك عن أخيك، قال يا رب فإنى عفوت عنه، قال اللّٰه عز وجل فخذ بيد أخيك فأدخله الجنة، فقال رسول اللّٰه عند ذلك اتقوا اللّٰه و أصلحوا ذات بينكم فإن اللّٰه تعالىٰ يصلح بين المسلمين)(الحاکم فی المستدرک)

دیکھئے اس طرح اللہ تعالیٰ مظلوم بندوں کو اپنی رضا دیتا ہے، اور جنت میں وہ محلات عطا کرتا ہے جس کی وہ خواہش کرتا ہے، اور یہ صرف توبہ کرنے والے کے اعزاز واکرام

میں عطا کرتا ہے، حالانکہ وہ ان محلات قطعی حقدار نہیں ہوتا۔

(میری امت کے دو مرد اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنہ ٹیکیں گے ان میں سے ایک کہے گا اے اللہ میرے بھائی کا گناہ میرے بدلہ معاف کردے۔ تو اللہ تعالیٰ طالب عفو سے کہے گا کیسے تم اپنے بھائی کے لیے معافی چاہتے ہو درآں حالیکہ اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہے طالب عفو بندہ کہے گا تو میری گناہ کا بوجھ اس پر ڈالدے۔ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں نم ہوگئیں پھر آپؐ نے فرمایا وہ دن (روزمحشر) سخت ہوگا لوگ اپنی گناہ کا بوجھ بھی دوسرے کے سر ڈالنے میں دریغ نہیں کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے طلب کرنے والے سے کہا اپنی نگاہ اٹھاؤ اور باغ کو دیکھوتو اس نے اپنے سر کو اٹھایا، پھر کہا اے اللہ! میں سونے سے معمور شہروں کو دیکھ رہا ہوں، اور ایسے محلوں کو جو موتی سے آراستہ ہیں یہ کس نبی کے لیے ہے یا کس دوست کے لیے ہے یا کس شہید کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ اس شخص کے لیے ہے جس نے قیمت ادا کی ہے بندہ نے کہا اے اللہ کون اس کی ملکیت کی قدرت رکھتا ہے، اللہ نے کہا کیوں؟ تمہارا بھائی کو معاف کردینا ہی اس کی قیمت ہے، بندہ نے کہا اے اللہ بے شک ہم نے اس سے درگذر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور اسے جنت میں داخل کردو۔ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے اس وقت فرمایا: اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح کے ساتھ رہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بیچ صلح کو پسند فرماتا ہے)

توبہ کرنے والے کی پردہ پوشی:

اللہ تعالیٰ کے کرم واحسان میں سے یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کی خطاؤں کو دنیا میں چھپانے کا اہتمام کرتا ہے، گناہ کو چھپانا اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ کو قطعی ظاہر اور اعلان نہ کیا جائے۔ مؤطا امام مالک میں ہے:

''من ارتکب شیئا من هذه القاذ و رات فلیستتر بستر اللّٰه''

انسان کمزور ہے، اور اپنی ان کمزوریوں کی وجہ سے گناہ کر بیٹھتا ہے، اور اس سے توبہ کرتا ہے، اور مغفرت کا طلب گار ہوتا ہے، تو اس کے لئے قطعی مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کو ظاہر کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے کہ: (**یدنی المؤمن یوم القیامة من ربه عز وجل حتی یضع علیه کنفه فیقرره بذنوبه فیقول هل تعرف، فیقول أی رب أعرف قال فإنی قد سترتها علیک فی الدنیا وإنی اغفرها لک الیوم فیعطی صحیفة حسناته، و أما الکفار والمنافقین فینادی بهم علی رؤس الخلائق هؤلاء الذین کذبو علی اللّٰه**) (بخاری)

(مومن بروز قیامت اپنے رب کے قریب ہوگا حتی کہ اپنے مونڈھے کو ان کے اوپر رکھدے گا اور اپنے گناہوں کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم اسے جانتے ہو، تو بندہ کہے گا ہاں! یا اللہ میں اسے جانتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اس کی دنیا میں ستر پوشی کی اور آج میں اسے درگزر کرتا ہوں، پھر اس کے اچھے اعمال کا ایک صحیفہ عنایت فرمائے گا۔ اور کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے حاضر فرمائیں گے اور کہیں گے یہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتے تھے۔)

غور فرمائے جب اللہ تعالیٰ اپنے گناہگار بندوں کے ساتھ اس طرح کا عفو و درگزر کا معاملہ فرماتا ہے تو اطاعت و فرماں گزاروں کے لئے کیا کچھ نہیں فرمائے گا۔

رمضان مکمل انسانیت نوازی کے اظہار کا مہینہ

ادارہ

رمضان مسلمانوں کیلئے روحانی حلاوت اورتازگی کا مہینہ ہے،اس مہینہ میں جوشعوروآگہی امت مسلمہ کو حاصل ہوئی ہے، وہ دوسرے مہینوں سے بالکل ممتاز ہے، ایک مومن بندہ کواس مہینہ کومکمل اللہ تعالیٰ سے ڈرنے ، احساس رضا جوئی اور عالی ہمت کے ساتھ قبول کرنا ہے، یہ مہینہ ایک نئے انداز سے تعلق مع اللہ کو قائم اور اس کی تجدید کرتا ہے، سال کے گیارہ مہینہ جو کاہلی اور سستی چھائی رہتی ہے اس کے گردوغبار کو پوچھ کرختم کردیتا ہے،اس ماہ کریم کا جب مومن بندہ استقبال کرتا ہے تو اپنے آپ میں ایک نئی تازگی اور مستعدی محسوس کرتا ہے، روح مکمل طور سے تیار اور قلوب بخشش ،عطا اورفیاضی سے مسرورومعمور ہوتا ہے، یہ مہینہ حوصلے اورنئی نشاط کو پروان چڑھاتا ہے، اور انسان پورے فرائض منصبی کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے، اس لئے اس مہینہ کو اللہ کا خصوصی مہینہ، خیروبرکت، گناہوں سے برأت کا مہینہ اور اللہ تعالیٰ کی لامحدودعطااوربخشش کا مہینہ کہا جاتا ہے۔اوراسی لئے انسان اس ماہ مبارک میں دنیا کی ساری لذتوں کوٹھکرا کرصرف وہی کام کرتا ہے جورضائے الٰہی کا ذریعہ ہو۔رمضان المبارک مکمل بندوں کی اصلاح کا مہینہ ہے، بندہ اپنی مصروفیات کو خیرباد کہہ دیتا اور اس کے اور خواہشات نفسانی کے درمیانی ایک دیوارحائل ہوجاتی ہے۔

یہ مہینہ خیروبرکت کے متلاشی کیلئے یہ ایک بہترین موقعہ ہوتا ہے،اور بندہ جس خیر کی امید کرتا ہے، وہ سعادت اس کا استقبال کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی خاص رحمت سے نیکیاں عطا کرتا ہے، اور دعائیں قبول کرتا ہے ،جولوگ ہمہ وقت شر اور فساد کی فراق میں رہتے ہیں ان کے لئے بھی یہ بہترین موقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شر و فساد، منکرات وفواحش اورفسق و فجور سے رکے رہنے کا موقعہ فراہم کرتا ہے،اوران کے بھی قلوب کوان نازل ہونے والی رحمتوں کیلئے کھول دیتا ہے،اوراس کی خواہشات کےعلی الرغم ان کی اصلاح کا سامان کرتا ہے۔

روحانیت کا مہینہ:

یہ مہینہ روحانی تربیت کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ روح کی تربیت کا خاص انتظام کرتا ہے، اس کو شائستگی کے سانچے میں ڈھالتا ہے، بلندی عطا کرتا ہے، نظافت اور پاکیزگی کے اعلیٰ مقام تک پہونچاتا ہے، اور جو گناہوں کے گرد وغبار سے قلب بوجھل ہو چکا ہوتا ہے، اس کی کثافت کو دور کرتا ہے۔

رمضان ایک سایہ دار ہرے بھرے اور گھنے درخت کی مانند ہے جو ہمیشہ ابر رحمت اور تازگی کی برسات زندگی اور عمر کے صحرا میں کرتا رہتا ہے، نور وصفا بکھیرتا رہتا ہے، جس کے سائے تلے روح آسودہ ہوتی ہے اور پورے ماہ اس کی چھاؤں میں ٹھنڈک حاصل کرتی رہتی ہے، تاکہ چین وسکون اور پاکیزگی کی فضا میں عالم ارواح تک سلامتی کے ساتھ جا سکے۔

تقویٰ اور احسان کا مہینہ:

یہ مہینہ تقویٰ، احسان، انسانیت نوازی اور ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ اظہار اخوت اور ہمدردی کے جام پلانے کا مہینہ ہے، یہ مہینہ اللہ سے مکمل لو لگانے اور روزہ دار کا اپنی ذات سے اللہ کی عظمت وکبریائی کے اظہار کا مہینہ ہے، روزہ دار کسی سے لو نہیں لگاتا، سوائے رب العالمین کے، وہ روزہ جیسی اپنی عبادت میں مخلص ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تنہائی میں بھی جب اس کے سامنے کوئی نہیں ہوتا وہ روزہ کو توڑنے والی چیزوں سے اجتناب کرتا ہے، جس طرح وہ لوگوں کے سامنے ہر چیز سے بچتا ہے، وہ تنہائی میں بھی اگر ہوتا ہے تو وہ واقعی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

''أن تعبداللّٰه كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك''(بخاری حدیث جبرئیل) کا سراپا مظہر ہوتا ہے۔

وہ تنہائی میں حقیقتاً اس احساس سے سرشار ہوتا ہے کہ یہاں پر کوئی نہیں ہے، مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، مگر میرا پروردگار دیکھ رہا ہے، اور وہ اس احساس کے نتیجہ میں ہر اس چیز سے بچتا ہے جو اس کے روزہ جیسی عبادت کو توڑنے والی اور فساد سے دوچار کرنے والی ہوتی ہے، یقیناً وہ تنہائی میں اللہ کی عظمت کا اپنی ذات سے اظہار کرتا ہے، اگر اللہ کے دیکھنے کا احساس نہیں ہوتا تو یقیناً تنہائی میں بیٹھ کر کھا پی لیتا (نعوذ باللہ) اور باہر آ کر لوگوں سے کہتا کہ میں روزے سے ہوں، یہ ہے رتبہ احسان جسے حدیث میں بیان کیا گیا ہے، اور کسی استثناء کے بغیر روزہ دار اس کیفیت کے ساتھ چاہے چھوٹا ہو، بڑا ہو، مرد ہو عورت ہو بچہ ہو یا جوان ہو روزے کا اہتمام کرتا ہے، اور غالباً یہی وہ روزہ دار کا رتبہ ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: ''روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا'' (إلا الصوم فإنه لي و أنا أجزي به)

روزہ میں یہی جذبہ جو تنہائی اور خلوت وجلوت میں کھانے پینے کے تعلق سے ہوتا ہے، اسی جذبہ اور عمل کا مظاہرہ جسم کے ہر ہر عضو سے ہونا چاہئے، تب ہی ایک روزہ دار حقیقی معنی میں صائم کہلانے کے حقدار ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی آنکھ بھی روزہ رکھتی ہے، ہاتھ بھی روزہ رکھتا ہے، جو کسی کے خلاف نہیں اٹھتا، زبان بھی روزہ رکھتی ہے، جو غیبت نہیں کرتی، کان بھی روزہ رکھتا ہے، جو غلط بات نہیں سنتا، دل بھی روزہ سے ہوتا ہے، جو غلط خیال نہیں لاتا، اور دماغ بھی روزہ رکھتا ہے جو کوئی غلط بات نہیں سوچتا، غرضیکہ ہر ہر عضو روزہ سے ہوتا ہے اور غلط چیزوں سے باز رہتا ہے جو روزہ فرض کرنے والے پروردگار نے حرام قرار دیا ہے، اور جب روزہ دار اس رتبہ کو پہونچ جاتا ہے تو رمضان کی حقیقت اور نعمت وفضل کو پانے والا ہو جاتا ہے، یہی روح ہے ''لعلكم تتقون'' کی اس لئے

کہ روزہ مکمل طور پر انسان کو ہر عیب سے پاک کر دیتا ہے، روزے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ کھانے پینے کے کم ہونے کی وجہ سے نفس انسانی میں شہوت انگیزی میں کمی آتی ہے، جو بجائے خود عمل صالح اور خیر کی طرف انسان کو راغب کرتا ہے، نیکی کے کام اسے انجام دینا آسان اور سہل ہوجاتا ہے، اس مناسبت سے روزے کے چند اہم فوائد آیت قرآنی: ''لعلکم تتقون'' کی روشنی میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں:

اول:

خیر کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، اور بھلائی کے کاموں کیلئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کیلئے پیش پیش رہنا، ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا، اگر کوئی کسی طرح کے دین اور قرض کے بوجھ تلے دبا ہوتو اس سے چھٹکارا دلانے کی کوشش کرنا، تا کہ اپنے آپ کو ہلکا محسوس کر سکے، اور اگر خود کسی کا قرض خواہ ہوتو اپنے مقروض شخص کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا، کیونکہ قرض دینے والا شخص اس مال کا مالک ہے جو اس نے دیا ہے، نہ کہ اس شخص کا کہ غیر ضروری طور پر اس پر دباو بنائے رکھے، یہ جذبہ دراصل انسانیت کے اعلی اقدار کو پروان چڑھاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس ماہ میں آپؐ کے اندر جود وسخا میں اضافہ ہوجاتا تھا ''**عن ابن عباسؓ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أجود الناس وکان أجود مایکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل فیدارسہ القرآن**'' (بخاری ومسلم)

ثانی:

الفت ومحبت، دینی افکار وخیالات کے تبادلہ کی فضا قائم کرنا، اس کی اشاعت پر مساجد ومجالس میں توجہ دینا، بھائی چارے کو فروغ دینا، اور یہ فضاء افطار کے اہتمام، بخشش اور عطا کا ماحول اور رمضان کی مناسبت کا اہتمام، یتیم، ارامل اور بیواؤں کی امداد پر توجہ دینے، زکوۃ وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے سے قائم ہوتی ہے، چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں ہے: ''**من فطر صائماً کان مغفرۃ لذنوبہ و عتق رقبتہ من النار، وکان لہ مثل أجرہ من غیر أن ینقص من أجرہ شئی، قالوا یا رسول اللّٰہ لیس کلنا یجد ما یفطر بہ الصائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی اللہ ھٰذا الثواب من فطر صائما علی ثمرۃ أوشربۃ ماء أومذقۃ لبن**''۔

(جس نے ایک روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ افطار کرانا اس کے گناہ کی معافی اور جہنم سے آزادی کا سامان ہوگا، اور اس کے لئے اتنا ہی اجر لکھا جائے گا جتنا کہ روزہ رکھنے والے کیلئے ہے، اور بغیر کمی کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں کا کوئی بھی یہ استطاعت نہیں رکھتا کہ کسی روزہ دار کو افطار کرائے، آپؐ نے فرمایا کہ یہ ثواب ہر اس آدمی کو ملے گا جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ

اس مہینہ کو اللہ کا خصوصی مہینہ، خیر وبرکت، گناہوں سے برأت کا مہینہ اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود عطا اور بخشش کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے انسان اس ماہ مبارک میں دنیا کی ساری لذتوں کو ٹھکرا کر صرف وہی کام کرتا ہے جو رضائے الٰہی کا ذریعہ ہو۔ رمضان المبارک مکمل بندوں کی اصلاح کا مہینہ ہے، بندہ اپنی مصروفیات کو خیرباد کہہ دیتا اور اس کے اور خواہشات نفسانی کے درمیانی ایک دیوار حائل ہوجاتی ہے۔

پانی یا ایک گھونٹ لسّی سے افطار کرائے)

رمضان کا موقعہ مالدار اور غریب وفقیر مرد اور عورت اور بوڑھے جوان سب کیلئے حصول خیر کا ذریعہ ہے، کھجور کا ایک دانا، پانی کا ایک گھونٹ، اور دودھ کی ایک چھوٹی پیالی کسی کے لئے ناممکن نہیں ہے، شرط یہ ہے کہ ایمان میں عزیمت، نیت میں اخلاص، ہمت وجذبہ میں انسانیت نوازی اور برادرانہ محبت کا شعور ہو۔

ثالث:

دعا واستغفار، ذکر واذکار اور تلاوت قرآن کیلئے اپنے دل کو آمادہ کرنا اور جمانا، تا کہ اس کے ذریعہ دلوں کے زنگ کو صاف کیا جاسکے، اور دلوں پہ گیارہ مہینوں کے جمع ہوئے میل کچیل کو دھویا جاسکے، تا کہ چہرے سے روح کی تجلی ظاہر ہو، ہمت میں بلندی آئے اور مسکن روح یعنی دل کی مکمل صفائی ہوسکے، اس سلسلہ کی بہت سی روایات ہیں جو احادیث کی کتابوں میں درج ہیں۔

رابعًا:

اپنے آپ کو مکمل طریقے سے قیام لیل اور تراویح کیلئے فارغ کرنا، اطاعت الٰہی کیلئے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا، قبولیت کے اوقات میں اللہ سے التجاء کیلئے خود کو پیش کرنا، اور بالخصوص لیلۃ القدر میں، جس کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: "من قام رمضان إيمانا و احتساباً غفرله ما تنقدم من ذنبه"۔

(جس نے رمضان کا روزہ ایمان واحتساب کے ساتھ رکھا تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردئے جائیں گے)

اس طرح اس ماہ کی ہر رکعت جہری اور سری تسبیح ہر اچھی بات اللہ کے نزدیک بندہ کے لئے دہرے اجر رکھتی ہے۔

خامسا:

حرام چیزوں کے دیکھنے سے اپنی نگاہوں کو بچائے، اور اللہ کو راضی کرنے والی چیزوں میں مشغول رکھے، جو ایمان میں اضافہ کا ذریعہ اور قلب کے یقین کو دوبالا کرنے کا سبب ہے، بدنگاہی کا فتنہ ہمارے زمانے کا عظیم فتنہ ہے، جس میں ہمارا پورا معاشرہ مغرب کی طرح اس شیطانی عمل میں مبتلا ہے جس نے ہر کس وناکس کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس سنگین فتنہ سے بچنے کے لئے انسان کہاں جائے، کوئی راستہ نہیں مل رہا ہے، ہر گلی، ہر چوراہا اس کی زد میں ہے، اس فتنہ سے صرف اور صرف اللہ کا خوف ہی بچا سکتا ہے، جس دل میں اللہ کا خوف ہوگا اس کی نگاہیں ضرور اس سے محفوظ رہیں گی، چنانچہ حضرت حذیفہ ابن الیمان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نگاہ ابلیس جس پر کہ اللہ نے لعنت بھیجی ہے، زہر آلود تیر میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اللہ کے خوف سے اس سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ایمان عطا کرتا ہے جسکی حلاوت وہ اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے:

(عن حذيفة ابن اليمان رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النظرة سهم مسموم من سهام ابليس لعنه الله، فمن تركها خوفا من الله عزوجل أتاه الله عزوجل ايمانا يجد حلاوته فى قلبه). (رواه الحاكم وصححه)

(حرام نگاہیں اللہ کے غصہ اور اس کی ناراضگی کو دعوت دیتی ہیں، ابلیس کے راستہ کو کھولتی ہیں، خواہ یہ نگاہیں جہاں بھی پڑیں، میں نہیں سمجھتا کہ ایک عقل مند آدمی وہ ہوگا جو شیطان اپنے اندر لینے سے خوش ہوگا، لیکن عقل مند شخص وہ ضرور ہے جو ایمان کی لذت اور اس کی حلاوت کو حرام چیزوں سے محفوظ رہ کر حاصل کرے گا)۔

سادسًا:

آدمی نفس کو ایسا مضبوط بنائے جس سے کہ اپنے

اعظاء کو محرمات سے بچا سکے، ہلاکت خیز چیزوں سے دور رکھ سکے، اپنے روزے کو منکر اور فواحش سے پاک رکھ سکے، کیونکہ، محارم و منکرات ایک روزہ دار کو بے روزہ بنا دیتے ہیں، صرف ہمارے کھانے سے رکے رہنے اور روزے کے آداب کو ملحوظ نہ رکھ کر دن بھر اپنے آپ کو بھوک اور فاقہ کے عذاب میں مبتلا رکھنے کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دن بھر کھانا پینا چھوڑے رکھے:

(قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من لم یدع قول الزور والعمل بہ، فلیس للّٰہ حاجۃ فی أن یدع طعامہ وشرابہ)۔(بخاری)

روزے کی حالت میں فسق وفجور سے بچنے کی حکمت:

روزے کی حالت میں جھگڑے، لڑائی، نازیبا کلمات نکالنے سے باز رہنے اور صبر وضبط اور حلم و بردباری اختیار کرنے کی حکمت یہ ہے کہ انسان کے مزاج پر جو اثر کھانے پینے سے پڑتا ہے، روزے کا اثر اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے، انسانی نفس کا جو روز کا کھانے پینے کا معمول ہوتا ہے، اس سے روزے کی وجہ سے زندگی کا روٹین بالکل بدل چکا ہوتا ہے، اس کی وجہ سے کبھی کبھی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ سکتا ہے، انسان کسی ایسی چیز کا ارتکاب کرسکتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو، بلکہ خود اس کے اپنے نفس ومزاج کے خلاف ہو، اگر چہ انسان سنجیدہ طبیعت اور مزاج ہی کا کیوں نہ ہو، مگر غیض وغصب کی حالت میں اس سے غیر متوقع حرکت کے سرزد ہو جانے سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس حالت میں انسان کی دواء سوائے غضب اور غصہ پیدا کرنے والے اسباب سے حفاظت کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، اور جو آدمی جھگڑے لڑائی پر آمادہ ہو اس کے لئے یہ کہنے کے کہ بھائی میں روزے سے ہوں اور کوئی نہیں، نیز اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں کہ آدمی کھانا پینا جو حلال چیز ہے اس سے دن بھر رکا رہے اور حرام چیز سے روزہ افطار کرے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کا روزہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نہیں ہے۔

(کم من صائم لیس لہ من صیامہ إلا الجوع والعطش)

یہ ایسے ہی لوگوں کیلئے کہا گیا ہے جو دن بھر کھانے پینے سے تو رکا رہے، لیکن چغلی، غیبت اور دوسری چیزوں کے معاملہ میں بالکل مطلق العنان ہو۔

سابعاً:

یہ کہ ہر حال میں روزہ دار اللہ سے لولگائے رکھے اور مراقب رہے، اس لئے کہ اللہ سے لولگانے کی صفت اللہ کی معرفت رکھنے والوں اور اللہ سے ملنے کی امید رکھنے والوں کی ہوتی ہے، یہی دراصل تقوی اور مراقبہ کا خلاصہ اور فلسفہ ہے، یہی وہ مقام ہے رضا کا جہاں بندہ اللہ کے نور سے مانوس ہوتا ہے، اپنی معرفت اور علم کے نور سے محظوظ ہوتا ہے، اب روزہ داروں کیلئے سوچنے کا مقام ہے کہ کہاں ہے وہ رضائے الٰہی کا مقام و مرتبہ جسے تلاش کرے، حقیقی روزہ تو دل کا روزہ ہے، جس کا جلوہ افطار سے ظاہر ہوتا ہے، اور جب افطار کے وقت راحت وسکون اور قلبی مسرت سے لطف اندوز ہوتا ہے، تو ایسا لگتا ہے کہ وہ رب ذوالجلال کی رویت سے شرف یاب ہو رہا ہے۔

❁ ❁ ❁

رمضان کریم کی خیروبرکت

............● ادارہ

رمضان المبارک کا استقبال ہم کیسے کریں:

رمضان المبارک کے استقبال کا طریقہ یہ ہے کہ اس شہر مبارک کی آمد اور ہمیں اس ماہ کے میسر ہونے پر سب سے پہلے ہم رب ذوالجلال کی حمد و ثنا کریں، اس ذات باری کا شکر بجا لائیں اور اس عظیم نعمت کے ملنے پر ہم اپنے دل میں فرحت و انبساط کی لذت محسوس کریں، اور اب تک جو کوتاہیاں ہم سے سرزد ہوئی ہیں، اور جانے انجانے میں معاصی اور گناہ ہم سے ہوگئے ہیں ان سے توبہ واستغفار کریں اور اللہ سے مکمل لولگانے کا عزم بالجزم کرلیں۔

ہر طرح کی ظلم وزیادتی سے خود کو دور رکھنے کا تہیہ کریں اور دوسروں کے حقوق جو ہمارے اوپر ہیں انھیں ادا کریں، اور ایام رمضان میں شب و روز اصلاح اور خیر کے کاموں کا خود کو عادی بنائیں اگر یہ احساسات ہمارے اندر پیدا ہوگئے تو یقیناً رمضان کے آنے والے دنوں کی خیروبرکت کے مستحق بھی ہم ہوں گے اور ہر کام ہمارے لئے آسان سے آسان تر ہوتا چلا جائے گا۔

اس مبارک وعظیم ماہ کی آمد پوری امت کیلئے سامان مبارک بادی ہے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ اس ماہ مبارک کے آغاز پر ہم تمام مشرق ومغرب کے مسلمانوں کو اس کی مبارک باد پیش کریں، اور بتائیں کہ یقیناً یہ عمل صالح میں اضافہ کیلئے سنہری موقع ہے، اور رمضان اللہ سے لولگانے والوں کیلئے بہترین لمحات ومواقع (Opportunities) ہیں، اس مبارک موقع پر بھلا کیسے ایک مومن بندہ جنت کے دروازوں کے کھلنے سے خوشی ومسرت اور فرحت وانبساط محسوس نہیں کرے گا؟ اور کیسے اللہ کی طرف جھکنے والا ایک بندہ جہنم کے دروازوں کے بند ہونے پر مسرور نہیں ہوگا؟ کیا ہی خوب لمحات ہیں یہ، ان کی لطف اندوزی سے کوئی محروم القسمت انسان ہی محروم ہوسکتا ہے، یقیناً خوشخبری ہے مسلمانوں کیلئے اس ماہ صیام کی آمد، فرحت وانبساط کے اس پر بہار موقع پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو تروتازہ اور باہمت محسوس کریں، نہ کہ رمضان کے روزہ کو گرانبار اور ثقیل اور ماہ صیام کو ایک لمبی مدت کا بوجھ باور کریں، اور روزے میں کسی بھی قسم کی کمی پیدا کرنے والے امور سے خود کو بچانے اور ظاہری ومعنوی طور پر روزے کو توڑنے والی چیزوں سے اجتناب کرنے کا حتمی فیصلہ کریں، یہ ہے دراصل استقبال رمضان کا صحیح مفہوم ومطلب۔

رسول کریم ﷺ کا صحابہ کرام کو رمضان کی بشارت دینا:

روایات سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ اس ماہ مبارک کی آمد کی خوشخبری صحابہ کرام کو دیا کرتے تھے، اور بتاتے تھے کہ دیکھو یہ وہ مہینہ ہے جس میں جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، اور شیاطین قید کردئے جاتے ہیں، اور یہ اس لئے ہوتا ہے، تاکہ بندہ مومن اور روزہ داروں کو مکمل اللہ سے لولگانے میں کوئی روکاوٹ پیدا نہ ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور پورے مہینے کھلے رہتے ہیں اور جب مہینہ ختم ہوتا ہے تب بند کئے جاتے ہیں، اور جہنم کے سارے دروازے بند کرئے جاتے ہیں اور مہینہ ختم ہوتا ہے تب ہی کھلتے ہیں، اور مردود شیاطین باندھ دئے جاتے ہیں، اور ہر افطار کے وقت جہنم سے آزادی کا اللہ تعالیٰ خاص اہتمام کرتا ہے اور وہ لوگ جس پر جہنم واجب ہوچکی ہوتی ہے ان کو جہنم سے آزاد کرتا ہے:

(فعن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا دخل رمضان فتحت أبواب الجنان کلها، فلم یغلق منها باب إلی آخر الشهر، وغلقت أبواب النار فلم یفتح منها باب الی آخر الشهر، وسلسلت مردة الشیاطین، وللّٰه عتقاء عند وقت کل فطر یعتقهم من النار) (المعجم الأوسط للطبرانی ۱۷/۱۷/۴۵۱)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رمضان کی آمد کے موقعہ پر فرمایا کہ تمہارے لئے رمضان ایسا برکت کا مہینہ آچکا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ تم سب کو اس کے ذریعہ ڈھانپ لیتا ہے، رحمت نازل فرماتا ہے، گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور اس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہارے ایک دوسرے سے عبادت میں سبقت لے جانے اور تنافس کے منظر کو دیکھتا ہے، اور تمہارے بارے میں ملائکہ سے فخر و مباہات کا اظہار کرتا ہے، اس لئے تم اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو اچھی چیز دکھاؤ، یقیناً کوئی بد بخت ہی اس ماہ میں رحمت خداوندی سے محروم رہ سکتا ہے۔

(عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: یوماً و حضر رمضان ''أتاکم رمضان شهر برکة یغشاکم اللّٰه فیه، فینزل الرحمة و یحط الحطایا و یستجیب فیه الدعاء، ینظر اللّٰه تعلیٰ إلی تنافسکم فیه و بیاهی بکم فأروا اللّٰه من أنفسکم خیرا، فإن الشقی من حرم فیه رحمة اللّٰة عزو جل) (الترغیب والترہیب)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور مردود جن قید کردئے جاتے ہیں، جہنم کے سارے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، کوئی دروازہ اس کا کھلا نہیں رہتا، اور جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا، اور ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے، اے خیر کے طلب گارو! تمہارا استقبال ہے، اے شر کے طالبو! تمہارے لئے محرومی ہے، آج کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خاص جہنم سے آزادی کا پیکیج ہے، اور یہی کاروائی رمضان کی ہررات جاری رہتی ہے۔

(عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا کان أول لیلة من شهر رمضان صُفِّدَت الشیاطین و مردة الجن غلقت أبواب النار فلم یفتح منها باب، و فتحت أبواب الجنة، فلم یغلق منها باب و ینادی منادیا یا باغی الخیر أقبل، و یا باغی الشر أقصر وللّٰه عتقاء من

النار و ذلک کل لیلة) (سنن الترمذی۳/۱۰۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت مروی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے پورے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردئے گئے۔(بخاری ومسلم)

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کے نیک اعمال بغیر مکمل احتساب اور صدق نیت کے نہ تو قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے بغیر اللہ تعالیٰ اس کا تزکیہ فرماتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ایک اور روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہوتا ہے سوائے روزے کے، روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، روزہ ایک ڈھال ہے، اس لئے تم میں کا کوئی بھی رمضان کے دن میں ہوتو اس میں کوئی بھی ناشائستہ کام نہ کرے اور نہ ہی کوئی نازیبا حرکت کا مرتکب ہو، اگر کوئی گالی گلوچ کرے، یا لڑائی جھگڑے پہ آمادہ ہوتو اس سے کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک قیامت کے دن مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوگی، روزے دار کو دو فرحتیں میسر ہوتی ہیں، ایک جب وہ افطار کرتا ہے تو روزہ افطار سے، اور دوسرے جب وہ اپنے رب سے جا ملے گا تو اپنے روزے کی وجہ سے انبساط کی لذت محسوس کرے گا۔

(عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: قال اللّٰه عزوجل: کل عمل ابن آدم له، إلا الصیام، فإنه لی و أنا أجزی به، والصیام جنة، فإذا کان یوم صوم أحدکم فلا یرفث یومئذ ولا یسخب، فإن سابّه أحد أو قاتله فلیقل إنی امرؤ صائم، والذی نفس محمد بیده لخلوف فم الصائم أطیب عند اللّٰه یوم القیامة من ریح المسک، وللصائم فرحتان یفرحهما إذا أفطر فرح بفطره، وإذا لقی ربه فرح بصومه) (مسلم۶/۱۷)

زیادہ سے زیادہ عبادات کی کوشش کرنا:

اس ماہ کریم میں مسلمانوں کیلئے خوب سے خوب اور زیادہ سے زیادہ عبادات کی کوشش کرنے کو نہ صرف یہ کہ شریعت نے جائز کہا ہے، بلکہ اس پر ابھارا ہے، زیادہ نوافل کا اہتمام کرنا، غور وفکر کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرنا، تسبیحات اور حمد وثنا کا اہتمام کرنا، تکبیر و استغفار اور دعاؤں میں مشغول رہنا، امر بالمعروف، یعنی لوگوں کو خیر کی دعوت دینا، منکرات سے بچنے کی تلقین کرنا، لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا، فقراء اور مساکین کے ساتھ ہمدردی کرنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، پڑوسیوں کا اکرام کرنا اور مریضوں کی عیادت کرنا، اسی طرح دیگر نیک کاموں میں زیادہ سے زیادہ مصروف رہنا چاہئے'' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان المعظم کے آخری دن ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: لوگو! تمہارے اوپر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہوا ہے، جو بڑا مبارک ہے، اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار راتوں سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے فرض قرار دئے ہیں، اور اس کی راتوں کو نوافل کے ذریعہ آباد رکھنے کو مستحب اور مندوب قرار دیا ہے، اس مہینہ

میں خیر کے ذریعہ اللہ کی قربت حاصل کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے غیر رمضان میں فرض ادا کرنے والا، اور ایک فرض ادا کرنے والا غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرنے والے کے برابر ہے، یہ صبر و ضبط کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، یہ ہمدردی و مواخات کا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اللہ تعالیٰ اضافہ فرما دیتا ہے، جو شخص اس ماہ میں کسی روزہ دار کو افطار کراتا ہے، تو یہ افطار کرانا اس کے گناہوں کے معافی اور جہنم سے اس کی گردن آزاد کرانے کا ذریعہ ہوتا ہے، اس کے لئے بھی اتنا ہی اجر مقرر ہوتا ہے جتنا روزہ دار کیلئے ہوتا ہے، اور بغیر کسی کمی کے، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں سے تو کسی میں اتنی حیثیت نہیں ہے کہ جو کسی روزہ دار کو افطار کرا سکے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس آدمی کو بھی عطا فرماتا ہے جو کسی کو ایک کھجور یا پانی اور دودھ کے ایک گھونٹ سے افطار کرا دے، یہ وہ مہینہ ہے جس کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، اور درمیانی عشرہ مغفرت کا ہے، اور آخری ہفتہ جہنم سے آزادی کا ہے، جو شخص اپنے غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ اس ماہ مبارک میں نرمی کا برتاؤ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اسے جہنم سے گلو خلاصی دیدے گا، اس ماہ عظیم میں چار چیزیں ایسی ہیں جن کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہئے، جن میں دو چیزیں ایسی ہیں جن سے اللہ کی رضا نصیب ہوتی ہے، اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان بے نیاز نہیں ہوسکتا، جو دو چیزیں رب العالمین کی خوشنودی کی ہیں، ان میں ایک ہے کلمہ شہادت ''لا الـه إلا اللّٰه محمد الرسول الـلّٰـــه'' کا کثرت سے ورد اور دوسرے کثرت سے اللہ سے مغفرت طلب کرنا اور معافی مانگنا۔ اور دو چیزیں جن سے انسان بے نیاز نہیں ہوسکتا ان میں سے ایک ہے اللہ سے جنت کا سوال کرنا اور جہنم سے پناہ چاہنا، رمضان میں جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھانا کھلانے کا اہتمام کرے گا اللہ تعالیٰ حوض کوثر سے اسے ایسی جام پلائے گا کہ اسے کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا'' (صحیح ابن خزیمہ ۷/۱۱۵)

رمضان میں آپ ﷺ کی طرف سے بعض خصوصی ہدایتیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت رمضان میں دوسرے مہینوں کے مقابلہ بالکل مختلف ہوتی تھی، اور تقرب الی اللہ، عبادت و ریاضت کا یوں تو ہر لحہ اہتمام رہتا تھا، مگر ظاہری اعتبار سے رمضان میں اللہ کی طرف سے خصوصی ہدایت اور لوگوں کی تعلیم اور رغبت میں اضافہ کے پیش نظر اس کا زیادہ مظاہرہ ہوتا تھا، اور اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ رمضان کے شب و روز کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت و برتری میں دوسرے ماہ سے ممتاز رکھا ہے، اور جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے کوئی گناہ اور خطا آپؐ کے پاس سے بھی نہیں گذرتی تھی، مگر پھر بھی آپؐ عبادات، نوافل اور قیام لیل میں امت کے افراد سے سب سے زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے۔

سخاوت میں اضافہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تو تھے ہی، مگر رمضان میں اس میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ '' آپؐ یوں تو دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، مگر رمضان میں آپؐ اور سخی ہو جاتے تھے بالخصوص جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات کرتے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کا رمضان کی ہر رات میں آپ ﷺ سے ملاقات کا معمول

رہتا اور قرآن کریم کے درس اور تعلیم کا سلسلہ رہتا تھا، اور جب حضرت جبرئیل کی ملاقات سے فارغ ہوتے تو آپ ﷺ چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوجاتے، یعنی جس طرح جب ہوا چلتی ہے تو دنیا کی ہر شئی کو فیضیاب کرتی اور تازگی فراہم کرتی ہوئی گذرتی ہے، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت ہر مخلوق اور ہر انسان کیلئے عام ہوتی تھی، حدیث کے الفاظ اس طرح ہے:

(عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: كان من أجود الناس، و أجود مایكون في رمضان، حين يلقاه جبرئيل، يلقاه كل ليلة يدارسه القرآن، فكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حين يلقاه جبرئيل أجود من الريح المرسلة) (مسند احمد ۷/۲۶۱)

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ آپؐ رمضان کے مہینہ میں رشد و ہدایات کی مکمل تصویر ہوتے تھے، اور آپؐ کی ہدایات بھی کامل مقاصد کے حصول میں (بھرپور اور عظیم، لوگوں کیلئے نہایت ہی آسان مختلف عبادتوں میں کثرت پر ابھارنے والی اور مکمل ہوتی تھیں) حضرت جبرئیل آپؐ سے رمضان میں قرآن کی درس و تدریس اور مکمل سننے کا اہتمام کرتے تھے، اور جب جبرئیلؑ سے ملاقات ہوتی تو خیر کے معاملہ میں بہنے والی ہواؤں سے بھی زیادہ سخاوت کا دریا آپؐ کی ذات سے رواں ہوجاتا تھا، اور وہ صدقات و احسان، تلاوت قرآن، نماز، ذکر و اذکار اور اعتکاف کی شکل میں سامنے آتا تھا، اور رمضان کے پورے مہینہ کو دوسرے مہینوں کے مقابلہ عبادت کیلئے خصوصیت کے ساتھ، خاص فرمالیا کرتے تھے، یہاں تک کہ ۲۴ گھنٹہ کا ہر لحہ عبادت میں مشغول ہوتا تھا، اور صحابہ کو صوم وصال سے منع فرماتے تھے، اور جب صحابہ عرض کرتے کہ حضور آپ تو مسلسل روزہ سے ہوتے ہیں تو آپؐ فرماتے کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میں رات کو سوتا بھی ہوں، اور مزید یہ کہ میں اللہ تعالی کی خصوصی نگرانی میں ہوتا ہوں، مجھے کھلایا بھی جاتا ہے، اور پلایا بھی جاتا ہے'' (زادالمعاد ۲/۳۰)

(عن انس بن مالك رضی اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم يفطر على رطبات قبل أن يصلي، فإن لم تكن رطبات فعلى ثمرات، فإن لم تكن حسا حسوات من ماء) (ابوداؤد ۶/۳۰۶)

آپؐ چند تازہ کھجوروں سے افطار کیا کرتے تھے، نماز مغرب سے قبل، اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو پھر سوکھی، اگر وہ بھی نہ ہوتے تو شوربے کے چند گھونٹ، اگر وہ بھی نہ ہوتے تو پانی کے چند گھونٹ سے۔

جہاں تک سحری میں تاخیر کی بات ہے تو سحری اور اذان فجر کے درمیان تھوڑا ہی وقفہ ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری فرمائی اور جب دونوں سحری سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے روانہ ہوگئے، اور نماز پڑھی، میں نے حضرت انسؓ سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زیدؓ کے سحری سے فارغ ہونے اور نماز میں مشغول ہونے میں کتنا فرق رہا ہوگا تو انہوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی جتنے میں آدمی پچاس قرآنی آیات کی تلاوت کرلے''۔

(عن انس بن مالك رضی اللّٰه عنه أن نبي اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم و زيد بن ثابت رضي اللّٰه عنه تسحرا فلما فرغا من سحورهما قام نبي اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى الصلاة، فصلى، فقلنا لأنس

کم کان بین فراغهما من سحورهما و دخولها فی الصلاۃ؟ قال: کقدر مایقرأ الرجل خمسین آیة) (بخاری:۴/۲۹۸)

حضرت امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس روایت میں سحری کے نماز فجر سے کچھ پہلے تک تاخیر کرنے تک کی ترغیب کا پتہ چلتا ہے۔(شرح نووی علی مسلم:۴/۴۷)

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اذان کے بعد اور نماز فجر سے پہلے جماعت کھڑی ہونے تک سحری کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ اذان فجر تک سحری کو مؤخر کرنا مستحب ہے، دیہی علاقوں لوگ خاص طور سے جلدی سحری کر لیتے ہیں اور پھر گھنٹوں بعد فجر کی اذان ہوتی ہے، یہ طریقہ سحری میں بیان کردے، تاخیر سنت کے خلاف ہے۔

افطار کے وقت دعاء کی ہدایت:

افطار کے وقت دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے، افطار سے پہلے بھی اور افطار کے بعد بھی، چنانچہ ایک روایت میں ارشاد نبویؐ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزہ دار کیلئے افطار کے وقت کی وہ دعاء ہے جو رد نہیں ہوتی، ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے سنا جب وہ افطار کرتے تو کہتے: اے اللہ ہم تیری اس رحمت کا سوال کرتے ہیں جو ہر چیز کیلئے وسیع ہے، کہ میری مغفرت فرما دیجیو:

(فعن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن للصائم عند فطره لدعوة ماترد، قال ابن أبي مليكة، سمعت عبدالله بن عمرو يقول إذا أفطر: اللهم إني أسالك برحمتك التي وسعت كل شي أن تغفرلي)(سنن ابن ماجہ، والمستدرک علی الصحیحین:۴/۶۶)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت فرمایا کرتے تھے: پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا انشاء اللہ:

''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أفطر قال: ذهب الظمأ و ابتلت العروق و ثبت الأجر إن شاء الله''(ترمذی۵/۳۰۸)

اور ''ابوداؤد'' کی روایت میں ہے کہ حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس یہ بات پہونچی ہے کہ نبی صلی اللہ جب افطار فرماتے تو کہتے: ''اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیری ہی دی ہوئی رزق سے افطار کیا:

(عن معاذ بن زهرة رضي الله عنه أنه بلغه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا افطر قال: الهم لك صمت و على رزقك افطرت) (ابوداؤد:۶/۳۰۹)

سحری پر آمادہ کرنا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو رمضان میں سحری کرنے کی ترغیب دیتے تھے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تسحروا فإن السحور بركة''(سحری کرنے کا اہتمام کیا کرو، کیونکہ سحری میں برکت ہے)(بخاری ومسلم)

حضرت امام ابن المنذر فرماتے ہیں کہ سحری کے مندوب اور مستحب ہونے پر علماء کا اجماع ہے، اگر کوئی شخص سحری نہ کھائے تو کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ سحری پر اس لئے امت کو آپؐ نے ابھارا ہے، تاکہ روزہ کی حالت میں قوت باقی رہے اور

نقاہت کا احساس نہ ہو، اور یہ روزے کے تحفظ وصیانت کے نقطہ نظر ہے، ورنہ سحری نہ کرنے کی وجہ سے بڑے دنوں میں ممکن ہے صحت کو خطرہ لاحق ہو اور روزہ توڑنے کی نوبت آجائے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سحری کے ذریعہ روزے کو تقویت دو اور رات کے قیلولہ اور آرام کے ذریعہ قیام لیل اور تراویح کو تقویت دو:

(عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: استعينوا بطعام السحر على صيام النهار، وبالقيلولة على قيام الليل)

اسی وجہ سے آپؐ نے سحری کو برکت والی غذا قرار دیا اور فرمایا آو بابرکت کھانے کی طرف:

(عن العرباض بن سارية قال: دعاني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى السحور في رمضان، فقال: هلم إلى الغذاء المبارك)(ابوداؤد ۶/ ۲۸۹، شرح ابن بطال ۷/ ۵۱)

افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کی ہدایت:

افطار میں جلدی کرنا چاہئے، یہ بہتر اور خیر کی بات ہے، جو لوگ افطار میں تاخیر کرتے ہیں اور فقہ جعفری وغیرہ کا حوالہ دیکر دس منٹ تاخیر سے افطار کو بہتر قرار دیتے ہیں یہ بالکل ثابت شدہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''افطار میں جلدی کرنے والے لوگ ہمیشہ خیر پر باقی رہیں گے، چنانچہ ''صحیح بخاری'' میں ہے:۔

(عن سهل بن سعد أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يزال الناس بخير ماعجلوا الفطر) (بخاری ۷/ ۵۹)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں غروب آفتاب کے بعد افطار میں جلدی کرنے کی تحریض وترغیب دی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے تمام معاملہ خیر پر اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک اس سنت کی یہ قوم حفاظت کرتی رہے گی، اور اگر اس میں تاخیر کردے گی تو یہ اس کے فساد اور بگاڑ میں مبتلا ہوجانے کی علامت ہوگی (شرح نووی علی مسلم ۴/ ۵۷)

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند تازہ کھجوروں سے نماز مغرب سے قبل قبل افطار فرمالیا کرتے تھے، اور اگر رطب یعنی تازہ کھجوریں نہیں ہوتیں تو پھر خشک کھجور سے افطار کرلیتے تھے، اور اگر وہ بھی نہیں ہوتی تو پھر چند گھونٹ پانی سے روزہ افطار لیتے تھے۔(ابوداود ۶/ ۳۰۶)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تازہ کھجور سے افطار کرنا مستحب ہے۔(تحفۃ الاحوذی ۲/ ۲۳۴)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جب روزہ دار افطار کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ افطار کے وقت جو بھی دعائیہ کلمات اسے آتے ہوں ان کے ذریعہ اللہ سے دعاء کرے۔

افطار سے پہلے دعاء:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں جن کی دعاء اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا ہے ایک روزہ دار یہاں تک کہ افطار کرلے، دوسرے انصاف پرور اور عادل خلیفہ اور امام اور تیسرے مظلوم، اللہ تعالیٰ اس کی دعاء کو بادلوں

سے اوپر لے جاتا ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے: میری عزت وشرافت کی قسم میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔ اگر چہ کچھ دیر بعد ہی سہی:

(عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر، والإمام العادل، و دعوة المظلوم يرفعها فوق الغمام ويفتح لها أبواب السماء، ويقول الرب: و عزتي لأنصرنك ولو بعد حين)(ابوداؤد:۱۲/۲۵)

اس سے مراد وہ کامل روزہ دار ہے جس نے اپنے اعضاء کومنافی اور منکر چیزوں سے بچایا ہوتو اس کی دعاء جسمانی پاکیزگی اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کی وجہ سے قبول کی جاتی ہے۔(فیض القدیر:۳/۲۹۷)

رمضان کے آخری عشرہ کی ہدایت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آخری عشرہ رمضان کا داخل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات عبادت کا اہتمام فرماتے اور اہل وعیال کو جگاتے اور اپنا ازار کس لیتے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کا جتنا اہتمام کرتے، اتنا دوسرے عشروں میں اہتمام نہیں فرماتے، گویا سب سے زیادہ اہتمام کرتے تھے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت ہے:

(فعن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دخل العشر أحيا الليل و أيقظ أهله وجد و شد المئزر)(مسلم:۶/۹۵)و في روايه: (كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يجتهد في العشر الأواخر مالا يجتهد في غيره) (مسلم:۶/۹۶)

امام نووی کہتے ہیں کہ کہ رمضان کے آخری عشرہ میں زیادہ سے زیادہ عبادات کرنا اور راتوں کو عبادات سے آباد رکھنے کا اس روایت سے مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے (شرح نووی: ۲۰۸/۴)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عبادت ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے اوپر لازم و ضروری یہی ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو پیروی کریں، اسی کو لازم پکڑیں، عبادتوں میں انھیں کو اختیار کریں، اور انھیں کے ذریعہ اللہ رب العالمین کا تقرب حاصل کریں، ہم تو بندے ہیں محتاج ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ ہماری عبادتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات تک نہیں پہونچ سکتیں، تاہم ہمیں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ہی حکم دیا گیا ہے اور اسی کے ذریعہ ہمیں اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے، اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ ہماری نجات صرف اور صرف اپنے رسول کی اتباع اور پیروی میں ہے، اور ان کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت کرنے اور زندگی گذارنے میں ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اوپر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو اختیار کرنا لازم ہے، تم انھیں مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، اور انھیں اپنے سے دبالو۔

’’قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فعليكم بسنتي و سنتة الخلفاء الراشدين المهدين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ‘‘ابوداؤد:۲/۲۱۱)

❁ ❁ ❁

رمضان کریم میں دعاؤں کا اہتمام

.... ● ترجمہ: مفتی احمد نادر القاسمی

اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعاء کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور ہماری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

"**ادعونی استجب لکم**" (غافر:۶۰) (تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"**واذا سألک عبادی عنی فإنی قریب أجیب دعوة الداع إذا دعانِ فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلهم یرشدون**" (غافر:۶۰)

(اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں، اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے)

ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی دعاء دربار ایزدی سے رد نہیں ہوتی، ایک انصاف پرور امام (خلیفہ) دوسرے روزہ دار جب وہ افطار کیلئے بیٹھے اور تیسرے مظلوم۔ (ترمذی: ۹/۸۶)

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں جن میں دعاء کی اہمیت، فضیلت اور اس کی دینی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے، دعاء عبادات کی روح ہے، جو بندے اور رب کے درمیان گہرے رشتہ کی تعمیر کرتی ہے، اور اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے رب کا محتاج ہے، رمضان المبارک میں دعاء کا ایک خاص مقام و مرتبہ ہے، روزہ دار کی دعاؤں کی قبولیت مسلم ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں کثرت سے دعاؤں کا اہتمام کرتے تھے، اور امت کو اس ماہ مبارک میں دعاء کی فضیلت بھی بتاتے اور اس کی تاکید بھی فرماتے تھے۔

دعاء کی فضیلت:

دعاء کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ دعاء کو بھی شریعت میں عبادت کا مقام حاصل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ارشاد ہے کہ دعاء بھی عبادت میں ہے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیت کریمہ "**قال ربکم ادعونی استجب لکم... وآخرین**" (کہ تمہارا رب ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا) چنانچہ ترمذی کی روایت ہے:

"**الدعاء هو العبادة وقرأ: "قال ربکم ادعونی استجب لکم... (إلی قوله) وآخرین**" (سنن ترمذی: ۱۰/۲۲۹)

(دعاء عبادت ہے، اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی: تمہارا کہنا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا)

دعاء عبادت کا مغز ہے:

ترمذی شریف ہی کی روایت ہے کہ دعاء عبادت کا

مغز ہے (ترمذی: ۱۱/ ۲۲۰)

دعاء کرنے والے کیلئے اللہ کی محبت:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعاء سے زیادہ مکرم ومحترم کوئی اور چیز نہیں ہے، اس لئے کہ دعاء بھی دین کا ایک ستون ہے، اس لئے کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعاء بھی کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک وبرباد کردے چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اس کا فضل مانگتے رہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور افضل ترین عبادت، اللہ کی وسعت ورحمت کا انتظار ہے۔

(أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: سلوا اللّٰہ من فضلہ، فإن اللّٰہ عز وجل یحب أن یسأل و أفضل العبادۃ انتظار الفرج) (المعجم الکبیر للطبرانی: ۸/ ۴۳۱)

ایک روایت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ دعاء میں عاجزی اور گریہ زاری کرنے والے کو پسند کرتا ہے، چنانچہ "شعب الایمان" میں ہے:

(إن اللّٰہ یحب الملحین فی الدعاء) (شعب الایمان: ۲/ ۱۶۷)

دعاء سے رک جانا غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس سے خفا ہوتا ہے اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے، چنانچہ ترمذی کی روایت ہے:

(من لم یسأل اللّٰہ یغضب علیہ) (ترمذی: ۱۱/ ۲۲۳)

جس پر بلا نازل ہوچکی اور جس پر ابھی نازل نہ ہوئی ہو دونوں کیلئے دعاء مفید ہے:

دعاء اس بلا کو بھی دور کرتی ہے جو نازل ہوچکی ہے، اور اس بلا کو بھی روک دیتی ہے جو نازل ہونے والی ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اللہ کے فیصلوں کو صرف دعاء ہی روکنے کا ذریعہ بن سکتی ہے، ترمذی میں روایت ہے:

"لا یرد القضاء إلا الدعاء" (ترمذی: ۸/ ۲۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ دعاء قضاء اور قدر کو ٹال سکتی ہے، چنانچہ دعاء قنوت میں ہے:

"وقنی شر ماقضیت" (ابوداؤد: ۴/ ۲۱۰)

اگر دعاء قدر وقضا کے ٹالنے کا سبب نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیتے اور نہ ہی امت کی اس جانب رہنمائی فرماتے، اس لئے جو شخص چاہتا ہے کہ مصیبت کے وقت کہ اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور کردے تو اسے چاہئے کہ بد حالی اور مصیبت کی حالت میں عاجزی کے ساتھ دعاء میں مشغول رہے، اس لئے کہ جب کوئی بندہ مومن اللہ سے دعاء کرتا ہے اور اس میں کوئی بری چیز نہیں مانگتا اور نہ قطع رحمی کی کوئی چیز اس میں ہوتی ہے تو اس میں تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے: (۱) اللہ تعالیٰ جلد اس کی دعاء قبول کرلیتا ہے (۲) یا اس کے لئے اللہ تعالیٰ سامان آخرت کے طور پر ذخیرہ کردیتا ہے (۳) یا اس جیسی ناخواہی چیز کو دور کردیتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کوئی مسلمان جب کوئی دعاء کرتا ہے اور اس میں کسی بری چیز کا مطالبہ نہیں ہوتا، یا اس میں کسی رشتہ کو ختم کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے تین چیزیں ضرور عنایت فرماتا ہے: یا تو فوراً اس کی دعاء قبول ہوجاتی ہے، یا آخرت کیلئے اسے ذخیرہ کردیتا ہے، یا اس کی اس جیسی کسی آنے والی مصیبت کو ڈال دیتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا

ہم چاہے جتنا مانگیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینے والا ہے، چنانچہ مسند احمد میں ہے:

(یقول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما من مسلم یدعو بدعوۃ لیس منھا إثم و لا قطعیۃ رحم إلا اعطاہ اللّٰہ بھا إحدی ثلاث: إما أن تعجل لہ دعوتہ، اما أن یدعوھا لہ فی لآخرۃ، و إما أن یصرف عنہ من السوء مثلھا، قالوا: إذا تکثر، قال: اللّٰہ اکثر)(مسند احمد:۲۲/۲۵۴)

دعاء کے نتائج:

دعاء کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امید و کشادگی کی راہ اور رحمت کے دروازے کو کھولتی ہے، جو آدمی دعاء کے دروازے کھولتا ہے، اس کی مٹھاس چکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر، برکت، رحمت اور قبولیت کے دروازے وا کرتا ہے۔

دعاء کے آداب:

دعاء کے کچھ آداب ہیں اور دعاء کرنے والوں کو چاہئے کہ ان آداب کا خیال رکھیں، جو آدمی ان آداب سے محروم ہوگا وہ توفیق ایزدی اور عنایت ربّانی سے بھی محروم ہی رہے گا۔

۱۔ **حلال اور طیب کا التزام اور حرام سے کلی اجتناب:۔**

اکل حلال اور حرام خوری سے کلی اجتناب، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: آدمی لمبے سفر کا راہی ہے، جس کے بال پراگندہ ہیں، اور وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے، اور کہتا ہے اے میرے رب، اے میرے رب، حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، اور اسے غذا بھی حرام ہی کی دی گئی ہے بھلا ایسی صورت میں اس کی دعاء کیسے قبول ہوگی۔

اور حضرت سعد بن وقاصؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد اپنے کھانے کو پاکیزہ رکھو، تم مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔

(فقد ذکر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: الرجل یطیل السفر أشعث أغبر یمد یدیہ إلی السماء یا رب یارب و مطعمہ حرام، و شربہ حرام و ملبسہ حرام و غذی بالحرام، فأنی یستجاب لذلک، (ملسم:۵/۱۹۲) وقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم لسعد بن أبی وقاص: یاسعد أطب مطعمک تکن مستجاب الدعوۃ)(المعجم الاوسط للطبرانی:۱۴/۲۶۱)۔

۲۔ **حمد وثناء سے دعاء کا آغاز کرنا:**

دعاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دعاء حمد وثنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے ساتھ شروع کی جائے، اس کے بعد اپنی حاجات کی اللہ تعالیٰ سے التجا کی جائے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں دعاء کرتے ہوئے سنا کہ اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے جلد بازی سے کام لیا، پھر اسے بلایا اور اس سے یا دوسرے سے فرمایا کہ جب تم میں کا کوئی شخص دعاء کرے تو اپنے رب کی کبریائی سے دعا شروع کرے، اس کی حمد وثناء کرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے:

(فقد سمع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجلا یدعو فی صلاتہ لم یمجّد اللّٰہ تعالیٰ ولم یصل علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، فقال رسول اللّٰہ ﷺ: "عجل ھذا ثم دعاہ. فقال لہ أو لغیرہ إذا صلی أحدکم فلیبدأ بتمجید ربہ جل وعز و الثناء

علیہ،ثم یصلّی علی النبیﷺ عدعو بعد ما شاء) (ابوداؤد:۴/۲۸۰)

دعاء میں دونوں ہاتھ پھیلانا:

دعاء میں دونوں ہاتھوں کے پھیلانے میں بندے کیلئے اپنے رب کے سامنے عجز وانکساری کا اظہار بھی ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ ہر حال میں انسان اپنے رب کا ہی محتاج ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ تمہارا رب حیّی ہے، کرم کرنے والا ہے، وہ اپنے بندے سے اس بات پر شرماتا ہے کہ کوئی بندہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور وہ اسے خالی واپس کردے، یا یہ فرمایا کہ اسے محروم ونامراد کردے۔

(إن ربکم حیي کریم یستحي من عبده أن یرفع إلیه یدیه فیردهما صفرا أو قال خائبسین) (ابن ماجہ:۱۱/۳۲۸)

دعاء کے وقت اپنے قلب ودماغ کو حاضر اور قبولیت کا یقین رکھے:

یوں تو عام حالات میں ہمیشہ اپنے رب کے سامنے دعاء کرتے وقت اپنے دل ودماغ کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے رکھے، البتہ سجدے میں دعاء کا اہتمام کرے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کی سب سے موضوع ترین چیز سجدہ ہی ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا اس حالت میں زیادہ سے زیادہ دعاء کا اہتمام کرنا چاہئے:

(أقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فأکثروا الدعاء) (صحیح مسلم:۲/۲۹)

قبولیت کے بارے میں عجلت پسندی کا شکار نہ ہو:

دعاء کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب یہ بات طے ہے کہ دعاء بھی عبادت، بلکہ عبادت کا مغز اور جان ہے، اور انسان اللہ کی عبادت ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے تو اس کے لئے یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ دعاء میں اکتاہٹ اور عجلت پسندی کا شکار ہو، اس لئے کہ جب آدمی عجلت پسندی سے کام لیتا ہے تو پھر اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی، چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ تم میں کے ہر شخص کی دعاء قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ جلد بازی نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں دعاء تو کرتا ہوں اور کررہا ہوں، مگر قبول ہی نہیں ہوتی۔

(یستجاب لأحدکم مالم یعجل، فیقول قد دعوت فلم یستجب لي) (المؤطا امام مالک:۲/۱۴۷)

رمضان میں دعاء کی فضیلت:

چونکہ رمضان کریم تمام مہینوں میں سب سے افضل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اتنی خصوصیات اور فضیلت بخشی ہے، جسے اعداد وشمار اور گنتی میں نہیں لایا جاسکتا، مگر ان میں سب سے اہم فضیلت یہ ہے کہ اس ماہ میں اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے، اس ماہ میں گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، مردود شیطان قید کردئے جاتے ہیں، اسی مہینے میں وہ راتیں بھی ہیں جو ہزار مہینوں سے افضل ہیں، نیکیاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، اس میں لغزشیں کم ہوجاتی ہیں، اس میں اللہ دعائیں قبول کرتا ہے، چنانچہ ''نسائی'' کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تمہارے لئے رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تمہارے لئے فرض کئے ہیں، جس میں آسمان کے رحمت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں، شیاطین قید کردئے جاتے ہیں، اللہ کیلئے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل اور بہتر ہے، جو

اس کی برکت سے محروم کردیا گیا وہ محروم ہی رہا:

(قال رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم: أتاکم رمضان شهر مبارک فرض اللّٰه عزوجل علیکم صیامه تفتح فیه أبواب السماء، و تغلق فیه أبواب الجحیم، و تغل فیه مردة الشیاطین، للّٰه فیه لیلة خیر من الف شهر، من حرم خیرها فقد حُرِم)(النسائی:۷/۲۵۶)

دعاء کی قبولیت کیلئے آسمان کے دروازوں کا کھلنا:

قرآن کریم کی آیت:''إذا سألک عبادی'' (آیت:۱۸۶) روزے سے متعلق نازل احکام کے درمیان ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ روزہ دار مومن بندہ اپنی نیکیوں میں کثرت کرے، دعاؤں میں اضافہ کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ جھکا رہے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ روزہ دار کی دعاء اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اوپر رمضان کا مہینہ آیا ہے جو برکت والا مہینہ ہے، اس میں خیر وبرکت سے اللہ تعالیٰ تم کو ڈھانپ لیتا ہے، اس میں رحمت نازل ہوتی ہے، خطائیں معاف ہوجاتی ہیں، دعائیں قبول ہوجاتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کو دیکھتا ہے، اور فرشتوں کے درمیان اس پر اظہار فخر کرتا ہے، اسی لئے تم بھی ہر ممکن کوشش کروکہ تم اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کے سامنے خیر ہی ظاہر کرو، وہی شخص اس ماہ مبارک میں رحمت خداوندی سے محروم رہتا ہے، جو نہایت ہی شقی اور بدبخت فطرت کا انسان ہو۔(مسند الشامیین للطبرانی:۹/۴۲۹)

ایک مسلمان رمضان سے پہلے رمضان کی آمد کی دعا کرتا ہے، اور رمضان آجانے کے بعد شکر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ مبارک مہینہ مقدر فرمایا، اور پھر اپنی نیکیوں کی قبولیت کیلئے دعا کرتا ہے، جب رمضان کا چاند دیکھتا ہے، تب دعاء کرتا ہے، افطار کے وقت دعاء کرتا ہے، روزے کی حالت میں دعاء کرتا ہے، رات کو نوافل کے درمیان اور تراویح کے ترویحہ میں دعاء کرتا ہے، اس لئے اس مہینہ کو''شہر الدعاء'' یعنی دعاؤں کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے، اور کہا جاسکتا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روزہ دار کیلئے افطار کے وقت دعاء ہے،'' اَللّٰهم إني اسألک برحمتک التی وسعت کل شئی أن تغفرلی ذنوبی ''(المستدرک:۴/۲۶)(اے اللہ میں تیری رحمت کا طلب گار ہوں، تیری اس رحمت کا جو ہر چیز کیلئے عام اور پھیلی ہوئی ہے، کہ تو میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور میری مغفرت فرمادے)۔

رمضان کے استقبال کی دعاء:

رمضان کا مہینہ بندۂ مومن کیلئے بہت سی امیدوں، امنگوں اور آرزوؤں کا سامان لے کر آتا ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی آمد کی ہر مومن تمنا کرتا ہے، ہمارے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ صرف یہ کہ رمضان کی آمد کی آرزو فرماتے تھے، بلکہ اپنے رب کریم سے اس ماہ مبارک کے پانے کی دعاء اور درخواست کرتے تھے، اور جب رجب کا مہینہ آتا تو فرماتے: میرے پروردگار ہمیں رجب، شعبان اور رمضان کی برکتیں عطا فرما''

(أَللّٰهم بارک لنا فی رجب و شعبان و بارک لنا فی رمضان '' (مسند احمد ۲۳۶۰م۔وفی روایۃ: (وبلغنا رمضان) شعب الایمان:۸/۳۳۱)

رمضان المبارک کے چاند دیکھنے کی دعاء:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ چاند دیکھتے تو فرماتے کہ اے اللہ اس مہینہ کو برکت کا، نذرِ ہدایت کا، اجر وثواب کا اور باہمی عفو ودرگذر کا مہینہ بنا دیجئے، اے اللہ آپ اپنے نیک بندوں کے درمیان خیر وبرکت تقسیم کرنے والے ہیں، ہمارے لئے بھی اس میں سے کچھ خیر و برکت کا حصہ مقدر فرما دیجئے جو آپ اپنے نیک بندوں کے درمیان تقسیم فرما رہے ہیں، اسی طرح یہ بھی فرماتے تھے، خیر وہدایت کا چاند، خیر و برکت کا چاند، خیر و ہدایت کا چاند، میں اس پر ایمان لاتا ہوں جس نے تمہیں بنایا ہے، تین مرتبہ فرماتے تھے، اس کے بعد فرماتے: تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جو گذشتہ مہینہ کو لے گیا اور اس مہینہ لایا، چنانچہ مصنف بن ابی شیبہ اور ابوداؤد میں ہے:

(کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند رویة الهلال: اللهم اجعله شهر برکة و نور و أجر و معافاة، اللّٰهم إنک قاسم بین عباد من عبادک فیه خیرا فاقسم لنا فیه من خیر ما تقسم لعبادک الصالحین" (مصنف ابن ابی شیبہ۳/۹۹م و کان یقول ایضاً: هلال خیر و رشد، هلال خیر ورشد أمنت بالذی خلقک ثلاث مرات ثم یقول: الحمد للّٰه الذی ذهب بشهر کذا وجاء بشهر کذا) (ابوداؤد:۱۱/۲۸۶)

اور جب رمضان المبارک کا چاند آپ دیکھتے تو دعاء فرماتے: اے اللہ آپ نے ہمارے اوپر برکت وایمان اور سلامتی واسلام کا چاند نمودار فرمایا ہے، میرا رب اور تیرا رب اللہ ہی ہے۔

(اللهم اهله علینا بالیمن و الإیمان و السلامة و الإسلام ربی و ربک اللّٰہ)(مسند احمد:۳۳۲)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے: اللہ اکبر، تو نے ہمارے اوپر امن وایمان اور سلامتی واسلام کا چاند نمودار فرمایا ہے، اے ہمارے رب ہمیں توفیق عطا فرمائے اسی کی جسے آپ پسند فرماتے ہیں اور جس سے آپ راضی ہوتے ہیں، ہمارا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔

(عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا رأی الهلال قال: اللّٰه اکبر، اللّٰهم أهله علینا بالأمن الإیمان والسلامة والإسلام والتوفیق لما یحب ربنا و یرضی، ربنا وبک اللّٰہ)(سنن الدارمی:۵/۱۷۳)

افطار کے وقت دعاء:

افطار کا وقت بھی ان اوقات میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دعاء کی قبولیت کیلئے خاص فرمایا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعاء کو شرف قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

(للصائم عند إفطاره دعوة مستجابة) (شعب الایمان للبیہقی:۸/۴۳۴)

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو فرماتے: پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہوگئیں اور روزہ کا اجر انشاء اللہ ثابت ہوگیا۔

(وکا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا أفطر قال: "ذهب الظمأ ابتلت العروق، و ثبت الأجر إن شاء اللّٰه)(ابوداؤد:۶/۳۰۸)

اس طرح افطار کے وقت دعاء فرماتے: اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا ۹۷ اور تیری ہی دی ہوئی رزق سے روزہ افطار کیا:

(اللھم لک صمت و علی رزقک أفطرت) (ابوداؤد:۶/۳۰۹۳)

اور کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے: تمام حمد وثنا اس ذات کیلئے ہے جس نے میری مدد فرمائی تو میں نے روزہ رکھا، اور رزق عنایت فرمایا تو میں نے افطار کیا۔

(الحمد للّٰہ الذی أعاننی فصمت، و رزقنی فافطرت) (شعب الایمان للبیہقی:۳/۱۰۰)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء فرماتے اے اللہ میں تیری اس رحمت کی درخواست کرتا ہوں جو ہر چیز کیلئے وسیع اور عام ہے آپ میری مغفرت فرمادیجئے۔

(اللّٰھم إن اسألک برحمتک التی وسعت کل شئی أن تغفرلی) (ابن ماجہ:۳/۱۷۵)

افطار کے وقت اجتماعی دعاء

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ جب افطار کیلئے بیٹھتے تو اپنے اہل وعیال کو بلاتے اور پھر دعاء کرتے۔

(کان ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما إذا افطر دعا أھلہ و ولدہ و دعا)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ افطار کے وقت روزہ داروں کو چاہئے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ دعاء کا اہتمام کرے، یا کسی مجلس میں افطار کیلئے حاضر ہوتو اپنے دوست و احباب کو دعوت دے اور کہے کہ یہ افطار کا وقت ہے، دعاء کی قبولیت کا وقت ہے، آئے بارگاہ ایزدی میں دعاء کرلیتے ہیں، اس سے اجتماعی دعاء کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: افطار کے وقت ہر مومن روزہ دار کیلئے قبول کی جانے والی دعائیں ہیں، یا تو دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ اس کو عطا کردیتا ہے جو اس نے مانگا ہے، یا آخرت کیلئے اللہ تعالیٰ اس کا ذخیرہ کردیتا ہے۔

(وقال: إن لکل مومن دعوۃ مستجابۃ عند إفطارہ، إما أن یجعل فی دنیاہ أو یدخرلہ فی آخرتہ) (شعب الایمان للبیہقی:۸/۴۳۴)

اور افطار کے وقت فرماتے اے بے پایاں مغفرت کرنے والے میری مغفرت فرما۔

''یا واسع المغفرۃ اغفرلی'' (شعب الایمان للبیہقی:۸/۴۳۲)

اور یہ بھی فرماتے: ''اللھم إنی اسألک برحمتک التی وسعت کل شئی أن تغفرلی'' (ابن ماجہ:۵/۲۹۵)

اس شخص کیلئے دعاء جس کے پاس افطار کرے:

حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادۃ کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عبادۃ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں افطار کیلئے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، اور اس کے بعد فرمایا: روزہ داروں نے تمہارے پاس افطار کیا، نیک لوگوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے رحمتیں بھیجیں۔

(عن انس بن مالک أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم جاء إلی سعد بن عبادۃ، فجاء بخبز و

زیت، فأکل، ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم: أفطر عندکم الصائمون، وأکل طعامکم الأبرار، وصلت علیکم الملائکة)(ابوداؤد:۱۰/ ۳۳۹)

سحری میں دعاء کا اہتمام:

سحری کرنا بجائے خود کھانا بھی ہے اور خیر و برکت کی چیز بھی ہے، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سحری کرنے کا اہتمام کیا کرو، اس لئے کہ اس میں برکت ہے، چنانچہ ''بخاری'' کی روایت میں ہے:

(قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "تسحروا فإن فی السحور برکة)(بخاری:۷/۳)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری اور ثرید میں برکت کی دعاء فرمائی، چنانچہ مسند احمد میں ہے:

(عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: دعا رسول الله صلی الله علیه وسلم بالبرکة فی السحور و الثرید)(احمد:۱۶/ ۱۵)

رمضان میں خفگی اور غصہ کی حالت میں دعاء:

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ روزہ ہر قسم کے منکرات اور ناشائستہ چیزوں سے بچنے کا ایک ڈھال ہے، اس لئے تم میں کا کوئی بھی شخص روزہ کی حالت میں نازیبا حرکت کا ارتکاب نہ کرے اور نہ ہی جہالت پر آمادہ ہو، اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں لڑائی مار پر اتر آئے یا گالی گلوج اور مغلظات بکنے لگے تو اسے یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرے کہ بھائی میں روزے سے ہوں، بھائی میں روزے سے ہوں، بات ختم کرو، چنانچہ ''موطا امام مالک'' کی روایت ہے:

(قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "الصیام جنة، فإذا کان أحدکم صائما فلا یرفث ولا یجهل، فإن امرؤ قاتله أو شاتمه، فلیقل إنی صائم، إنی صائم)

(الموطا:۲/۴۱۳)

شب قدر میں دعاؤں کا اہتمام:

شبِ قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے، ایسی بابرکت اور قدر و قیمت کی راتیں دوسری امتوں کو نہیں ملیں، یہ وہی راتیں ہیں جن میں ہدایت و نور کی شعائیں نمودار ہوئیں، کتاب ہدایت نازل ہوئی، دنیائے انسانیت کو روحانی سکون و اطمینان کا سامان میسر ہوا، چنانچہ قرآن نے خود اس کی شہادت دی ہے:

(شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس بینات من الهدی والفرقان)(سورہ بقرہ:۱۸۵)

(ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں)

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

(إنا انزلناه فی لیلة القدر، و ماأدراک ما لیلة القدر، لیلة القدر خیر من ألف شهر)(سورہ: القدر:۱-۳)

(یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا، تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے)

نور ہدایت کی پہلی کرن اس ارشاد باری سے پھوٹی:

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم، علم

الانسان مالم یعلم ''(سورہ:علق :۱-۵)

(آپ اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، جس انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ پڑھتے رہئے آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، جس انسان کو ہو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

ان آیات میں جن سے امت مسلمہ نے علم و عرفان اور زندگی کی انمول راہیں تلاش کی، علوم وفنون پر مبنی تہذیب و ثقافت کے اصول میّسر کرے، اور اسی علمی برتری نے دوسری اقوام پر صاحبِ عز وشرف بنایا، اور اسی لئے لیلۃ القدر کی وجہ سے اس امت کو صاحب قدر و منزلت کے وصف سے نوازا گیا ہے۔

لیلۃ القدر کو لیلۃ القرآن بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ نور ہدایت کی پہلی کرن اسی رات نمودار ہوئی تھی ارشاد باری تعالی ہے:

(إنا انزلناه في ليلة مباركة إنا كنا منذرين، فيها يفرق كل امر حكيم) (الدخان:۳-۴)

(یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے، بیشک ہم ڈرانے والے ہیں، اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا)

اس رات کو لیلۃ السلام، یعنی سلامتی کی رات بھی کہا جاتا ہے، اس لئے اسی رات فرشتے اہل جہاں کیلئے سلامتی کا پیغام لے کر جلوہ گر ہوتے ہیں۔

اسی رات کو لیلۃ الشرف، یعنی عزت و رفعت والی رات بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ راتیں امت مسلمہ کو بلندیوں تک پہونچانے والی راتیں ہیں۔

اس رات کو لیلۃ التجلی بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے روزہ دار اور راتوں کو عبادت کرنے والے بندوں پر نور و ہدایت سے خوب خوب فیض یاب کرتا ہے اور تجلیات ربانی کا ظہور ہوتا ہے۔

اس رات کا ایک عمل ہزار راتوں کے عمل سے افضل ہے، اس لئے بندہ مومن کو راتوں میں زیادہ سے زیادہ عبادت و ریاضت اور ذکر و اذکار کی جدوجہد کرنا چاہئے، اس لئے کہ ان راتوں کو عبادتوں سے آباد کرنے، اس کو اللہ کی فرمانبرداری اور طاعت و عبادت میں گزارنے اور خوب خوب توبہ و استغفار کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

(من قام ليلة القدر إيمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه) (بخاری:۶/ ۴۶۸)

خاص طور سے لیلۃ القدر میں دعاء مانگنے کا اہتمام کرنا چاہئے اور ہر وقت زبان وقلب پر ذکر و دعا جاری رہنی چاہئے، اس کے بارے میں ہمیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا ہے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے اگر میں کسی رات کے بارے میں جان لوں کہ یہی لیلۃ القدر ہے تو اس میں کیا پڑھنے کا اہتمام کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(يا رسول اللّٰه أرايت إن علمت أى ليلة ليلة القدر ما اقول فيها؟ قال: قولي! (إنک عفو كريم تحب العفو فاعف عني) (ترمذی:۱۱/ ۴۱۹)

یہ ایسی جامع دعا ہے کہ ہر شخص کو یاد ہونی چاہئے، اور اس کو ہمیشہ پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں دین، دنیا اور آخرت کی ساری سعادتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔

❁ ❁ ❁

۲۰؍رکعات تراویح

-: ایک جائزہ:-

● مولانا محمد شفیع قاسمی، بھٹکلی

تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔یعنی اطمنان سے پڑھی جانے والی نماز، ہر چار رکعات کو ایک ترویحہ کہتے ہیں۔پانچ ترویحہ یعنی بیس رکعات تراویح دس سلاموں کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وامام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ و جمہور علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے رمضان المبارک میں رات کو تراویح پڑھانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگ دن میں روزہ تو رکھ لیتے ہیں مگر قرآن (یاد نہ ہونے کی وجہ سے) تراویح نہیں پڑھ سکتے، اس لئے ان لوگوں کو رات میں تراویح پڑھاؤ، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ یا امیرالمومنین! یہ ایسی چیز کا حکم ہے جس پر عمل نہیں ہے (یعنی با جماعت تراویح) حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا: میں جانتا ہوں لیکن یہی بہتر ہے، تو انھوں نے (حضرت ابی بن کعبؓ نے) بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی۔(اسنادہ حسن، المختارہ للضیاء المقدسی ۱۱۶۱)

(۲) حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ کے دورِ خلافت میں رمضان المبارک کے مہینے میں حضرات صحابہ و تابعین بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھتے تھے اور وہ سوسو آیتیں پڑھا کرتے تھے اور امیرالمومنین حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں شدت قیام یعنی طول قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگایا کرتے تھے۔(الصیام للفریابی مخرج ۱۷۶، وسنن بیہقی ۴۸۰۱، اس حدیث کے صحیح ہونے پر جمہور محدثین کا اتفاق ہے)

(۳) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ امام مالک کی روایت نقل کرتے ہیں۔اور امام مالک نے یزید بن خصیفہؒ کے طریق سے حضرت سائب بن یزیدؓ سے بیس ۲۰ رکعات نقل کی ہے۔(فتح الباری)

(۴) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ تلخیص الحبیر میں حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کی ایک رات صحابہ کرامؓ کو بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی، دوسری رات بھی صحابہ جب جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو بیس رکعات تراویح پڑھائی اور جب تیسری رات صحابہ کرامؓ کی کثیر تعداد مسجد میں جمع ہوئی تو آپ ﷺ تشریف نہیں لائے پھر صبح میں ارشاد فرمایا: مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز (تراویح) تم پر فرض کردی جائے اور تم کرنہ سکو۔

بیس ۲۰ رکعات تراویح پر صحابہ وعلماء امت کا اجماع ہے۔

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں لوگوں کو تراویح باجماعت پڑھنے کا فیصلہ فرمایا۔یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تراویح کی پہلی عام جماعت تھی۔(صحیح ابن حبان)

(۲) حضرت یزید بن رومانؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے میں صحابہ تیئس (۲۳) رکعات

(بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر) پڑھا کرتے تھے۔ (موطا امام مالک ۲۵۲، اسناده مرسل قوی، آثار السنن ۲ / ۵۵)

(۳) امام شافعیؒ (تبع تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں بیس (۲۰) ہی رکعات تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ (الأم وسنن ترمذی)

(۴) امام ترمذی لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور صحابہ کہ عمل کی بنا پر اکثر علماء کے نزدیک تراویح بیس (۲۰) رکعات ہے۔ (سنن ترمذی)

(۵) علامہ علاء الدین کا سانی حنفیؒ لکھتے ہیں کہ صحیح قول جمہور علماء کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تراویح پڑھانے پر جمع فرمایا تو انہوں نے بیس رکعات تراویح پڑھائی۔ تو یہ صحابہ کی طرف سے اجماع تھا۔ (بدائع الصنائع)

(۶) علامہ ابن رشد قرطبی مالکیؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ کے ایک قول کے مطابق اور امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کے نزدیک وتر کے علاوہ بیس (۲۰) رکعات تروایح سنت ہے۔ (بدایۃ المجتہد)

(۷) علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں کہ تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہے، سب سے پہلے اس سنت کو رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا۔ (المغنی)

(۸) علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں۔ تراویح کی رکعات کے متعلق ہمارا (شوافع) کا مسلک وتر کے علاوہ بیس رکعات (۲۰) رکعات پانچ ترویحات ہیں اور ایک ترویحہ چار (۴) رکعات کا دو سلاموں کے ساتھ، یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام داؤد ظاہریؒ کا مسلک ہے اور قاضی عیاضؒ نے بیس (۲۰) رکعات تراویح کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ (المجموع)

(۹) علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (صحابی) نے لوگوں کو بیس ۲۰ رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھائی، اس لئے جمہور علماء کے نزدیک یہی سنت ہے۔ کیونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ نے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں بیس (۲۰) رکعات تراویح پڑھائی تو کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ)

(۱۰) استاذ الاساتذہ مجاہد آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرزند اوّل وسابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ جب کبار صحابہ اور خلفاء راشدین بیس ۲۰ رکعات تراویح پر متفق ہوگئے، تو اس سے بڑھ کر کونسی قوی ترین دلیل ہوسکتی ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو سب سے زیادہ جاننے والے وہی حضرات تھے۔ جب انھوں نے بیس ۲۰ رکعات کے علاوہ کے قول وعمل کو ترک کیا تو معلوم ہوا کہ بیس رکعات کے سلسلہ میں ان کے پاس قوی ترین ثبوت موجود تھا اور اہل حدیث حضرات جو آٹھ (۸) رکعات تراویح کہتے ہیں، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ تہجد اور تراویح میں فرق نہیں کرتے، حالانکہ تہجد اور تراویح میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تہجد پوری رات پڑھنے کی نفی کرتی ہیں جب کہ تروایح سحری تک پڑھی گئی ہے۔

❁ ❁ ❁

رمضان المبارک میں خواتین کے معمولات

●ادارہ

شریعت محمدی جو دین حنیف ہے اس کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ ایمان جس کا آغاز اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب سے ہوتا ہے، اس نظری ایمان کی حقیقت کو عملی شکل میں زندگی میں نافذ کیا جائے، اس طرح کہ عبادت کا اثر ایمانی زندگی میں دکھائی دے اور ایمان کی حقیقت نفس کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

یوں تو ہر عبادت تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے، تاہم روزہ تزکیہ نفس میں اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے، روح کو بلندیوں تک پہونچاتا ہے، اور عبادات کے وہ اثرات جو انسان کی زندگی کا نقشہ بدل کر رکھ دیتے ہیں۔انھیں جس طرح مرد عبادت، معمولات اور اطاعت ربانی کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے، اسی طرح خواتین بھی کرسکتی ہیں اور ان سے بھی مطلوب ہے، اس لئے کہ انسانی معاشرے کی بقا اور صلاح کی اساس و بنیاد دراصل عورت ہی ہے، اور یہ بات خواتین کی عملی زندگی کیلئے سب سے زیادہ نصیحت آمیز بھی ہے اور اسے چاہئے کہ وہ اس کا زیادہ مظاہرہ بھی کرے۔

اس روزے جیسی عبادت کی اہمیت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ روزہ داروں کے جنت میں داخلے کا خاص دروازہ ہے، جسے باب الریان، حدیث میں کہا گیا ہے، جس دروازے سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے اور کہا جائے گا کہاں ہیں روزہ دار لوگ، ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس دروازے سے داخل نہ ہو، جب سارے روزہ دار داخل ہوجائیں گے تو دروازہ بند کردیا جائے گا، اور دوسرا کوئی اس میں داخل نہیں ہوگا، چنانچہ بخاری کی روایت ہے: (**وفی الجنة باب يقال له الريان يدخل منه الصائمون يوم القيامة لا يدخل منه أحد غيرهم، يقال : أين الصائمون؟ فيقومون لا يدخل منه أحدغيرهم، فإذا دخلُوا اغلق، فلم يدخل منه أحد**) (بخاری)

رمضان کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ جتنا وقت بھی عبادت میں گذر جائے کم ہے، خاص طور سے خواتین مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کریں:

۱۔ رمضان کے روزے جس طرح مردوں پر فرض ہیں اسی طرح خواتین پر بھی فرض ہیں، سب سے پہلے ان پر فرض یہ ہے کہ رمضان کے روزے پابندی سے رکھیں (سوائے مخصوص

ایام کے، اور بعد ان کی قضاء کرلیں)، راتوں کو قیام لیل اور تراویح کا اہتمام کریں، بھلائی اور خیر کے کاموں میں سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔تمام اوقات اللہ سے اس کی رضامندی کی التجا کریں، اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں گذاریں، رمضان کا مہینہ جو انھیں میسر ہوا ہے اسے زندگی کا قیمتی لمحہ تصور کریں، اور اس پر ہمیشہ کار بند رہنے کا خود کو عادی بنائیں، تا کہ پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت میں گذارنے کے خود کو لائق بناسکیں۔

مثلاً: قرآن پاک کی تلاوت کا اہتمام اوراس نیت سے کہ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں یہ مقدس کتاب نازل کی گئی ہے، اس مہینہ میں تلاوت کی کتنی فضیلت ہوگی، اس کی تاثیر کیا ہوگی؟ اس کا اندازہ وہی لگاسکتا ہے، جس کے دل میں اس کی عظمت ہو۔

''**شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن**''(سورہ بقرہ:۱۸۵)

(ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ اور قرآن . دونوں قیامت کے دن بندے کی سفارش کریں گے،

''**الصیام و القرآن یشفعان العبد یوم القیامة**''(احمد)

قرآن کریم کی تلاوت سے نہ صرف یہ کہ دل تروتازہ رہتا ہے، روشنی اور نور کے منور رہتا ہے، بلکہ مردہ دلوں میں جان پیدا ہوتی ہے، مایوسی کے عالم میں امید ونشاط شمع روشن ہوتی ہے، سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ ذکر ہے، اور افضل الذکر ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

''**افضل الذکر القرآن**''(کہ سب سے افضل ذکر قرآن کی تلاوت ہے، کہ یہ ذکر بھی ہے، علم بھی ہے، احکام الٰہی کی معرفت کا ذریعہ بھی ہے، اور طمانیت قلب کا سامان بھی ہے، اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

''**ألا بذکر اللّٰه تطمئن القلوب**''(سورہ رعد:۲۸)

اس لئے ہر مسلم خاتون کیلئے رمضان بہترین موقعہ بھی ہے، اور ضروری بھی ہے کہ تلاوت کلام کا خوب خوب اہتمام کرے، تا کہ قلب میں انشراح پیدا ہو، حزن و مایوسی دور ہو اور رضائے الٰہی حاصل ہو۔

۲۔قیام لیل، تراویح اور راتوں کو نوافل کی مشروعیت نے اس کے روزے کو خوشگوار اور بارآور بنادیا ہے، جب آدمی دن میں روزہ رکھتا اور راتوں کو تراویح اور نوافل میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی کیفیت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے مئی اور جون کے مہینہ میں دھوپ اور گرمی کی شدت سے سوکھتے ہوئے پودوں کو شام کو پانی سے سیراب کردیا جائے، اور چند گھنٹوں بعد اس کی ہریالی لوٹ آئے، اور وہ خوشگوار ہوکر صبح کے وقت بادنسیم کے جھونکوں سے جھومنے لگے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(**تتجافی جنوبهم عن المضاجع یدعون ربهم خوفا وطمعا امها رزقناهم ینفقون**)(سورہ سجدہ:۱۶) یہ وہ لوگ ہیں جن کی کروٹیں اپنے بستروں سے لگ رہتی ہیں، اور اپنے رب کو امید اور خوف کے ساتھ بلاتے رہتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو عنایت کررکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں)

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

''**إن ناشئة اللیل هی أشد و طأً و أقوم قیلا**''

(سورہ مزمل:۹)(بیشک رات کا اٹھنا دل جمعی کے لئے انتہائی

مناسب ہے، اور بات کو بہت درست کر دینے والا ہے)

یہی وہ شان ہے رمضان کی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے مہینے میں راتوں کو قیام لیل کا معمول ایمان و احتساب کے ساتھ بنایا اللہ تعالیٰ اس کے تمام سابقہ گناہوں کو معاف کر دے گا (بخاری)

مذکورہ بالا نصوص اور آیات و احادیث سے قیام لیل کی عظمت و برکت کا اچھی طرح اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور جہاں تک اس کے فوائد کا تعلق ہے تو وہ یہ ہیں کہ اس سے انسان کا نفس پاک و صاف ہوتا ہے، اس کی تربیت ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، لہٰذا ہماری ہر بہن کو چاہئے کہ ہر طرح کی کاہلی اور سستی کو بالائے طاق رکھ کر ہر ممکن جہاں تک ہو سکے راتوں کو تراویح اور نوفل کا اہتمام کرے، تاکہ ان کے ذریعہ ساری خطائیں معاف ہو جائیں، دنیا و آخرت کے بلند درجات حاصل ہو جائیں۔

۳ ۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا:

مسلم خواتین جو اللہ پر ایمان رکھتی ہیں، انھیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی ان کو مال و دولت کی شکل میں نعمت دے رکھی ہے، اس میں سخاوت کا اظہار کریں، اللہ کے راستے میں خرچ کریں، بھوکوں کو کھانا کھلائیں، یتیموں اور بیواؤں کو کفالت کریں، مریضوں اور محتاجوں کی ہر ممکن مدد کریں، تو اللہ تعالیٰ اس ماہ مبارک میں بطور خاص دوگنا، بلکہ دس گنا اجر عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**و ما انفقتم من شئی فھو یخلفه** '' (سورہ سبأ: ۲۹)

(اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ تمہارے لئے بعد کی زندگی میں ذخیرہ ہوگا)

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے:

''**و ما تنفقوا من خیر یوف إلیکم و أنتم لا تظلمون**'' (سورہ بقرہ: ۲۷۲)

(اور جو کچھ بھی تم مال خرچ کرتے ہو وہ تمہاری طرف پورا پورا لوٹایا جائے گا اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کون سا صدقہ اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑا ہے، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم صدقہ کرو اس حال میں کہ تم تندرست ہو، تمہارے اندر بخل ہو، فقر میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ لگا ہوا ہو، مالداری کی تمنا اور امید ہر وقت لگی ہو، ایسے وقت کا خرچ کے لئے انتظار مت کرو کہ تمہارا آخری وقت آ جائے اور موت تمہاری گردن کے قریب ہو اور تم کہو یہ فلاں کیلئے یہ ہے، فلاں کیلئے وہ ہے، اور فلاں کیلئے یہ ہے:

(**عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلی النبی صلی اللّٰه علیه و سلم فقال: یا رسول اللّٰه أی صدقة اعظم أجراً؟ قال: أن تصدق و أنت صحیح شحیح تخشی الفقر و تأمل الغنی، و لا تمهل حتما إذا بلغت الحلقوم قلت لفلان کذا، و لفلان کذا و قد کان لفلان**) (بخاری و مسلم)

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً کسی محتاج کو کھانا کھلانا، روزہ دار کو افطار کرانا، اس میں تالیف قلب بھی ہے، اور محتاجوں کے ساتھ لطف و عنایت کا معاملہ بھی ہے، غریب و مسکین اور بے سہارا لوگوں کو کپڑے پہنانا بھی ہے اور یتیم کی کفالت بھی ہے، رمضان میں خرچ کرنا دوسرے مہینوں کے مقابلہ زیادہ افضل ہے، اس لئے آپؐ اس

ماہ میں زیادہ خرچ کیا کرتے تھے، لہٰذا مسلم خواتین کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کو اختیار کریں اور اس جود و کرم کی عادت تمام اوقات میں ڈالیں اور خاص کر رمضان میں۔

ایک شبہ کا ازالہ:

رمضان میں خرچ کرنے کی فضیلت اور اس پر شریعت کی طرف سے اس قدر ترغیب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اجر و ثواب کی فضیلت اور زیادتی کی تمنا میں دوسرے مہینوں میں اللہ کے راستے میں خرچ ہی نہ کیا جائے اور پورے سال خرچ کرنے کیلئے رمضان کا انتظار کیا جائے۔ بلکہ شریعت کے پیش نظر موقعہ اور انسان کی ضرورت ہے، کہ ضرورت کے وقت خرچ کی طرف توجہ دی جائے، اور ضرورت رمضان میں بھی ہوتی ہے اور غیر رمضان میں بھی، مگر رمضان خاص طور سے ضرورت، بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت کا موقعہ ہوتا ہے، ایک طرف غربت وافلاس کی وجہ سے کمزوری اور دوسری طرف دن بھر روزہ کی وجہ سے جسمانی نقاہت اگر اس حالت میں ان فقراء اور غربا پر خرچ نہیں کیا جائے گا تو اس بات کا غالب امکان ہے کہ ایسے لوگ روزہ رکھنے کی تاب نہ لاسکیں اور اس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی بھی اور رمضان کی بے حرمتی بھی، معاشرہ کے مفلس لوگ جو بال بچے دار ہوں انھیں نعمت میسر نہ ہونے کی وجہ سے دن میں مزدوری اور مشقت آمیز کام کرنا پڑے گا اس کی وجہ سے خود ان کی بھی صحت متاثر ہوگی اور زیر کفالت چھوٹے چھوٹے بچے بھی فاقہ کشی پر مجبور ہوں گے، اسے غذائی بحران بھی ہوسکتا ہے، غریبوں اور محروموں میں قلت غذا سے دیگر پریشانیاں بھی پیش آسکتی ہیں، اگر اس طرح کی پریشانیاں رہیں گی تو رمضان میں جس طرح کثرت سے عبادت و ریاضت کا حکم اور ترغیب دی گئی ہے اس سے وہ طبقہ محروم ہوجائے گا، اور روزے اور قیام لیل کی حقیقی مسرت جو حاصل ہونی چاہئے اس میں رخنہ پڑے گا اور رمضان بے کیف ہوکر رہ جائے گا، یہ ہے وہ حکمت اور مصلحت جس کی وجہ سے رمضان میں زیادہ خرچ کرنے کو کہا گیا ہے اور اس کا ثواب دوگنا رکھا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اسلام ضرورت کی مکافات کا قائل ہے، رمضان میں غریبوں کی ضرورت زیادہ ہوجاتی ہیں اور عام دنوں میں خود ان کے کمانے اور کسب معاش میں لگے رہنے کی وجہ سے ضرورتیں کم ہوتیں ہیں سوائے ہنگامی حالات کے، مثلاً جہاد وقتال کا موقعہ، ناگہانی حادثات اور آفات وبلیات، اس لئے جہاں بھی خرچ کرنے کی بات قرآن وسنت میں آئی ہے وہاں بنیادی طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت کے پس منظر میں آئی ہے۔

اس لئے جہاں ضرورت داعی ہوگی اللہ کے راستہ میں بندگان خدا سے خرچ کا مطالبہ متوجہ ہوگا، رمضان ہی ایک طرف اس ماہ مقدس کا احترام باقی رکھنا ہے، دوسرے طرف معاشی اعتبار سے کماحقہ نہ کرپانے کی وجہ سے کمزور ہونے کے سبب غریب طبقہ کو ہلاکت سے بچانا اور ان کو معاشی الجھنوں کے آزاد رکھ کر انہیں بھی اس ماہ کے مبارک لمحات کے فیض یاب ہونے کا موقعہ فراہم کرنا ہے، اور ہر چیز تمام اہلِ خیر حضرات کی طرف سے ہنگامی طور پر خرچ کئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

رمضان میں خاوند کے ساتھ خواتین کا برتاؤ:

خواتین کو چاہئے کہ اس ماہ مبارک کی عبادات کو اپنے شوہروں کے ساتھ بہتر اور پختہ تعلقات کا ذریعہ بنائیں، ان کے ساتھ لطف ومحبت، رفق ونرمی، حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق واقدار

اورقربت کا برتاؤ کریں، اس لئے کہ یہ وہ خصلتیں ہیں جن سے انسان خوش اخلاقی کے زیور سے آراستہ ہوتا ہے، کشش اور ہمدردی کے جذبات کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، اور خوشگوار گھریلو معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اس لئے کہ جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ نرمی اس کو خوشنما بناتی ہے، اور جس چیز سے نرمی اور لچک نکل جاتی ہے اس کو عیب دار اور بدنما بنا دیتی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

(قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إن الرفق لایکون فی شئ إلا زانه ولا ینزع من شئ إلا شانه''(مسلم)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو خوشنما بنا دیتی ہے، اور جس چیز سے نرمی نکل جائے تو وہ عیب دار ہو جاتی ہے)

عفو و درگذر سے کام لینا اور کوتاہیوں کو معاف کرنا یہ محسنین کی عادت اور ان کی صفت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''**والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللّٰہ یحب المحسنین** (سورہ آل عمران:۱۳۴)(غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کی غلطیوں کو معاف اور درگذر کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ محسنین کو پسند فرماتا ہے)

اس لئے خواتین پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے شوہروں کیلئے نرمی کے ساتھ نچھاور کرے، تاکہ وہ اللہ کے بندوں کیلئے معین و مددگار بن سکے، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرماتا ہے جو خود بھی رات کو اٹھ کر عبادت کرتی ہے اور اپنے شوہروں کو بھی عبادت کیلئے بیدار کرتی ہے، چنانچہ ابوداؤد میں ہے:''**رحم اللّٰہ امرأة قامت من اللیل وفصلت و أیقظت زوجها**''

(ابوداؤد) اس لئے اس پر لازم ہے اور خواتین کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ خیر کے کام میں اپنے شوہر کی مددگار بنے، اس کو سہارا دے اور اپنے شوہروں کو اللہ کے نزدیک بہتر سے بہتر بدلہ پانے کا حقدار بنانے کی کوشش و تعاون کرے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ''سب سے اچھی عورت وہ ہے جسے اس کا شوہر دیکھے تو دیکھتے ہی خوشی سے جھوم جائے اور جب وہ کسی کام کا حکم دے تو فوراً اسے بجالائے، اور آنا کانی نہ کرے، ناک بھوں نہ چڑھائے اور جب اس کا شوہر دور چلا جائے تو اپنی عزت وآبرو اور نفس کی اور اپنے شوہر کے مال واسباب اور اپنے بچوں کی نگرانی وحفاظت کرے:

(خیر النساء من إذا نظر إلیها سرته و أمرها اطاعته و إذا غاب عنها حفظت فی نفسها و ماله و ولده)۔ (ابوداؤد)

اپنے بچوں کے ساتھ خواتین کا برتاؤ:

خواتین کی مادرانہ ذمہ داریوں میں سے سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق اور شریفانہ برتاؤ کرے، بچوں کی سلیقہ مند تربیت پر توجہ دے، تاکہ معاشرہ کیلئے صالح اور عمدہ افراد تیار ہوسکیں اور ان میں یہ سلیقہ پیدا ہوجائے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ:

''**وقل ارحمهما کماربیان صغیراً**''(سورہ اسرا:۲۴)

(اے میرے پروردگار ہمارے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انھوں نے بچپن میں شفقت ومحبت کے ساتھ میری تربیت کی)

ایک سلیقہ مند اور فرض شناس وشریعت ماں وہ ہوتی ہے جو صحیح اور صالح زندگی اختیار کرے اور جس فطرت پر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اس پر قائم رہے اور اخلاق و کردار، اور تقدس و

شرافت کی حامل اور عظیم المرتبت خوبیوں اور صفات سے آراستہ ہو، اس کا دل و دماغ مکمل طور سے اپنے بال بچوں کیلئے فارغ ہو، جسے گھریلو تربیتی نظام کی اساس کہا جاسکتا ہے، اور گھر کا ہر سکون اور فعال تربیتی نظام اسی سے مکمل طور پر جاہت وامانت کے ساتھ باقی رہتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

''**یایہا الذین آمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم نارا وقودھا الناس و الحجارۃ**'' (سورہ تحریم:٦) (اے ایمان والوخود اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر جس پر سخت دل فرشتے مقرر ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز کی تلقین بھی کرے اور تاکید بھی کرے، اور جب اس کی عمر ۹ رسال کی ہوجائے تو نماز کی پابندی نہ کرنے پر پٹائی بھی کرے، اور رمضان کے روزے کا عادی بنانے کے مقصد سے بچوں کو رمضان کے دیگر امور میں مشغول رکھے، حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ ہم لوگ ہمیشہ اپنے بچوں کو عاشوراء کا روزہ رکھوایا کرتے تھے، اور ان کے لئے کھلونے تیار کرتے تھے، تو ان میں سے اگر کوئی کھانے کے لئے روتا تو یہ کھلونا اس کو دیدیتے، یہاں تک کہ افطار کا وقت آن پہونچتا:

(عن الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا قالت: فی صیام عاشوراء، کنا نصوم صبیاننا و نجعل لہ اللعبۃ من العھن، فإذا بکی أحدھم علی الطعام أعطیناہ ذلک حتی یکون عند الافطار) (بخاری)

اسی طرح بچوں کو تلاوت قرآن اور حفظ کی تلقین کرے، اور ان کی ذہنی تربیت اور حفظ کلام پاک کرانے والے مراکز اور تعلیمی اداروں کی تعلیمی مجالس میں بھیجنے کا اہتمام کرے، پیارے لب ولہجہ اور کلمات کے ذریعہ ان کو اس کے لئے تیار کرے اور کبھی کبھی عمدہ قسم کے ہدایا اور گفٹ کے ذریعہ ان کی حوصلہ افزائی کرے، اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ بچوں کو ان کی طاقت اور صلاحیت کے بقدر عبادت و ریاضت کیلئے تیار بھی کرے، اور ترغیب بھی دے، اور ان کے قلب وجگر میں ایمان کی بیج بونے کی کوشش کرے، ان کے اندر عمدہ اخلاق واقدار پیدا کرنے کی سعی مسلسل کرے، اس طرح کہ اگر عبادت کروگے تو اللہ تعالیٰ عبادت کا اجر عطا کرے گا، دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اچھی زندگی عطا کرے گا، امتحان میں اچھے نمبرات آئیں گے وغیرہ وغیرہ اس سے نہ صرف یہ کہ بچوں کی اچھی تربیت ہوگی، بلکہ ان کو بھی عبادت کا اجر ملے گا اور ماؤں کو بھی بچوں کی عمدہ تربیت کا اجر ملے گا۔

عزیز واقارب کے ساتھ عمدہ برتاؤ:

روزے جیسی عظیم عبات کے اثرات ایک مسلم خاتون کی زندگی پر عزیز واقارب کے ساتھ لطف وعنایت اور حسن و اخلاق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور اس کی سعی بھی کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ ہمارا دین اس کی تعلیم وتاکید بھی کرتا ہے اور عزیز و اقارب سے جڑنے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کرنے پر زور بھی دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''**واتقوا اللّٰہ الذی تساء لون بہ والأرحام**'' (سورہ نساء:١)

(اور اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تقوی اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے

برتاؤ کی تعریف بھی کی ہے، اسکی عظمت وتوقیر کرنے کی تاکید بھی کی ہے، اور ہمیشہ ان سے جڑے رہنے کو محمود بھی بتایا ہے۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات نازل ہوئیں ہیں جن میں اس کی قدر و منزلت کو اور ان کے ساتھ احسان و ہمدردی کو واضح کیا گیا ہے، اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے احساس کو جگایا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں کا حقیقی معنوں میں صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو اپنوں کے ساتھ اس کا مظاہرہ کرے، جیسا کہ بخاری کی روایت ہے:

(قال علیه الصلاة والسلام: لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل الذی إذا قطعت رحمه وصلها)(بخاری)

(صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابر اس کے تقاضے کو پورا کرتا رہے، لیکن اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کا رشتہ کسی رشتہ دار سے ٹوٹ جائے تو اس کو جوڑ لے)

یہی نہیں، بلکہ اپنے عزیز واقارب کے ساتھ صلہ رحمی اتنی بڑی چیز ہے کہ ہمارے دین نے تو اپنے عزیزوں کیلئے وصیت تک کرنے کی بات کہی ہے، اگر چہ رشتہ دار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں؟ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''إن آل أبی فلان لیسوا باولیائی إنما ولی اللّٰه وصالح المومنین، ولکن لهم رحم أبلها ببلاها''

(رواہ البخاری ومسلم) (آل ابی فلاں ہمارے دوست نہیں ہیں، بلکہ اللہ اور صالح مؤمن ہمارے دوست ہیں، لیکن اصل ان کی صلہ رحمی ان کے ساتھ جڑے رہنا ہے، اور ان کو مناسب نصیحت کرنا ہے) اس روایت میں صلہ رحمی کو شبنم کی تری اور سخاوت سے تشبیہ دی گئی ہے، اور فتح الباری میں اس کو اس زمین سے تشبیہ دی گئی ہے جسے پانی سے کما حقہ سیراب کیا جائے اور اس سیرابی کے نتیجہ میں وہ زمین سبزہ زاروں سے لہلہا اٹھے، اور ہر دیکھنے والے کو محبت وکشش سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔

لہذا عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہروں کو یاد بھی رکھے، اور صلہ رحمی میں ان کا بھرپور تعاون کرے، ان کی غلطیوں اور خامیوں کو نہ دہرائے، بلکہ حسن وخوبی میں اضافہ پر ان کو آمادہ کرے، ان کا استقبال کرے، اور گھر آنے پر ان کو خوش آمدید کہے، اور اپنے شوہر کو باہر سے آنے والا معزز مہمان تصور کرے، تا کہ اس کے مزاج و مذاق اور دین وایمان میں پاکیزگی پیدا ہو، رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنے آنے والے مہمانوں کا اکرام واحترام کرے:

''من کان یومن باللّٰه والیوم الآخر فلیکرم ضیفه''(بخاری ومسلم)

اخیر میں بس یہی عرض ہے کہ مسلم خواتین ماہ صیام کو اپنے اخلاق وعمل کی آبیاری کا مقدس مدرسہ تصور کریں، عقیدہ اور شخصیت سازی اور عبادت کا بہترین موقعہ اور منہج حیات تصور کریں، اگر ان پاکیزہ جذبات سے رمضان مقدس میں داخل ہوں گی تو رضائے ربانی ان کا استقبال بھی کرے اور معاشرے میں تبدیلی بھی آئے گی، نبوی مجتمع اور سماج بھی تیار ہوگا اور پوری انسانی برادری میں صلاح و ہمدردی کی روایت بھی قائم ہوگی، اس لئے کہ سماجی ڈھانچہ کی تشکیل کا بنیادی عنصر خواتین ہی ہیں، انہیں کی شب وروز کی اندر اور باہر کی طرز زندگی سے صالح اور فاسد اچھے اور برے سماج کا پیمانہ ہوتا ہے، اور محرر تو محض اس سماج کا محافظ ونگراں ہے۔

❁ ❁ ❁

روزہ کے اسرار اور باطنی شرائط

........................● حجۃ الاسلام امام غزالیؒ

روزے کے تین درجات ہیں:

(۱) عام لوگوں کا روزہ

(۲) خاص لوگوں کا روزہ

(۳) خاص الخاص لوگوں کا روزہ

عام لوگوں کا روزہ پیٹ اور شرمگاہ کو خواہش کی تکمیل سے روکنا ہے۔

خاص الخاص لوگوں کا روزہ دل کو تمام بڑے خیالات اور دنیوی افکار بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے کلیتاً خالی کر دینا ہے، اس صورت میں جب اللہ تعالیٰ اور قیامت کے سوا کوئی دوسری فکر آئے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ دنیوی فکر سے اگر دین کا قصد نہ ہو تو بھی یہی حکم ہے، کیونکہ دین کی فکر زادِ آخرت سے ہے دنیا سے نہیں، حتیٰ کہ اہل دل حضرات نے کہا ہے کہ جو شخص دن کے وقت یہ بات سوچے کہ رات کو کس چیز کے ساتھ افطار کرے گا اس کے ذمہ گناہ لکھ دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد اور اس کے رزق موعود پر مکمل یقین نہ ہونے کی علامت ہے۔ یہ درجہ انبیاء کرام، صدیقین اور مقرّبین کا ہے۔ اس کی تفصیل میں زیادہ گفتگو نہیں کی جائے گی، البتہ اس کی عملی تحقیق بیان کریں گے یعنی یہ روزہ اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ آدمی اپنی مکمل توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کردے اور غیر خدا سے پھیر دے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کو لباس بنانے لے ''**قول اللّٰہ لمّ ذرھم فی خوضھم یلعبون**'' آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ہے، پھر انہیں چھوڑ دیں اپنی بیہودگیوں میں کھیلتے رہیں۔

خاص لوگوں کا روزہ اولیاء کرام کا روزہ ہے، اور یہ اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچانا ہے، یہ روزہ چھ باتوں سے مکمل ہوتا ہے۔

(۱) ان چیزوں کو دیکھنے سے نظر کو روکنا جو بری اور مکروہ ہیں۔ نیز وہ چیزیں جو دل کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہیں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''**النظرۃ سھم مسموم من سھام ابلیس لعنۃ اللہ فمن ترکھا خوفا من اللہ**'' نظر زہر میں بجھا ہوا ایک شیطانی تیر ہے، اللہ اس پر لعنت بھیجے پس جس شخص نے اسے (غیر محرم کو دیکھنا) چھوڑ دیا، اسے اللہ تعالیٰ ایسا ایمان عطا فرماتا ہے جس کی شیرنی وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

حضرت جابر، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا ''**خمس یفطر ان الصائم الکذب و الغیبۃ و النمیمۃ و الیمین الکاذبۃ و النظربشھودۃ**'' پانچ چیزیں روزہ دار کے روزے کو توڑ دیتی ہیں جھٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا، جھوٹی قسم کھانا اور شہوت کے ساتھ کسی کو دیکھنا۔

(۲) زبان کو بیہودہ گفتگو، جھوٹ، غیبت، چغلی فحش کلامی، ظلم و زیادتی، جھگڑے، دکھاوے، اور خاموشی اختیار کرنے سے محفوظ رکھنا اور اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول رکھنا، یہ زبان کا روزہ ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا غیبت روزے کو توڑ دیتی ہے، یہ بات ان سے حضرت بشر بن حارث نے نقل کی ہے۔ حضرت لیث، حضرت مجاہد سے

روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ دو باتیں روزے کو توڑ دیتی ہیں (۱) غیبت اور (۲) چغلی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**انما الصوم جنة فاذا کان احدکم صائما فلا یرفث و لا یجهل و ان امروء قاتله او شاتما فلیقل انی صائم انی صائم**" بے شک روزہ ڈھال ہے، پس جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو نہ وہ بے حیائی کی بات کرے اور نہ جہالت کی اور اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا گالی گلوج کرے تو کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں دو عورتوں نے روزے رکھا، تو ان کے آخر میں انہیں بھوک اور پیاس نے ستایا حتیٰ کہ قریب تھا وہ اپنے روزے کو ضائع کردیں، انہوں نے کسی کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیج کر روزہ توڑنے کی اجازت طلب کی آپ نے ان کی طرف ایک پیالہ بھیجا اور فرمایا کہ ان سے کہو جو کچھ کھایا تھا اس میں قے کردیں، تو ان میں سے ایک نے تازہ خون اور تازہ گوشت کی قے کی اور دوسرے نے بھی اس جیسی قے کی، حتی کہ دونوں نے پیالہ بھر دیا لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان دونوں نے اس چیز سے روزہ رکھا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا اور جسے اللہ نے حرام کیا اس سے روزہ توڑ دیا، ان دونوں نے ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر لوگوں کی غیبت کی تو یہ لوگوں کا گوشت ہے جو انہوں نے (غیبت کی صورت میں) کھایا۔

(۳) ہر مکروہ بات کو سننے سے کانوں کو روکنا، کیونکہ جو بات کہنا حرام ہے، اس کی طرف کان لگانا بھی حرام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے غور سے سننے والے اور حرام مال کھانے والے کو برابر قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "**سماعون للکذب اکالون للسحت**" وہ جھوٹ کو خوب سننے والے اور خوب حرام کھانے والے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے "**و لا ینهاهم الربانیون و الاحبار عن قولهم الاثم و اکلهم السحت**" ان کے علماء اور درویش ان کو گناہ کی بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے۔

تو غیبت سن کر خاموشی اختیار کرنا حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "**انکم اذا مثلهم**" بے شک تم اس وقت ان کی مثل ہو گے۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **المتاب و المستمح شریکان فی الاثم** غیبت کرنے والا اور اسے قصداً سننے والا دونوں گناہوں میں شریک ہیں۔

(۴) باقی اعضا یعنی ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کو بھی گناہوں سے نیز مکروہ امور سے بچانا اور افطار کے وقت پیٹ کو شبے والی اشیاء سے بچانا اگر وہ حلال چیز سے روزہ رکھے اور حرام سے افطار کرے تو روزے کا کیا مطلب ہوگا؟

ایسے روزے دار کی مثال اس شخص جیسی ہے جو محل بناتا ہے اور شہر کو گرا دیتا ہے کیونکہ حلال کھانا زیادہ ہونے کی وجہ سے نقصان دیتا ہے، اپنی کسی نوع کی وجہ سے نہیں اور روزے کا مقصد کھانے کو کم کرتا ہے اور زیادہ دوائی کو اس کے نقصان کے باعث چھوڑ کر زہر کھانے والا بیوقوف ہوتا ہے اور حرام بھی ایک زہر ہے جو دین کو ہلاک کرتا ہے اور حلال چیز وہ ہے جو تھوڑی ہو تو نافع ہے اور زیادہ ہو تو نقصان دیتی ہے، اور روزے کا مقصد اس حلال غذا کو کم کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**کم من صائم لیس له من صومه الا الجوع و العطش**" کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حرام کی طرف نظر کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے

جوحلال کھانے سے رکتا ہے اورغیبت کے ذریعے لوگوں کے گوشت سے روزہ توڑ دیتا ہے۔کیونکہ غیبت حرام ہے اور یہ قول بھی ہے کہ وہ شخص مراد ہے جو اپنے اعضا کو گناہوں سے محفوظ نہیں رکھتا۔

(۵) افطار کے وقت حلال کھانا بھی زیادہ نہ کھائے اس طرح کہ پیٹ بھرلے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پیٹ سے بُرا برتن کوئی نہیں جوحلال رزق سے بھر جائے روزے سے اللہ تعالیٰ کے دشمن پرغلبہ پانے اورشہوت کوتوڑنے کا فائدہ کیسے حاصل ہوگا جب وہ دن کے وقت جوکچھ رہ گیا اس کی کسر افطاری کے وقت نکالے۔

اوربعض اوقات اس کے پاس طرح طرح کے کھانے جمع ہوجاتے ہیں حتی کہ یہ عادت بن گئی ہے کہ رمضان المبارک کے لئے کھانے جمع کئے جاتے ہیں اوراس وقت وہ کھانے کھائے جاتے ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں کھائے جاتے ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ روزے کا مقصد پیٹ کوخالی رکھنا اورخواہش کوتوڑنا ہے،تاکہ نفس کوتقویٰ پرقوت حاصل ہو،اور جب صبح سے شام تک معدے کوٹالتا رہا حتی کہ خواہش جوش میں آئی اور رغبت مضبوط ہوگئی،پھر اسے لذیز کھانے دے کر سیر کیا گیا اوراس کی قوت زیادہ ہوگی اوروہ خواہشات ابھریں جوعام عادت پر رہنے کی صورت میں پیدا نہ ہوتی پس روزہ کی روح تو یہ ہے کہ ان قوتوں کوکمزور کیا جائے جو برائیوں کی طرف لوٹنے کوکم کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے یعنی ہر رات اتنا کھانا ہی کھائے جو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں کھاتا ہے،اوراگر دن اوررات کا کھانا جمع کرکے کھائے توروزے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔بلکہ مستحب یہ ہے کہ دن کے وقت زیادہ نہ سوئے تاکہ اسے بھوک اور پیاس کا احساس ہو،اوراعضاء کی کمزوری محسوس ہو،اس وقت اس کا دل صاف ہوجائے گا اور ہرارت اسی قدر کمزوری پیدا ہوگی تو اس پرتہجد اوروظائف پڑھنا آسان ہوجائے گا اور ممکن ہے شیطان اس کے دل کے قریب نہ آئے اوروہ آسمانی بادشاہت کا نظارہ کرے اورلیلۃ القدر اسی رات کو کہتے ہیں جس میں ملکوت سے کئی چیزاس پر منکشف ہو،اوراللہ تعالیٰ کے اس ارشادگرامی کا یہی مطلب ہے فرمایا''**انا انزلناہ فی الیلۃ القدر**''بےشک ہم نے اس (قرآن پاک) کولیلۃ القدر میں اتارا،اور جوآدمی اپنے دل اوراپنے سینے کے درمیان کھانے کی رکاوٹ ڈال دے،وہ اس سے پردے میں رہتا ہے اورجس نے اپنے معدے کوخالی رکھا توصرف یہ بات بھی پردہ اٹھنے کے لیے کافی نہیں جب تک وہ اپنی توجہ غیرخدا سے ہٹا نہ دے یہی سارا معاملہ ہے اوراس تمام معاملے کی بنیاد کم کھانا ہے۔

(۶) افطار کے بعد اس کا دل خوف اوراُمید کے درمیان معلّق اورمتردد رہے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا روزہ قبول ہوا،اوروہ مقرّبین میں سے ہے یا رد کردیا گیا اوروہ ان لوگوں میں سے ہے جن پراللہ تعالیٰ ناراض ہے اسے ہرعبادت سے فراغت کے بعد اسی طرح ہونا چاہئے۔حضرت حسن بن ابوالحسن بصریؒ سے مروی ہے آپ ایک جماعت کے پاس گزرے اوروہ لوگ ہنس رہے تھے،انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کے مہینے کولوگوں کے لیے مقابلے کا میدان بنایا ہے،وہ اس کی عبادت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں،ایک جماعت آگے بڑھ گئی اورکامیاب ہوئی اوردوسرا گروہ پیچھے رہ گیا،اوراس نے نقصان اٹھایا تو اس شخص پر بہت زیادہ تعجب ہے جو اس دن ہنستا اورکھیلتا ہے،جس میں سبقت کرنے والے کامیاب اور پیچھے رہنے والے ناکام ہوئے۔ سنو!اللہ تعالیٰ کی قسم!اگر پردہ اٹھ جائے تونیکی کرنے

والے اپنی نیکی میں اور برائی کرنے والے اپنی برائی میں مشغول ہوں یعنی مقبول کی خوشی اسے کھیل سے روک دے اور مردود کا افسوس اس پر ہنسی کا دروازہ بند کردے، حضرت بن قیسؒ سے منقول ہے ان سے کہا گیا کہ آپ بہت بوڑھے ہیں اور روزہ آپ کو کمزور کردے گا، انہوں نے فرمایا میں اسے ایک طویل سفر کا سامان بناتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا، اس کے عذاب پر صبر کرنے سے زیادہ آسان ہے، تو روزے میں باطنی امور یہ ہیں۔

سوال:۔ جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے رکنے پر اکتفا کرے اور ان امور کو نظر انداز کردے تو فقہا فرماتے ہیں اس کا روزہ صحیح ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جان لو کہ ظاہری فقہائے کرام ظاہری شروط کو نہایت کمزور دلائل سے ثابت کرتے ہیں یعنی وہ دلائل ہماری ذکر کردہ باطنی شرائط کے مقابلے میں کمزور ہے۔ خصوصاً غیبت اور اس جیسی دوسری باتیں فقہا نے ظاہران تکلیفات کا ذکر کرتے ہیں جو عام غافل اور دنیا کی طرف متوجہ ہونے والے لوگوں کے لئے آسان بات کو سمجھتے ہیں کہ روزے کا مقصد اللہ کے اخلاص سے متصف ہونا ہے اور وہ بے نیازی ہے اور جس قدر ممکن ہو شہوات سے بچ کر فرشتوں کی اقتداء کرے کیونکہ وہ شہوات سے پاک ہیں اور انسان کا رتبہ جانوروں کے رتبہ سے بلند ہے کیونکہ وہ نورِ عقل کے ذریعے شہوات کو ختم کرسکتا ہے اور فرشتوں کے رتبہ سے (عام انسانوں کا رتبہ) کم ہے کیونکہ اس پر شہوت کا غلبہ ہے اور اسے مجاہدے میں مبتلا کیا گیا۔ لہٰذا جب وہ شہوات میں بڑھتا ہے تو سب سے نچلے گڑھے میں گرتا ہے اور جانوروں کی درجے میں چلا جاتا ہے اور جب شہوات کا قلع قمع ہوتا ہے تو وہ اعلیٰ علّیین میں چلا جاتا ہے اور ملائکہ کی دنیا سے جاملتا ہے اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بن جاتا ہے۔ کیونکہ قریب کی مشابہت اختیار کرنے والا بھی قریب ہوتا ہے اور وہاں مکان کا قرب نہیں بلکہ صفات کا قرب ہوتا ہے۔

جب عقلمندوں کے اور اہل دل کے نزدیک روزے کا مقصد اور راز یہ ہے تو ایک کھانے کو موخر کرکے دونوں کو شام کے وقت اکٹھا کرلے۔ نیز دن بھر شہوات میں غرق رہنے کا کیا فائدہ ہے، اگر اسی کا کوئی فائدہ ہے تو نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہوگا آپ نے فرمایا:

''کم من صائم لیس له من صومه الاالجوع والعطش'' کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اس لیے حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا کہ دانا آدمی کا سونا اور افطار کرنا کیسا اچھا ہے، وہ کیسے بیوقوف آدمی کے روزے اور بیداری کو برا نہ جانے، البتہ یقین اور تقویٰ والوں کا ایک روزہ دھوکے میں مبتلا لوگوں کی پہاڑوں کے برابر عبادت سے افضل اور راجح ہے۔ اسی لیے بعض علماء کرام نے فرمایا کہ کتنے ہی روزے دار روزے کے بغیر اور کتنے ہی بے روزہ، روزہ دار ہوتے ہیں، روزہ نہ رکھنے کے باوجود روزہ دار وہ شخص ہے جو اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچاتا ہے اگرچہ وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور روزہ رکھنے کے باوجود بے روزہ شخص ہے جو بھوکا اور پیاسا رہتا اپنے اعضا کو کھلی چھٹی دیتا ہے۔

روزے کے مفہوم اور اس کی حکمت کو سمجھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص کھانے اور جماع سے رکے اور گناہوں میں ملوث ہونے کے باعث روزہ توڑ دے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو وضو میں اپنے کسی عضو پر تین بار مسح کرے، اس نے ظاہر میں تعداد کو پورا کیا لیکن مقصود یعنی اعضاء کو دھونا جو کھانے

کے ذریعہ روزہ دار نہیں لیکن ناپسندیدیدہ افعال سے اعضاء کو روکنے کی وجہ سے روزہ دار ہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اپنے اعضاء کو ایک ایک بار دھوتا ہے تو اسکی نماز ان شاء اللہ قبول ہوگی کیونکہ اس نے اصل کو پکا کیا اگرچہ زائد کو چھوڑ دیا اور جو آدمی دونوں کو جمع کرے وہ اس آدمی جیسا ہے جو ہر عضو کو تین تین بار دھوتا ہے، اس نے اصل اور زائد دونوں کو جمع کیا اور یہی کمال ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ان الصوم امانة فليحفظ احدكم امانته" بے شک روزہ امانت ہے تو تم میں سے ایک کو چاہیئے کہ وہ اپنی امانت کی حفاظت کرے۔

نبی اکرم ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی! ''انَّ اللّٰه يامركم انُ تودّو االامانات الى اهلها '' بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دو۔

تلاوت کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنے کان اور آنکھ پر رکھ کر فرمایا سماعت و بصارت بھی امانت ہے اور اگر یہ روزے کی امانتوں میں سے نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ یہ بات نہ فرماتے کہ اسے کہنا چاہیئے کہ میں روزے سے ہوں۔ بخاری)

دوسری حدیث میں گزر چکا ہے یعنی میرے پاس میری زبان امانت ہے تاکہ میں اس کی حفاظت کروں تو میں کس طرح تجھے جواب دینے کے لیے اسے کھلا چھوڑ دوں۔

اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ ہر عبادت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، چھلکا بھی ہے اور مغز بھی اور اس کے چھلکوں کے کئی درجات ہیں اور ہر درجے کے کئی طبقے ہیں اب تجھے اختیار ہے کہ تو مغز کو چھوڑ کر چھلکے پر قناعت کرے یا عقل مندوں کی جماعت میں شامل ہو۔

❁ ❁ ❁

اے مومنو یہ آمدِ ماہِ صیام ہے

اے مومنو یہ آمد ماہِ صیام ہے
بخشش کا عاصیوں کیلئے اک پیام ہے
افطار ہے سحر ہے رکوع و قیام ہے
کیا ساعت صیام ہے کیا فیض عام ہے
جس سمت دیکھ فیض سراپا ہے ہر طرف
سایہ فگن جو رحمت یزداں ہے ہر طرف
وہ اہل دل ہوا وہی اہل نظر ہوا
ماہ مبیں کے فیض کا جس پر اثر ہوا
رکھنے کا روزہ، دل میں ارادہ اگر ہوا
بیدار اپنی نیند سے وقتِ سحر ہوا
اے مومنو یہ قول رسالت مآب ہے
رکھتا ہے جو بھی روزہ وہی کامیاب ہے
بے شک یہ برکتوں کا مہینہ ہے مومنو
بے شک یہ رحمتوں کا مہینہ ہے مومنو
حق کی عنایتوں کا مہینہ ہے مومنو
یعنی شفاعتوں کا مہینہ ہے مومنو
قرآن کی صبح و شام تلاوت کیا کرو
عقبیٰ کی فکر کرلو عبادت کیا کرو

سرور نگینوی

فریضہ رمضان اور چھوٹے بچے

.............● ادارہ

رمضان کریم کے بارے میں بڑی پر لطف بات کسی نے کہی ہے، کہ ''رمضان'' کا لفظ اپنے معنوی لحاظ سے اور مادہ اشتقاق کے نقطہ نظر سے تو اس کا گرمی، تپش اور شدت کے ہے، مگر لطیفہ کے طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ ''ر'' سے مراد رحمت ہے، ''م'' سے مغفرت ہے، ''ض'' سے جنت کی ضمانت ہے، ''الف'' سے جہنم سے امان ہے، ''ن'' سے اللہ کا نور ہے، مگر ان تمام چیزوں کو ہم کیسے حاصل کریں گے، یہ ہمارے لئے غور وفکر اور تیاری کا مقام ہے کہ یہ اپنے ساتھ اپنے گھر اور معاشرے کے چھوٹے بچوں کو رمضان کی عظمت وبرکت سے کیسے قریب کریں اور ان کو اس ماہ مبارک کی برکت سے کیسے محظوظ ہونے کا موقعہ فراہم کریں، تاکہ رفتہ رفتہ وہ ہمارے ساتھ آئندہ آنے والے وقتوں میں مکمل روزے رکھنے اور رمضان کا احترام و اہتمام کرنے والے بن جائیں۔

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ رمضان اور عید وبقرعید کے موقعہ پر بچوں میں کس قدر خوشی اور مسرت کا احساس پایا جاتا ہے، یہی نہیں جب چھوٹے چھوٹے بچے شام کو افطار کے وقت گھر کے روزہ داروں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور جب افطار میں شریک ہوکر انواع واقسام کے پھل فروٹ، شربت اور کھانے پینے کی چیزوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، تراویح اور قیام لیل میں شرکت اور قرآن مجید کی تلاوت سننے کا ان کو موقعہ ملتا ہے تو ان کے دلوں میں داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ میں بھی روزہ رکھوں گا، میں بھی قرآن مجید حفظ کروں گا، میں بھی دین سیکھوں گا، تو اس طرح کے جذبات کو بچوں میں پروان چڑھانا، آئندہ ان کو اس کے لئے تیار کرنا، رمضان کی عظمت ان کے دل میں بیٹھانا ان کو قریب رکھنا، افطار، تراویح، تہجد اور سحری میں بچوں کو شریک کرنا، کبھی کبھی ان کو روزہ رکھنے کی ترغیب بھی دینا، اس طرح اگر دیکھا جائے تو رمضان بڑوں کی تربیت کا موقعہ تو ہے ہی، بچوں کیلئے تشجیع وتربیت کا بھی بہترین موقعہ ہے، اس لئے چھوٹے بچوں کو رمضان میں افطار میں نماز میں، افطار کے وقت دعاء میں، سحری میں، درس قرآن میں، درس حدیث میں اپنے ساتھ شریک بھی کرنا چاہئے، اور چھوٹی قرآنی سورتیں اور منقول دعائیں وغیرہ بھی یاد کرانا چاہئے، ان کی دینی اور اخلاقی تربیت پر اس ماہ میں بھرپور توجہ دینی چاہئے۔

معذور بچوں کے ساتھ برتاؤ:

اس کے ساتھ جہاں ہم اچھے بچوں کے بارے میں

غور کررہے ہیں کہ ان کو حتی الامکان روزہ و رمضان کی معروضات ونقل وحرکت میں شریک کرنے کی کوشش کی جائے وہیں ہمیں ان بچوں کو بھی ساتھ رکھنا چاہئے جو ذہنی، عقلی اور آنکھوں کے معذور ونابینا یا کسی اور اعتبار سے مریض ہوں، البتہ امراض و اعاقہ کی بھی بہت شکلیں ہیں مثلاً آنکھ اور کان میں پرابلم، یا ہاتھ اور پاؤں میں چلنے پھرنے میں دشواری وغیرہ، ظاہر ہے اس طرح کے مرض والے لوگ بھی جو عاقل اور بالغ ہوں مکلّف ہیں اور ان پر بھی روزہ فرض ہے، تاہم ذہنی اعتبار سے کوئی بیمار ہو، پاگل پن اور جنون کی کیفیت ہو تو ظاہر ہے ایسا شخص احکام کا مکلّف ہی نہیں ہے، لیکن پھر بھی ان کو تمام دینی مناسبات وتقریبات میں شامل رکھنا چاہئے، تاکہ ان کے اندر سے جھجھک ختم اور ان کو اپنی اجنبیت کا احساس نہ ہو، خاص طور سے اگر چھوٹا بچہ ہو تو ان کا مزید خیال رکھنا چاہئے۔

رمضان ایک مہینہ کا ایسا مدرسہ ہے جس میں انسان بہت سے ایمانی فوائد حاصل کرتا ہے، روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، دینی اور دنیوی زندگی گذارنے کے طریقے سیکھتا ہے، یہاں ہم خواتین کو خاص طور سے مخاطب کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ انسان کی تربیت کا سب سے پہلا مدرسہ خواتین ہی ہوا کرتی ہیں وہ کس طرح اپنے گھر کے لوگوں کے کام آسکتی ہیں، رمضان جیسی عبادت کیلئے معاون و مددگار ہوسکتی ہیں، مردوں کو قیام لیل اور تہجد کیلئے ابھار سکتی ہیں، تلاوت قرآن کا اپنے گھروں میں بچوں اور بالخصوص اپنی بچیوں کے ساتھ اہتمام کرسکتی ہیں، یہ ساری چیزیں اس وقت تک انسان انجام نہیں دے سکتا، جب تک اس کے اندر سخاوت اور دوسروں کیلئے خیرخواہی کا جذبہ نہ پایا جائے، اس لئے میری بہنوں!

اگر ہم اپنے گھر میں بچوں کو رمضان کیلئے تیار کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے اندر نرمی اور رقت پیدا ہونی چاہئے کہ ہم نہایت ہی نرم لب ولہجہ میں اور نصیحت آمیز انداز میں بچوں کے دلوں میں رمضان کی اہمیت بٹھانے کی کوشش کریں، خود اس ماہ مبارک کی بے شمار حکمتیں اور اس نصیحت کی چیزیں ہیں کہ بچوں کی عمر کے لحاظ سے ان میں وہ چیز پیدا کرنا دینی تربیت کے لحاظ سے بہت مفید ہوسکتا ہے، مثلاً بڑے بچوں کے دماغ میں روزے کی اہمیت بٹھانا، اس سے چھوٹے بچوں میں نماز کی اہمیت بٹھانا، سحری اور افطاری کے فوائد بتانا، اللہ اور رسول کی معرفت کرانا، اچھے اعمال کے نتائج وثمرات سے واقف کرانا، اور دنیا وا آخرت کی حقیقت بتانا، تلاوت قرآن کے فوائد بتا کر ان کو قرآن سیکھنے اور حفظ کرنے پر آمادہ کرنا۔

افطار تمام افراد خانہ کے ساتھ ایک دسترخوان پر کرنے کا روزانہ اہتمام کرنا، اگر ممکن ہوسکے تو روزانہ اپنے بھائیوں کے تمام بچوں کے ساتھ افطار کا نظم کرنا، ورنہ کم از کم ہفتہ میں ایک بار تمام رشتہ داروں کے ساتھ روحانی وایمانی فضاء میں افطار کرنے اور افطار سے قبل اجتماعی دعاء کا اہتمام کہ وہ دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

افطار کے وقت بچوں کی تعریف کرنا، ان کا حوصلہ بڑھانا وغیرہ، ان کو روزہ رکھنے، نماز پڑھنے کا اہتمام زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن کرنے پر عید کے موقعہ سے اچھے انعامات اور گفٹ دینے کا وعدہ کرنا، ان چیزوں سے ان میں شوق وجذبہ پیدا ہوگا۔

❁ ❁ ❁

روزے سے متعلق احکام ومسائل

............● ادارہ

استقاط حمل کی دواء کی وجہ سے جاری ہونے والا خون کیا صوم وصلاۃ کیلئے مانع ہے؟

اس سلسلہ میں اصولی طور پر یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اسقاط حمل کی دواء کھانے کی وجہ سے اگر بچہ ساقط (abarshan) ہوجائے اور خون بھی جاری ہوجائے تو اس خون کا حکم نفاس، یعنی بچہ پیدا ہونے کے بعد جاری ہونے والے خون کا ہوگا، اور نفاس کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہوتی ہیں وہ اس خون سے بھی حرام ہوں گی، لہذا عورت خون جاری رہنے کی حالت میں صوم وصلاۃ سے رکی رہے گی، جب تک کہ اس خون کا بہنا مکمل طور پر بند ہوجائے، سفیدی نظر نہ آجائے، یا خشک ہونے کی وجہ سے پاک نہ ہوجائے۔

اب اس خون کے بند ہونے یا خشک ہونے یا نفاس سے پاک ہونے کی کم سے کم مدت کی کوئی تعین کتاب وسنت میں مذکور نہیں ہے، تاہم زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں علماء کے درمیان کئی رائیں پائی جاتی ہیں، فقہاء احناف کے یہاں اس کی مدت چالیس دن ہے، بعض علماء کے نزدیک ساٹھ اور بعض کے نزدیک ستر دن ہے۔

ان ممالک میں روزہ جہاں دن لمبا ہوتا ہے:

فقہاء کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ روزہ نام ہے کھانے پینے اور جماع سے طلوع فجر صادق سے غروب آفتاب تک رکے رہنے کا، اب طلوع فجر اور غروب آفتاب یہ دو علامتیں ایسی ہیں جو زمین کے درمیانی حصہ، جن کو خط استواء کہتے ہیں، پر بالکل واضح اور بین ہیں، اور شمال وجنوب کے وہ خطوط جو استواء سے نسبتاً قریب ہیں، ان جگہوں پر روزہ کا دن طلوع آفتاب سے تھوڑا پہلے جب معمولی اندھیرا رہتا ہے، اس وقت شروع ہوتا ہے، اور سورج کے غروب ہونے کے وقت لوگ افطار کرتے ہیں، یعنی جب معمولی روشنی افق پر باقی رہتی ہے، اس وقت جب ہم شمال و جنوب کی طرف جتنا بڑھتے جاتے ہیں، اس قدر فجر یا غروب کا وقت جسے ہم شفق کہتے ہیں زیادہ ہوتا جاتا ہے، یعنی معمول کے ۲۴ر گھنٹے والے دن کے مقابلہ، اور یہی رات و دن کے درمیان فاصلہ کی وقتی یا زمنی تحدید ہے، جو قدرے مشکل امر ہے، اور اس فن کے ماہرین کی خصوصی بحث وتحقیق کا متقاضی ہے۔

> **اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے اس سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ روزے میں اسی کا التزام ضروری ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یعنی طلوع فجر صادق سے روزے کا آغاز اور غروب کے وقت افطار۔**

جہاں تک سیدھے سادے اصول کی بات ہے تو دن اور رات کے فاصلہ کی تحدید کرتے ہوئے جس میں کہ روزے کا دورانیہ پورا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیط

الأسود من الفجر ثم أتموا الصيام إلى الليل ''(سورہ بقرہ:۱۸۷)

(اور تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو)

اس آیت کی تفسیر میں ابوبکر جصاص رازیؒ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں کہا ہے:''فـأبــاح الأكـل إلى أن يتبين، و التبين أيضا هو العلم الحقيقي''(احکام القرآن للجصاص)

اسلامک فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے اس سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ روزے میں اسی کا التزام ضروری ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، یعنی طلوع فجر صادق سے روزے کا آغاز اور غروب کے وقت افطار، یہ ان لوگوں کیلئے جن کے یہاں ۲۴ رگھنٹے کا دن و رات کا دورانیہ ہے، البتہ بعض متاخرین علماء نے اس کا بھی فتویٰ دیا ہے کہ جہاں دن کا حصہ ۱۸ رگھنٹوں سے متجاوز ہو جائے ان لوگوں کیلئے وقت کی تقسیم و تقدیر یعنی دن اور رات کی مقدار مقدر کر کے روزہ شروع کرنے اور افطار کرنے کی گنجائش ہے، یعنی جو قریب کے شہر کی تقویم ہے اسے اختیار کرے، یا مکہ اور مدینہ کی تقویم کے مطابق اندازہ مقرر کرے۔

البتہ اس سلسلہ میں بہتر بات یہ ہے کہ جن جگہوں پر ۲۴ رگھنٹہ کا دن اور رات مقرر ہے، ماہرین سے معلوم کرلیا جائے کہ فجر صادق کا آغاز کب ہوتا ہے کہ وہاں سے روزہ شروع کیا جائے اور رات کب سے شروع ہوتی ہے، کہ اسوقت روزہ افطار کیا جائے۔

❀ ❀ ❀

شــــہ پارے

''اسلام کا حکم، صحابہ کا عمل اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ ہونی چاہئیں۔''

''زکوٰۃ اسلام کا اتنا جامع اور اکمل اصول ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔''

''اسلام نہیں چاہتا کہ دولت کسی کی اجارہ داری میں آجائے۔ یا کوئی شخص اپنے پاس ڈھیر لگائے۔ اسلام ڈھیر کا سخت مخالف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت تقسیم ہوتی رہے۔ اس کا اصول زکوٰۃ و وراثت میں بالکل مساوی بنیاد پر قائم ہے۔''

''اسلام حق مساوات تسلیم کرتا ہے، لیکن مساوات تسلیم نہیں کرتا۔''

''اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب آدمی پیدا ہو تو اس کی زندگی سوسائٹی پر فرض ہوگئی۔ سوسائٹی کا فرض ہے کہ اسے زندہ رہنے دے۔''

''سوشلزم جس قسم کی مساوات کی بات کرتا ہے، وہ بالکل غیر فطری ہے۔ دنیا کو وجود ہی کشاکش پر قائم ہے۔ پھر غیر فطری مساوات کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔''

''اگر آج ساری دنیا اسلام کے اصول اختیار کرے تو سوشلزم اور اشتراکیت کی قطعی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ صرف اسلامی اصول ہی دنیا کی پیاس اور تشنگی کو دور کرسکتا ہے۔''

زکوٰۃ اور اس کا مصرف

.... ● ادارہ

برادران عزیز! عید کا خطبہ جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کا وقت مختصر ہے۔ میں طوالت کو نظر انداز کر کے آپ سے بہت ہی مختصر عرض کروں گا۔

برادران عزیز! تم کو معلوم ہے کہ ہر اسلامی حکم میں انفاق کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ انفاق کے معنی یہ ہیں کہ اسلام تمہاری جیبوں سے کچھ چاہتا ہے، حج، زکوٰۃ اور دوسرے احکام میں یہی بات پاؤ گے۔ تفصیل کا موقع نہیں۔

عید کے موقع پر تم لوگوں میں سے بہت سے لوگوں نے فطرہ دے دیا ہوگا اور بہت سے لوگ فطرہ دیں گے۔ لیکن میں تم سے کہوں گا کہ تم میں فطرہ، صدقہ اور زکوٰۃ تقسیم کرنے کا اچھا طریقہ نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس موقع پر ہندوستان کے ہر گوشے سے بھیک مانگنے والے اور گداگر اپنی جھولیاں لئے پہنچ جاتے ہیں۔

برادران عزیز! تم جانتے ہو کہ زکوٰۃ کیا ہے۔ زکوٰۃ ایک انکم ٹیکس ہے، جو اسلام نے ہر آدمی پر عائد کیا ہے۔ جس نے سال کے بارہ مہینوں میں کھا پی کر ایک خاصی رقم جمع کر لی ہو۔ اسلام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جس آدمی نے سال بھر میں چالیس روپے جمع کر لئے ہوں ۔ وہ ایک روپیہ ٹیکس داخل کرے۔ انگریزی حکومت بھی ٹیکس لیتی ہے۔ لیکن اس ٹیکس میں فرق یہ ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں پر خرچ کرتی ہے اور اسلام یہ رقمیں غرباء مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔ اسلام نے ٹیکس کی رقموں کو تقسیم کرنے کے لئے آٹھ حلقے بنائے ہیں اور یہ حلقے غرباء اور محتاجوں کے حلقے ہیں۔

برادران عزیز! قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا صاف وصریح حکم موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر فرض کی ہے۔ قرآن حکیم میں نماز، زکوٰۃ کا ایک ساتھ بار بار ذکر آیا ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان اس اہم فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ نہیں۔ تم میں سے بعض زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں۔ لیکن زکوٰۃ دینے والے بھی نہ دینے والوں کے برابر ہیں۔ کیوں کہ وہ اسلامی احکام کے مطابق زکوٰۃ نہیں دیتے۔

تم کو معلوم ہے کہ انکم ٹیکس وصول کرنے کے لئے حکومت کی طرف کلکٹر مقرر ہوتے ہیں، جو دفاتر اور کھاتوں کی جانچ پڑتال کر کے ٹیکس کی رقمیں متعین کرتے ہیں لیکن اسلامی ٹیکس ''زکوٰۃ'' نکالنے میں اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آتی۔ اسلام نے ٹیکس کی ادائیگی میں تمہیں کتنی آسانیاں دے رکھی ہیں۔ تم خود اپنے کاروبار کا جائزہ لو۔ اپنی زندگی کا تعین کرو اور اپنے ہی ہاتھوں سے زکوٰۃ نکالو۔ کیا اس سے بھی زیادہ آسانیاں ممکن ہیں۔

برادران عزیز! یقین مانو کہ تم میں سے جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ اسلامی احکام کے مطابق نہیں نکالتے اور وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ تمہاری زکوٰۃ کی رقمیں برباد ہو جاتی ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور تم انفرادی ہاتھوں سے خرچ

کر رہے ہو۔ اسلام کا حکم، صحابہ کا عمل اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ ہونی چاہئیں (۵) انفرادی طور سے خرچ کرنے کی بدعت خلفاء راشدین کے بعد سے پڑی۔

تم کو معلوم ہے کہ خلفاء بنوامیہ کے ابتدائی دور میں صحابہ کرام میں یہ سوال پیش ہوا کہ موجودہ خلیفہ بہت ہی فاسق وفاجر ہے، زکوٰۃ کی رقمیں کیونکر بیت المال بھیجی جائیں لیکن تمام صحابہ نے اس سے اتفاق کرلیا کہ خلیفہ کے فسق وفجور سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی خلل نہیں آتا، زکوٰۃ کی رقمیں اسی خلیفہ کو بھیجی جائیں، چنانچہ یہی ہوا۔ عباسی دورحکومت میں جب تاتاری کافروں اور مشرکوں نے بغداد پر قبضہ کرلیا اور خلافت کا خاتمہ کرڈالا تو اس وقت کے مسلمان داعیان واکابر نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر موجودہ حالات کے ماتحت حکومت نہیں بدلی جاسکتی، تو حکومت سے درخواست کی جائے کہ ہماری زکوٰۃ کی رقمیں وصول اور تقسیم کرنے کے لئے قاضی اور عمال مقرر کرے۔

بعض لوگ یہ عذر لاسکتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے زکوٰۃ کی اجتماعی تقسیم کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ عذر بالکل لنگ اور بے بنیاد ہے۔ وہ تمہارا کون سا کام ہے، جو رکا رہتا ہے۔ اس حالت میں بھی اگر تم اجتماعی تقسیم کا انتظام کرسکتے ہو، تو یہ عذر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تم فضول، لغو اور غیر اسلامی کاموں کیلئے آئے دن انجمنیں بناتے رہتے ہو، کیا ایک اسلامی کام کے لئے ایسی انجمنیں نہیں بناسکتے، جو تمہاری زکوٰۃ کو اسلامی طریقہ پر خرچ کرسکیں۔

برادران عزیز! دراصل بات یہ ہے کہ یہاں اسلام کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ اسلام کی اجتماعی زندگی کا نقشہ بدل چکا ہے۔ جس طرح تم مکان بناتے ہو۔ اس میں مختلف خانے ہوتے ہیں۔ کوئی خانہ سونے کا ہوتا ہے کوئی باورچی خانہ ہوتا ہے۔ کوئی سامان رکھنے کا خانہ ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنے تمام کاموں کے لئے اگر ایک ہی خانہ متعین کرلے اور دوسری ضرورتوں کے لئے اگر اس کا کوئی خانہ نہ ہو تو بتاؤ وہ گھر کا صحیح لطف اٹھاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جب تک اسلام کے تمام خانوں کو سامنے نہیں رکھوگے۔ اس فیوض وبرکات سے لطف نہیں اٹھاسکتے۔

دراصل مسلمانوں نے اسلامی احکام کو چھوڑ دیا ہے، البتہ ان میں نمائشی اور بے روح سرگرمیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک زکوٰۃ ہی کے حکم کو دیکھو، اگر مسلمان اس پر عامل ہوتے تو آج ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ زکوٰۃ اسلام کا اتنا جامع اور اکمل اصول ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسلام نے زکوٰۃ کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اس سے غرباء اور مساکین اور محتاجوں کی امداد ہوتی ہے۔

اسلام نہیں چاہتا ہے کہ ساری دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع رہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی یہ پہچان بتائی ہے کہ اس کی مٹھیاں کھلی رہتی ہیں۔ وہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں اور کافروں کی یہ پہچان بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں۔ یعنی نیک کاموں پر وہ خرچ نہیں کرتے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ دولت کسی کی اجارہ داری میں آجائے۔ یا کوئی شخص اپنے پاس ڈھیر لگائے۔ اسلام ڈھیر کا سخت مخالف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت تقسیم ہوتی رہے۔ اس کا یہ اصول زکوٰۃ اور وراثت میں بالکل مساوی بنیاد پر قائم ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بارے میں سوشلزم اور

اسلام کے اصول ایک ہی ہیں۔ایسا کہنے والے نہ صرف یہ کہ غلط کہتے ہیں۔ بلکہ دیانتداری کے خلاف کہتے ہیں۔سوشلزم چاہتا ہے کہ دولت کی برابر تقسیم ہو۔اگر ایک آدمی کے پاس سو روپے ہوں تو سب کے پاس سو روپے ہونے چاہئیں۔لیکن اسلام یہ نہیں کہتا۔اسلام صرف یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کے پاس روپے ہوں۔اسلام حق مساوات تسلیم کرتا ہے۔لیکن مقدار مساوات تسلیم نہیں کرتا۔

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جب آدمی پیدا ہوا، تو اس کی زندگی سوسائٹی پر فرض ہوگئی،سوسائٹی کا فرض ہے کہ اسے زندہ رہنے دے۔اسلام نے اقتصادی مساوات تسلیم نہیں کی ہے۔ بے شبہ اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی طبقہ نہیں ہے۔لیکن اسلام نے غرباء اور امراء کے طبقات تسلیم کئے ہیں۔قران میں خداوند کریم نے صاف صاف بیان کردیا ہے کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

سوشلزم جس قسم کی مساوات پیش کرتا ہے وہ بالکل غیر فطری ہے۔دنیا کا وجود ہی کشاکش پر قائم ہے۔پھر غیر فطری مساوات کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔میں کہتا ہوں کہ آج دنیا میں سوشلزم اور اشتراکیت کے اصول پھیلائے جارہے ہیں اور دنیا ایک اصول کی تلاش میں سرگرداں ہے۔اگر آج ساری دنیا اسلامی اصول اختیار کرلے تو سوشلزم اور اشتراکیت کی قطعی ضرورت باقی نہیں رہتی صرف اسلامی اصول ہی دنیا کی پیاس اور تشنگی کو دور کرسکتا ہے۔

برادران عزیز! میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ تم میں سے جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں، ان کی رقم برباد ہوجاتی ہیں۔ میں تمہارے سامنے اس منبر پر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ زکوٰۃ کی جو رقمیں اس طرح خرچ کی جاتی ہیں غلط ہے۔میں جانتا ہوں کہ شرعی ذمہ داری کی کیا اہمیت ہے اور اس اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تم سے بار بار کہتا ہوں کہ زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرو۔

تم جانتے ہو کہ اجتماعی طور سے خرچ کرنے میں اسلامی احکام کی بجا آوری کے علاوہ کیا فوائد ہیں۔کاش میں اس کے فوائد سمجھانے کے لئے اپنا دل چیر کر تمہارے سامنے رکھ دوں اور تم اس کی رگوں کو پڑھ سکو۔میں بالکل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان اسلام کے اصولوں کی پابندی نہ کریں اور صرف زکوٰۃ ہی کے اصول پر پابند ہوجائیں۔جب بھی ان کی حالت بہت جلد بدل سکتی ہے، اگر تم نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور پر خرچ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو یقیناً 24 گھنٹہ کے اندر تمہاری حالت کیا سے کیا ہوسکتی ہے۔

میں نہیں کہتا کہ تم جن فقیروں، ملاؤں، پیروں اور جن لوگوں کو بھی دیتے ہو نہ دو۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اجتماعی ہاتھوں سے دو۔اگر تم ان ہی لوگوں کو اجتماعی ہاتھوں سے دے سکتے ہو تو تمہیں کیوں ضد ہوگئی ہے کہ انفرادی ہاتھوں سے دے کر اسلام کے احکام کے خلاف کام کرتے ہو۔

میں کم سے کم کلکتہ کے مسلمانوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ کوئی ایسی جماعت بنائیں جو ان کی زکوٰۃ کا صحیح مصرف کرسکے اور اس میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے نمائندے شریک ہوں یا ہر طبقہ میں اس قسم کی جماعت بنائی جائے، جو اسلام کی بنائی ہوئی حدود کے اندر ان زکوٰۃ کی رقموں کو خرچ کرسکے، اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری رقمیں ان لوگوں پر خرچ کی جائیں جنہیں تم دینا چاہتے ہو تو یہ کرسکتے ہو کہ اپنی جمعیت کو ان اشخاص کے ناموں کی اطلاع

کرو بہر حال کلکتہ کے مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ کرنے کے لئے کوئی ایک نمائندہ جماعت یا متعدد نمائندے جماعتیں بنائیں اور کلکتہ میں اس کی پہلی مثال قائم کریں۔ انشاءاللہ العزیز یہاں کی دیکھا دیکھی اور شہروں میں بھی ایسی ہی جماعتیں بن جائیں گی۔

زکوٰۃ سے متعلق چند اہم مسائل

☆ زکوٰۃ ہر ایسے عاقل، بالغ، آزاد مسلمان مرد عورت پر فرض ہے جس کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد اور دیون سے فارغ ساڑھے سات تولہ (87/گرام میلی گرام) سونا یا ساڑھے باون تولہ (612/گرام 36/میلی گرام) چاندی ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے بقدر کوئی دوسرا سامان تجارت ہو۔

☆ اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا یا صرف چاندی ہو تو ایک کا بقدر نصاب ہونا ضروری ہے۔ اگر سونا اور چاندی دونوں ہوں اور دونوں اپنے اپنے نصاب سے کم ہو تو ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے اور جس کے ساتھ ملانے میں نصاب پورا ہو جائے اور جس میں فقراء کا فائدہ ہو اس کے ساتھ ملایا جائے گا اور اس زمانے میں سونا کو چاندی کے ساتھ ملانے میں فقراء کا فائدہ ہے۔ اس لئے سونا کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اگر وہ چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں۔

☆ عورتیں جو زیورات استعمال کرتی ہیں اگر وہ بقدر نصاب ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس لئے کہ استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

☆ سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے ہر ماہ لازماً جو رقم کاٹ لی جاتی ہے اور ریٹائرمنٹ کے بعد اس پر اضافہ کر کے سرکار رقم دیتی ہے جسے پراویڈنٹ فنڈ کہا جاتا ہے یہ پوری رقم سرکار کی جانب سے انعام ہے اس کا استعمال اپنے مصرف میں جائز ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ اس وقت تک فرض نہیں جب تک کہ رقم وصول ہونے کے بعد سال نہ گزر جائے۔

☆ مقروض کو قرض سے بری کر دیا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی اس لئے ادائیگی زکوٰۃ کے لئے رقم دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے۔

☆ جو مکان یا فلیٹ تجارت کی نیت سے خریدے جائیں ان کی اصل مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ جس مکان یا فلیٹ میں تجارت کی نیت نہ ہو بلکہ رہائش کا مقصود ہو یا کرایہ پر لگانے کا ارادہ ہو تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ اگر کرایہ پر لگا دیا جائے تو کرایہ کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے۔

☆ سامان تجارت اگر بقدر نصاب ہو تو سال پورا ہونے کے بعد اصل سرمایہ کے ساتھ منافع کی بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ یعنی سال پورا ہونے وقت جتنی مالیت ہوگی پوری کی زکوٰۃ دینی ہوگی، خواہ درمیانِ سال میں مالیت گھٹتی بڑھتی رہی ہو۔

☆ بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ خود بیوی پر فرض ہے نہ کہ شوہر پر۔ البتہ اگر شوہر اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

☆ مالک مکان کرایہ دار سے بطور زرضمانت کچھ رقم پیشگی لیتا ہے تو اس پیشگی لی گئی رقم کی زکوٰۃ نہ تو مالک مکان پر واجب ہے اور نہ کرایہ دار پر۔ اس لئے کہ یہ رہن ہے اور رہن کی زکوٰۃ نہ تو راہن پر ہے اور نہ ہی مرتہن پر۔

☆ صاحب نصاب سال پورا ہونے سے قبل زکوٰۃ کی رقم ادا کرسکتا ہے شرعاً جائز اور درست ہے اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔

زکوٰۃ دینے والوں کو خوف وغم لاحق نہ ہوگا

ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت واقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا یحزنون (سورہ بقرہ ۲۷۷)

'بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اور نمازیں پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کی، تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ثواب واجر ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن وغم۔'

الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیة فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورہ بقرہ ۲۷۴)

'جو لوگ اللہ کی راہ میں رات اور دن پوشیدہ یا کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثواب واجر ہے اور نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'

ان دونوں آیتوں میں اللہ پاک (انفاق اور اداءِ زکوٰۃ کا ثواب واجر دینے کے علاوہ) یہ بشارت دیتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے خوف وڈر اور حزن وملال لاحق نہ ہوگا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس لیے اس کی صحت میں نہ کوئی کلام ہوسکتا ہے اور نہ تردد۔

خوف وغم کی دو قسمیں ہیں: ایک اخروی، دوسرے دنیوی، پس ایمان کے بعد عمل صالح، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد فی سبیل اللہ سے خوف وغم اخروی کا نہ ہونا تو ظاہر ہے، کیوں کہ وہاں خوف وغم جب ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے اور احکام اسلام سے روگردانی کی جائے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زندگی بسر ہو تو پھر خوف وغم کا نام ونشان نہ ہوگا اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کے بندے اس کی اطاعت کریں اس کو بھی وہ دوزخ میں جھونک دے اور عذاب میں مبتلا کرے۔

زکوٰۃ کا نفع چند گنا ملتا ہے

عن ابی امامة قال: قال ابو ذر رضی اللہ عنه یا نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ارایت الصدقة ما ذا ھی؟ قال: اضعاف مضاعفة وعند اللّٰہ المزید.

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ سے دریافت کیا کے صدقہ (زکوٰۃ) دینے کا کیا نفع ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چند در چند بڑھا کر ملے گا اور اللہ یہاں (آخرت میں) مزید برآں ملے گا۔

زکوٰۃ سے ستر بلائیں ٹلتی ہیں

عن رافع ابن خدیج رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم الصدقة تسد سبعین باباً من السوء.

حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ (زکوٰۃ) برائیوں یعنی بلاؤں کے ستر دروازے کو بند کردیتا ہے۔

ادائے زکوٰۃ سے عمر زیادہ ہوتی ہے

عن عمر وبن عوف رضی اللّٰہ عنه قال: قال

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : ان صدقة المسلم تزید فی العمر ،ویمنع میتة السوء،ویذھب اللّٰہ بھا الکبر و الفخر.

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا صدقہ (زکوۃ) دینا عمر کو بڑھاتا ہے اور بری موت (سوئے خاتمہ) سے بچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ صدقہ کی وجہ سے تکبر وفخر کو زائل کردیتا ہے۔

زکوۃ نہ ادا کرنے کا عذاب

ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتھم اللہ من فضلہ ھو خیرلھم بل ھو شرلھم سیطوقون مابخلوا بہ یوم القیٰمة وللّٰہ میراث السموٰت والارض،واللّٰہ بما تعملون خبیر .(سورہ آل عمران)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل وکرم سے مال ودولت دیا ہے اور اس کی زکوۃ نہیں دیتے اور بخل کرتے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ بخل اور منع زکوۃ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ ان کے لیے شر ہے یعنی عذاب ہے قریب ہے کہ اس مال کا کہ جس میں بخل کیا گیا ہے قیامت کے دن ان کو طوق پہنا جائے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے اللہ تعالیٰ کی ملکیت تو تمام آسمان وزمین میں ہے اللہ تمہارے عمل سے خوب واقف ہے۔ اس آیت کریمہ میں تمام اموال زکوۃ کی زکوۃ نے دینے پر وعید ہے،سونا چاندی کی تخصیص نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت

ہندوستان میں چوں کہ نہ اسلامی حکومت ہے اور نہ ہی بیت المال کا سسٹم، اس لئے علماء نے بالاتفاق مصارف صدقات (زکوۃ) میں مدارس اسلامیہ کے غریب ونادار طلبا کو بھی شامل کیا ہے۔ درحقیقت قرآن کریم کی آیت مصارف زکوۃ:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنَ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْل فَرِیْضَةً مِنَ اللّٰہ میں بیان کردہ فی سبیل اللہ میں طلبہ مدارس شامل ہیں۔ چونکہ حدیث میں کہا گیا مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِع۔

اس حدیث کی روشنی میں طالبان علوم نبوت فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اس لئے مدارس اسلامیہ کو زکوۃ نیا دوہرا ثواب ہے،ایک امداد غرباء ومساکین کا اور دوسرا اشاعت اسلام کا۔

چونکہ مدارس اسلامیہ کسی مستقل آمدنی یا کسی ریاست کی کفالت میں نہیں چلتے اور مدارس کا وجود اسلام کی بقاء کے لئے نہایت ضروری ہے، اس لئے زکوٰۃ وصدقات سے مدارس کو مضبوط ومستحکم کرنا نہ صرف ضروری ہے بلکہ یہ زکوۃ کے اولین مستحق ہیں۔ جہاں تک مولانا آزادؒ کا موقف ہے اس پر کوئی کلام نہیں،اس کی تاویل ہم اس طور پر کرسکتے ہیں کہ ارباب مدارس بھی زکوۃ وصول کرکے اس کے صحیح مصارف پر ہی خرچ کرتے ہیں۔ دوسری طرف اگر زکوۃ وصول کرنے اور اس کی تقسیم کی انجمنوں کو رائج کیا گیا تو اس سے مدارس کو مالی مشکلات کا سامنا ہوگا اور اس کے منفی نتائج سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علماء دیوبند نے متفقہ طور پر مدارس اسلامیہ کو زکوۃ صدقات اور عطیات کا مستحق قرار دیا ہے۔

❀ ❀ ❀
❀

رمضان کے روزے

فرض کرنے کا مقصد

............● محمد ارشد عالم

رمضان المبارک اسلامی کلینڈر کا نواں مہینہ ہے۔ اس کے آغاز کیلئے ضروری ہے کہ چاند نظر آ جائے اگر نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے ہونے پر رمضان شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مہینہ تیس دنوں کا ہوتا ہے یہاں تک کہ چاند دیکھ لو۔ اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کیلئے تیس کی گنتی پوری کرو رمضان المبارک میں بارگاہ الٰہی کی جانب سے رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی ہے۔ اس کا ہر لحظہ انوار و تجلیات اور رحم و کرم لئے ہوتا ہے اس ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ کے خزانے مومنوں کیلئے کھلے ہوتے ہیں، سوال کے دامن پھیلانے والے جھولی بھر دی جاتی ہے، سوالی اپنے دامن کو بھرتے بھرتے تھک تو سکتے ہیں مگر دینے والے داتا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کو ایک برکت والا مہینہ کہہ کر فرمایا ''کہ اے لوگو! تم پر ایک عظیم برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے''۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت کے مطابق شعبان کے خطبے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''رمضان کے مہینے میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اس میں رات کے قیام کو ثواب کی چیز بتایا ہے، جو شخص اس مہینے میں کوئی نفلی عبادت کرے وہ ایسی ہے جیسے رمضان کے علاوہ دنوں میں فرض عبادت کی اور جو اس مہینہ میں فرض ادا کرے ایسا ہے جیسے اس نے ستر فرض ادا کئے یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غمخواری کرنے کا ہے اور اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، رمضان المبارک کی سب سے بڑی فضیلت اور برکت یہ ہے کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا جو انسانوں کیلئے نہ صرف خیر و برکت کا موجب ہے بلکہ ایک ضابطہ حیات اور سرچشمہ رشد و ہدایت بھی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اس مبارک مہینہ کے بہت سے فضائل سے اپنی امت کو آگاہ فرمایا ہے حدیث میں ہے کہ جو کوئی ایمان کے پیش نظر ثواب کی نیت سے رمضان المبارک کے روزے رکھے گئے اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دئے جائیں گے۔ ماہ رمضان المبارک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ تو ویسے ہی بہت صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے مگر رمضان میں جود و سخا پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ خصوصاً اس وقت جب جبرئیلؑ سے ملاقات ہوتی تھی۔ ہمیں بھی اس مبارک مہینہ میں زیادہ مال اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات کرنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ رمضان کی راتوں کے اکثر حصہ میں قیام فرمایا کرتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''جس نے ایمان کے پیش نظر اللہ سے ثواب لینے کی خاطر رمضان میں قیام کیا اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ رمضان المبارک کی راتوں کو نماز تراویح کے بعد اس طرح روزہ رکھا جا سکتا ہے کہ ان میں اللہ کا ذکر اور عبادت کے بجائے حج کرنا صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض ہے جبکہ زندگی میں ایک مرتبہ عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں اگر عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''رمضان میں عمرہ کرنا میرے ہمراہ حج کرنے کے برابر ہے'' خوش قسمت ہیں وہ جن کو رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں عمرہ کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ ❁ ❁

اعانت و تعاون کرنے، کرانے اور لینے کے

آداب واصول

● مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی

رمضان کی آمد پر اہل مدارس کا مشغلہ:

رمضان المبارک کی آمد پر ذمہ داران مدارس رمضان میں اساتذہ وسفراء کا تحصیل چندہ کے لیے پروگرام بناتے ہیں کہ کس استاذ کو کس علاقہ میں جانا ہے، کس سفیر کو کس شہر میں اور کس دیہات میں، اور سفر میں ساتھ لے جانے کے لیے ضروری کاغذات کی تیاری رجب یا شعبان میں شروع ہو جاتی ہے، جن اصحاب مدارس کو دوسرے بڑے مدارس کے ذمہ داران کی تصدیق کی ضرورت پڑتی ہے، وہ اس کے حصول کی تگ ودو میں لگ جاتے ہیں اور ہر ممکن اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی آمدنی پر ہی سال بھر مدرسہ کا نظام چلتا ہے۔

مخیّرین حضرات کا مشغلہ:

مخیّرین حضرات، تجار لوگ اپنی سال بھر کی کمائی کا حساب لگانا شروع کر دیتے ہیں اور پورے سال کی آمد پر ڈھائی فیصدی کے حساب سے زکوٰۃ کی رقم الگ سے نکال کر رکھتے ہیں، صدقہ کے لیے الگ سے اور امداد کی مد میں الگ سے وضع کر کے رکھتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رمضان میں ہر عمل کا ثواب ستر گنا زیادہ ہو جاتا ہے، اس لیے وہ اپنی زکوٰۃ ستر گنا زیادہ ثواب کی خواہش میں رمضان ہی میں ادا کرنا اچھا سمجھتے ہیں۔

چندہ کرنا مسنون ہے:

چندہ کا عمل مسنون ہے، نہ توکل کے خلاف ہے اور نہ ''الید العلیا خیر من الید السفلی'' کے، چونکہ چندہ دین کی اور قرآن وحدیث کی نشر واشاعت کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے یہ مذموم نہیں ہے، ہمارے اکابرین نے دینی خدمات کے لیے چندہ اکٹھا کیا ہے، خود حضرت محسن انسانیت، سخی اعظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے اس دین کی خاطر چندہ اکٹھا کرتے تھے۔

چندہ دینے والے اور ان کی قسمیں:

چندہ دینے والوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے ہیں، دوسرے وہ جن کو متمول، تجار حضرات معتبر سمجھ کر اپنا وکیل بنا دیتے ہیں تا کہ وہ ان لوگوں کی زکوٰۃ یا رقم تقسیم کریں۔

پہلی قسم:

پہلی قسم کے لوگ جو اپنے مال کی زکوٰۃ خود نکالتے ہیں، وہ بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو اپنے در پر ہر آنے والے کو حسب حیثیت دیتے ہیں، چھوٹے مدرسے والوں کو بھی دیتے ہیں، بڑے مدرسے والے کو بھی، فرضی کو بھی دیتے ہیں اور حقیقی کو بھی، کسی کو خالی ہاتھ اور نامراد محروم نہیں رکھتے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کو اللہ بھی محروم نہیں رکھتا۔

دوسری قسم:

دوسرے وہ مخیّر حضرات ہوتے ہیں جو آنے والے سے قدیم وجدید کا سوال کرتے ہیں، آنے والا پرانا ہوتا ہے تو حسب حیثیت اس کو دیتے ہیں، اگر وہ جدید ہوتا ہے تو اس سے بعض تو احترام کے ساتھ معذرت کر دیتے ہیں، اور بعض اس کو

بھگاتے ہیں جیسا کہ وہ کوئی مجرم ہو، مخیّرین کی اس قسم میں وہ لوگ جو آنے والے عزت نفس کا احترام کرتے ہوئے معذرت کردیتے ہیں اور واقعی ان کے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ وہ سب کو دیدیں، تو یہ گروہ بھی صحیح ہے؛ لیکن جو حیثیت کے باوجود اس کو بغیر دیئے بھگاتے ہیں، ایسے لوگ دوگناہوں کے مرتکب ہیں، ایک تو نہ دینے کے دوسرے مسلم کا اکرام نہ کرنے کے۔

تیسری قسم:

مخیّرین حضرات کی ایک قسم وہ ہے کہ اگر ان کے در پے آنے والا چھوٹے مدرسے کا ہے، یا اس کے یہاں طلبہ کی تعداد کم ہے، یا اس کا سالانہ خرچ لاکھوں سے کم ہے، یا تو اس کو یہ کہہ کر بھگایا جاتا ہے کہ چھوٹا مدرسہ ہے، تھوڑے طلبہ ہیں اور سالانہ خرچ اتنا کم ہے، پھر یہاں کیوں آئے، یا اس کو معمولی سی رقم دے کر رخصت کردیا جاتا ہے۔

ایک چشم دید واقعہ:

ایک بڑے شہر میں ایک مخیّر کے پاس ایک باوقار شخص کو دیکھا، جس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بڑی دینی شخصیت اور سچا آدمی ہوگا، وہ ایسی شخصیت کا خط لیکر آیا، جن کے خط پر مخیّر صاحب بغیر چوں و چراں کے بڑی بڑی رقمیں دیدیتے ہیں، مولانا سے مخیّر صاحب نے پوچھا کہ آپ کے یہاں کتنے طلبہ ہیں؟ انھوں نے اپنی سادگی اور سچائی میں بتلایا کہ ۳۰ ر ہیں، تو مخیّر صاحب بہت گرم ہوئے اور ان کو جلدی سے ایک ہزار روپئے دے کر بھگایا، مجھے ان کی سچائی و سنجیدگی پر بہت رحم آیا، آج بھی ان کا تصور آتے ہی سوچنے لگتا ہوں، بس اللہ ہی سچوں کا مولیٰ اور وہی بہترین مددگار ہے۔

جھوٹ پر چندہ دینا:

اور اگر آنے والا اپنے مدرسہ کو بڑا مدرسہ بتاتا ہے اور پچاس طلبہ کے بجائے سو اور سو کے بجائے پانچ سو بتاتا ہے اور سالانہ خرچ لاکھ کے بجائے پانچ لاکھ، یا دس لاکھ بتاتا ہے، تو اس کو وہ زیادہ چندہ دیتا ہے، ایسے لوگ بھی مجرم ہیں، کیونکہ وہ جھوٹ کی اشاعت اور دھوکہ دہی کو عام کررہے ہیں، وہ سچائی پر آنے والے کو محروم کرتے ہیں اور جھوٹ پر، دھوکہ دہی پر اس کا اکرام کرتے ہیں، اس کو نوازتے ہیں۔

اپنے در پر آنے والا خالی ہاتھ نہ جائے:

میری ایسے تمام لوگوں سے گذارش ہے کہ آپ کے پاس آنے والے- حتی الامکان کوشش کریں کہ وہ- محروم اور خالی ہاتھ نہ جائیں، زیادہ نہیں دے سکتے ہو تو تھوڑا دیدو، آنے والے کو ذلیل نہ سمجھیں، خدا کی قسم وہ دن دور نہیں جب مالدار زکوۃ دینے کے لیے خود پھرینگے اور زکوۃ لینے والا نہیں ملے گا، اس وقت کے آنے سے پہلے ان مسافروں اور آنے والوں کی قدر کرو، جب خدائے رزاق، خالق کائنات آپ کو دے رہا ہے اور بے حساب دے رہا ہے، تو اس کے نام پر جو لینے والے آتے ہیں، ان سے کیوں ردوقدح کرتے ہو، اللہ سے ڈرو، کہیں وہ تمہاری اس ناقدری سے تمہارے ہاتھ سکوڑنے سے وہ بھی اپنا ہاتھ نہ سکوڑ لے اور پھر تم خالی ہاتھ رہ جاؤ۔

چوتھی قسم:

بعض چندہ دینے والے وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کی رقمیں، دوسروں کی زکوٰتیں تقسیم کرتے ہیں، ان میں کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پوری دیانت داری سے، ذمہ داری کے ساتھ تقسیم کرتے ہوں، اگر تقسیم کرنے والا وکیل مدرسہ والا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ رقم، یہ دولت دوسروں پر کیوں جائے، اپنے مدرسہ کی ضروریات زیادہ ہیں، خرچ زیادہ ہے، اس لیے جو بھی بچ جائے وہ یہاں صرف ہوجائے، یہ بھی دینی ادارہ ہے۔

پانچویں قسم:

اگر وہ تقسیم کرنے والا مدرسہ والا نہیں ہے، بلکہ دوسری لائن کا آدمی ہے تو ہر آنے والے کی ضرورت کا احساس نہیں ہوتا، جو تعلق والا ہے، یا جہاں اس کی عزت ہوتی ہے، اس کو دعوت دی جاتی ہے، اس کی چاپلوسی کی جاتی ہے، اس کے نزدیک وہی مدرسہ قابل اعتبار ہوتا ہے، وہاں کام زیادہ ہوتا ہے، وہاں ضرورت زیادہ ہوتی ہے، ورنہ وہ آنے والے کے ساتھ ایسے ناک منھ چڑھاتا ہے جیسا کہ وہ اسی کی کمائی ہو، اور وہ اپنا خون پسینہ کا مال تقسیم کر رہا ہو بلکہ بعض مرتبہ اس سے بھی بڑھ جاتا ہے جو خود اپنے خون پسینے کی کمائی تقسیم کرتا ہے اور آنے والوں کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے، تو ایسا وکیل گھناؤنے جرم کا مرتکب ہے، وہ دیانت داری نہ کرنے کا مجرم، بداخلاقی سے پیش آنے کا مجرم اور دوسروں کی دولت پر فرعون بننے کا مجرم ہے۔

امانت کو دیانت داری سے صرف کریں:

ایسے لوگوں سے میری گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو امانت دی ہے، اس امانت کو دیانتداری سے صرف کریں اور خواہ مخواہ اپنی ناک اونچی کرنے کے لیے اپنی عزت واحترام کے لیے آنے والے کے ساتھ بداخلاقی کا مظاہرہ نہ کریں، کہیں اللہ تعالیٰ تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کردے، ڈرو اس پروردگار سے جو زبردست پکڑ والا ہے اور حقیقت میں وہی عزت دینے والا ہے۔

جب زکوٰۃ آپ نے دیدی تو وہ ادا ہوگئی:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہر کا مکلّف بنایا ہے، غیب کا نہیں، اگر چندہ وصول کرنے والا اپنے کاغذات اور مدرسہ کے لوازمات دکھاتا ہے اور آپ کو یقین ہوجاتا ہے کہ وہ صحیح ہے اور آپ اپنی زکوٰۃ اس کو دیتے ہیں تو آپ کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، آپ نے اس کو صحیح سمجھ کر رقم دی، تو آپ منجانب اللہ بری الذمہ ہوگئے، ہاں اگر تحقیق سے معلوم ہوجائے کہ سامنے والا واقعی غلط اور فراڈی ہے یا یہ اس رقم کو صحیح جگہ پر استعمال نہیں کرے گا، تو آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ایسی صورت میں اس کو زکوٰۃ نہ دینی چاہئے اگر چہ اخلاقاً اور اس کے سائل ہونے کے اعتبار سے اس کو ضرور کچھ نہ کچھ دیدیجئے اس لیے کہ سائل کا بھی حق ہے، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ چندہ وصول کرنے والے اسی رقم میں سے کھاتے ہیں، اسی میں سے خرچ کرتے ہیں، سفرخرچ بھی اسی میں سے نکالتے ہیں تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ دوسرے مد سے بھی خرچ کرتے ہیں تو آپ کو بدظن نہ ہونا چاہئے، اس لیے کہ اگر آپ ان کو زکوٰۃ اور صدقہ دیتے ہیں، تو کچھ اللہ کے بندے ان کو للہ، عطیہ اور امداد کی مد میں بھی دیتے ہیں، بلکہ بعض لوگ تو خرچ کے لیے الگ سے رقم دیدیتے ہیں، تو آپ بدظن ہوکر خود کو کیوں گناہ میں مبتلا کر رہے ہیں، اس لیے اس سلسلہ میں احتیاط کی ضرورت ہے اور تحقیق ہونے پر کہ یہ آدمی غلط ہے تو تذکیر واصلاح اور تنبیہ کرنی چاہئے۔

چندہ دلوانے والے اور ان کی قسمیں:

چندہ دلوانے والے بھی کئی طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو خود بھی چندہ دیتے ہیں اور پھر چندہ دینے والوں کی طرف رہنمائی بھی کرتے ہیں، مخیّرین حضرات کے پتے بھی بتاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ دین کا، مدرسہ کا تعاون ہو، ایسے لوگ مبارک بادی کے مستحق ہیں اور ''الدال علی الخیر کفاعله'' کے بموجب خود بھی دینے والے کے ساتھ اجر وثواب میں برابر کے شریک ہیں۔

دوسری قسم:

چندہ دلوانے والوں میں دوسری قسم ان لوگوں کی، یا ان بڑے مدارس یا تنظیموں کے ذمہ داروں کی ہے، جن کی

تصدیق وتزکیہ اور تحریر پر تاجر حضرات اور مخیّرین لوگ چندہ دیتے ہیں، ان لوگوں میں اکثر علماء ہوتے ہیں اور کبھی غیر علماء بھی ہوتے ہیں، بعض حضرات تو ہر مدرسہ سے آنے والے کو تصدیق دیتے ہیں، بعض لوگ تصدیق تو دیتے ہیں مگر وہ اس میں تین ماہ، یا چھ ماہ یا ایک سال کی قید لگا دیتے ہیں کہ یہ تصدیق اتنے دن کے لیے ہے، بعض تصدیق پر یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ صرف ہندوستان کے لیے ہے، بعض تصدیق دینے والے کہتے ہیں کہ تین سال کے بعد آنا یا دو سال کے بعد آنا تب آئندہ تصدیق ملے گی، تنگ نظری کی بھی انتہاء ہے۔

اللہ کے ان بندوں کو سمجھنا چاہئے کہ مدارس کا خرچ روزانہ ہوتا ہے، ماہانہ ہوتا ہے، سالانہ ہوتا ہے، ہر سال ضرورت پڑتی ہے، دو یا تین سال کے بعد چندہ کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ہر وقت پڑتی ہے اور زکوٰۃ بھی دو سال بعد یا تین سال بعد فرض نہیں ہوتی بلکہ زکوٰۃ حولان حول ہونے پر ہر سال فرض ہوتی ہے، اگر سارے لوگ یا سارے سفراء دو یا تین سال کے بعد آئیں گے تو اس زمانے کی زکوٰۃ کہاں جائے گی، اس لیے نہ سب کا ایک ساتھ سفر کرنا ممکن ہے اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی نظام چل سکتا ہے، بس جس کو دینا ہے اکابر کی تصدیقات کی روشنی میں اگر تاجر کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ سفیر صحیح ہے تو دیدینا چاہئے، یقین نہ ہو تو بھی سائل یا فقیر سمجھ کر کچھ نہ کچھ دیدینا چاہئے، مگر اس کو برا سمجھنا یا جھڑکنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس سائل کو بھی جھڑکنے سے منع کیا ہے جو صرف اور صرف اپنے پیٹ کے لیے سوال کررہا ہے، اور یہ سفیر تو دین کی نسبت اور مدرسہ کی نسبت پر سوال کررہا ہے، اس کو جھڑکنا تو بدرجہا اولیٰ گناہ اور حرام ہے۔

اللہ کے یہاں تاجر بھی مسئول اور سفراء بھی مسئول:

اللہ تعالیٰ کے یہاں تاجر صاحب سے سوال ہوگا کہ ہم نے تمہیں مال دیا تھا کہاں خرچ کیا، کیسے خرچ کیا، وہ کہے گا اے اللہ! میں فلاں مدرسہ میں دیا، فلاں مسجد میں دیا، فلاں سفیر صاحب کو دیا اور تیرے دین کے کام میں دیا، اللہ فرمائیں گے تو جھوٹ کہتا ہے تو تو میری وجہ سے نہیں دیا، فلاں مولانا کی وجہ سے دیا، فلاں مولانا کے خط اور لیٹر کی وجہ سے یا فلاں تنظیم کی وجہ سے دیا، یا تو نے اپنی شہرت کی وجہ سے دیا، تیرا ہمارے یہاں کچھ نہیں اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو لے جاؤ اور جہنم میں ڈالدو، اگر تاجر صاحب نے ہر آنیوالے کو حسب حیثیت اللہ کی رضامندی کی خاطر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی نوازیں گے اور آخرت میں بھی وہ سرخ رو ہوگا، رہا مسئلہ سفیر صاحب کا تو وہ بھی اللہ کے یہاں مسئول ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ فلاں جگہ سے فلاں تاجر نے تم کو اتنی رقم دی تھی کہاں خرچ کی، کہاں لگائی، اب اگر اس نے صحیح مصرف میں اور صحیح جگہ لگائی ہوگی تو وہ کامیاب ہوگا اور اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا، وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوگا اور آخرت میں خسارہ میں رہے گا۔

تصدیقات میں وقت اور ملک کی قید قیود زائدہ اور شروط فاسدہ ہیں:

جس کی تصدیق چلنے لگے تو وہ پھر یہ سمجھتا ہے کہ سارا حق اسی کا ہے، تصدیقات میں وقت کی قید اور ملک کی قید، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ قیود زائدہ اور شروط فاسدہ ہیں اور تصدیق دینے والے کی تنگ نظری پر دال ہیں، بعض حضرات آنے والے کی تذلیل وتضحیک اور توہین وتحقیر کے بعد اس کو تصدیق دیتے ہیں، بعض یہ سب کرنے کے بعد بھی نہیں دیتے۔

تصدیق دینے والوں کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے:

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام اور عزت دی ہے کہ ان کی تحریر یا تزکیہ پر مسلمان مخیّرین تعاون کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ اس کار خیر میں

ہاتھ بٹانا چاہئے، اگر وہ اپنی مشغولیات کی وجہ سے اس کام میں اپنا حرج سمجھتے ہیں یا اس کو دین کا کام نہیں سمجھتے، دین میں تعاون نہیں سمجھتے، اور چندہ مانگنے والوں کو بھکاری، شرک خفی میں مبتلا اور انتہائی بے شرم سمجھتے ہیں، تو ان کو ایک اعلان کے ذریعہ سے اپنے کو اس کام سے بری کر لینا چاہئے اور اس کے بعد پھر وہ کسی کو کوئی تحریر نہ دیں، جس سے تاجر لوگ یہ سمجھ لیں کہ وہ کسی کو تصدیق نہیں دیتے اور جو لوگ اس تصدیق کے عمل کو دین میں تعاون علی البر و التقوی سمجھتے ہیں اور پھر اپنے نظام اور تحقیق کے مطابق تصدیق دیتے ہیں تو وہ بھی برابر اجر و ثواب میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو خوب نوازتا ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو، شہرت، نام و نمود اور جاہ طلبی مطلوب و مقصود نہ ہو۔

تیسری قسم:

بعض جگہ بعض شہروں میں کچھ تنظیمیں ہوتی ہیں، ان میں کہیں علماء اور کہیں غیر علماء ذمہ دار ہوتے ہیں، جن کی تصدیق پر اس شہر یا اس علاقہ میں کام ہوتا ہے، تو جو لوگ سفیر کے پاس معتبر علماء یا مشہور مدارس کے ذمہ داران کی تصدیقات کو دیکھ کر تصدیق دیتے ہیں، ایسے لوگ بھی دین کے حامی اور ناشرین میں ہیں۔

چوتھی قسم:

بعض لوگ جو آنے والے کے کاغذات میں بال کی کھال نکالتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اس کو فراڈی ثابت کر دیں، اس کو پھنسانا چاہتے ہیں، اگر وہ تحقیقات کے بعد صحیح نکل جاتا ہے، تو اس کو تصدیق مل جاتی ہے اور اگر وہ بے چارہ کسی بات کو ثابت نہ کر سکا، تو اس کی شامت آجاتی ہے اور اس کی توہین کی جاتی ہے، اس طرح کے لوگوں کو معلوم نہیں کہ یہ دور دراز علاقوں سے قوم کے بچوں کے لیے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کر کے آئیں ہیں، ان کا خرچہ بھی ہوا ہے، وقت بھی صرف ہوا ہے، ایسے مصدقین جوان چیزوں کو نہیں سمجھتے اور اپنے اصول و قوانین پر اڑے رہتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مرتبہ بڑے اچھے اچھے علماء بھی ان کی زد میں آجاتے ہیں، مستحق مدارس کے ذمہ داران بھی نہیں بچ پاتے، اور وہ اللہ ہی سے اپنا شکوہ کرتے ہیں، ایسے تصدیق دینے والے ذمہ دار لوگوں کا برا حشر ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے، اس لیے اللہ سے ڈرنا چاہئے، جو قہار، زبردست پکڑنے والا اور عزیز ذوانتقام ہے۔

پانچویں قسم:

چندہ دلوانے والوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں بعض لوگ متدین باوقار، باوجاہت اور تجار کی نظروں میں قابل اعتماد ہوتے ہیں وہ بھی اہل مدارس کا چندہ کراتے ہیں، ان میں سے بعض تو واقعی مخلص للہ فی اللہ کراتے ہیں، بعض کمیشن پر کراتے ہیں، بعض نصفا نصفی کے حساب سے کراتے ہیں کیونکہ اس پر تاجر کو اعتماد ہے، اس لیے اس کی وجہ سے وہ بڑی رقم دیدیتا ہے، مگر وہ اس میں سے آدھی یا جتنا پرسنٹ متعین ہوتا ہے رکھ لیتا ہے، یہ بھی ایک قسم کا فراڈ اور دھوکہ ہے، اس لیے کہ اسلامی حکومتیں سرکاری عاملین کو بھی آدھا لینے کا حق نہیں؛ لیکن جو لوگ رہبری کرتے ہیں اور اپنی اجرت متعین کر لیتے ہیں کہ تمہارا کام جتنا بھی ہو، میں شام کو آپ سے اتنی رقم لوں گا، تو یہ معاملہ اور یہ اجارہ صحیح ہے، یہ اس کی صحیح اجرت ہے، حلال ہے کیونکہ معاملہ متعین شدہ ہے، مجہول نہیں ہے۔

چھٹی قسم:

چندہ وصول کرانے والے بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو محصلین کی ہمدردی اور مدرسہ کے تعاون کے سلسلہ میں چندہ کرنیوالے سے معاملہ طے کر لیتے ہیں، اور نقل مکانی کے لیے خود اپنی گاڑی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک شہر سے دوسرے شہر

لے جاتے ہیں اور چندہ کراتے ہیں، اور ان سے گاڑی کی اجرت متعین کر لیتے ہیں اور کھانا بھی متعین کر لیتے ہیں بلکہ گاڑی کا پٹرول بھی متعین کر لیتے ہیں اور چندہ کرنیوالے کا جتنا بھی چندہ ہو، وہ اپنی متعین شدہ رقم وصول کرتے ہیں اور چندہ کرنے والے کو تھوڑے وقت میں زیادہ فائدہ ہوتا ہے، تو یہ بھی صحیح ہے اور اس سلسلہ میں عطیہ اور اللہ کی مدد سے اگر اجرت دی جائے تو زیادہ صحیح ہے، تا کہ زکوٰۃ کی رقم صحیح مصرف میں استعمال ہو، اس لیے کہ زکوٰۃ وصول کرنیوالے سفراء چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں اور اگر وکیل مؤکل کے مطابق زکوٰۃ صحیح مصرف میں استعمال نہ کرے گا تو مؤکل کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور وکیل گنہگار اور عنداللہ مسئول ہوگا۔

چندہ لینے والے:

چندہ لینے والوں میں مدارس کے ذمہ داران، مہتممین کرام، شیخ الحدیث، صدر المدرسین، استاذ الاساتذہ، علماء کرام اور سفراء حضرات ہوتے ہیں، جو رمضان سے پہلے مختلف شہروں میں پہنچ جاتے ہیں، بعض پہلے روزے کو پہنچتے ہیں اور پھر روزے کی حالت میں ایک دوکان سے دوسری دوکان، ایک مارکیٹ سے دوسری مارکیٹ، ایک کمپنی سے دوسری کمپنی، ایک محلّہ سے دوسرے محلے، ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے ہیں، چھوٹے مدارس والے بھی ہوتے ہیں، بڑے مدارس والے بھی، پرانے بھی ہوتے ہیں، نئے بھی، نفسی نفسی کا عالم ہوتا ہے، ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی پوری کوشش کرتا ہے، چپکے سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، تا کہ دوسرے کو پتہ نہ چل جائے، اگر کہیں سے ایک کو زیادہ رقم مل گئی، دوسرا فوراً پتہ لگا کر اس مخیّر کے پاس جاتا ہے، اگر وہ اس کو کم دیتا ہے، تو یہ سفیر اس کی دھجیاں ادھیڑ کے رکھ دیتا ہے، جس کو زیادہ رقم ملی ہے، اور تاجر سے کہتا ہے کہ آپ نے اس کو تو زیادہ رقم دیدی، جہاں کچھ بھی نہیں، وہاں طلبہ بھی تھوڑے ہیں، کھانے والے ہے ہی نہیں، چھوٹا مدرسہ ہے، وہاں تو باہر سے بہت پیسہ آ جاتا ہے، ان کو ضرورت نہیں، یا وہ کمیشن پر کام کرتا ہے، آدھے پہ کرتا ہے، یا فی کاپی سو روپیہ دینے پر کرتا ہے، اب اس کو اس بے چارے کے خلاف جو بھی کرنا پڑے یہ کسر نہیں چھوڑتا اور ہر ممکن طریقے سے اس کو فراڈی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر بڑے مدرسہ والا ہے تو وہ چھوٹے کے بارے میں ایسے تأثرات پیش کرتا ہے، یا ایک علاقے والا ہے تو اپنے علاقے کے دوسرے شخص کی اہمیت کم کر کے اپنے نمبر بنانے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح ہر آدمی اپنے قلابے زمین و آسمان سے ملاتا ہے، یہ تو چندہ لینے والوں کا آپس کا حال ہے جو صحیح نہیں ہے، ہر ایک آدمی کو اس کا اپنا حق اور حصہ ہی ملتا ہے، دوسرے کا نہیں، پھر ایسی نازیبا حرکتیں کر کے کیا فائدہ؟۔

جو دوسروں کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے:

عام تجربہ سے یہ بات مشاہد ہے کہ جو دوسرے کے لیے گڈھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے، جو دوسرے کو فیل کرنے اور ناکام بنانے کی اسکیم چلاتا ہے، وہ خود فیل اور ناکام ہوتا ہے، جو دوسرے کے مدرسہ کی ترقی و آمدنی پر حسد کرتا ہے، اور اس میں مخالفت کر کے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، وہ خود اس ناشائستہ کردار کا خمیازہ بھگتا ہے، حدیث کے فرمان کے مطابق جو دوسرے بھائی کا تعاون کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے ''**واللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون أخیہ**''۔

چندہ دینے والے کو مجبور نہیں کرنا چاہئے:

جو لوگ پرانے ہیں اور ان کا چندہ متعین ہے، وہ تو اپنا متعینہ چندہ جا کر لے لیتے ہیں، اگر ان کو گذشتہ سال سے زیادہ ملا ہے تو سبحان اللہ! اور اگر امسال تاجر نے کاروبار ہلکا ہونے کی وجہ

سے کم دیا ہے، تو پھر اس کو شرمندہ کیا جاتا ہے، کہ آپ نے گذشتہ سال تو اتنا دیا تھا، اب کہ مدرسہ کا خرچہ بھی زیادہ ہے، طلبہ کی تعداد بھی کثیر ہے، قرض بھی کافی ہے، مگر آپ کم دے رہے ہیں، وہ بے چارہ اپنے حالات بعض مرتبہ بتاتا ہے، بعض مرتبہ چپکے سے معذرت کر کے آئندہ پر محول کر دیتا ہے، یہ بھی چندہ کے آداب کے خلاف ہے۔

چندہ دینے والے کو قدیم وجدید کی شرط نہیں لگانا چاہئے:

جہاں نئے پرانے کا مسئلہ ہوتا ہے، وہاں سفیر صاحب اپنے آپ کو پرانا ثابت کرنے کے لیے، پرانا جعلی ریکارڈ بناتے ہیں، جو مخیّرین اپنے پاس ریکارڈ نہیں رکھتے وہ سفیر صاحب کا ریکارڈ دیکھ کر اس کو دیتے ہیں، یہاں دونوں مجرم ہیں، مخیّر تو اس لیے کہ اس نے قدیم وجدید کی شرط لگائی، جو شرعاً درست نہیں ہے، سفیر صاحب اس لیے کہ اس نے جعل سازی کی اور اسکی جعل سازی میں مخیّر بھی برابر کا شریک ہے، اگر مخیّر کی گنجائش نہیں تو احسن طریقے سے معذرت کر دے، پہلے سے کوئی قدیم نہیں، پہلے جدید بنتا ہے پھر قدیم۔

اگر اللہ تعالیٰ بھی آپ کو دینے میں شرط لگادے:

جب اللہ تعالیٰ آپ کو دینے میں قدیم وجدید کی شرط نہیں لگاتا، تو آپ اس کے راستہ میں، اس کی دین کی نصرت میں دینے میں کیوں قدیم وجدید کی شرط لگاتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ بھی شرط لگادے کہ صرف پرانے تاجر ہی بزنس کریں گے، ان کو ہی منافعہ ہوگا، نئے تاجروں کو بزنس کی گنجائش نہیں، تو آپ کی نسل میں پیدا ہونے والے نئے تاجر کہاں جائیں گے، ایسے لوگوں کو بہت غور کرنے اور سوچنے کی ضرورت ہے۔

زمین وآسمان کے قلابے ملانے والا سفیر:

جو سفیر زیادہ لمبی چوڑی باتیں بناتا ہے، زمین وآسمان کے قلابے ملاتا ہے، جھوٹ طوفان بولتا ہے، تاجر صاحب اس کو خوب نوازتے ہیں، اس کی دعوت بھی ہوتی ہے، رات کے کھانے پر مدعو کیا جاتا ہے، ایسے سفراء کا یہ عمل بھی قابل مذمت ہے۔

تمام سفراء غلط اور فراڈی نہیں:

بعض مرتبہ چندہ دینے والے، سفیر یا چندہ وصول کرنے والے کو دیکھ کر منہ چڑھاتے ہیں، یا کرسی چھوڑ کر اندر چلے جاتے ہیں، یا اگر بیٹھے رہتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ بہت لوگ آتے ہیں، سب بوگس اور فراڈی آتے ہیں، اس لیے یا تو وہ بدتمیزی کرتے ہیں یا توہین آمیز باتیں اور غلط لوگوں کے قصے کہانیاں سناتے ہیں، یا کسی سفیر کی چرب زبانی یا اس کی مخلصانہ گفتگو سے متأثر ہو کر کچھ نہ کچھ دیتے ہیں، اس لیے ایسے تاجروں کو اللہ نے عقل ودولت دی ہے، سوچ سمجھ کر معاملہ کرنا چاہئے، دولت کے نشہ میں آپے سے باہر نہ ہونا چاہئے، جو اللہ دینے پر قادر ہے، وہ لینے پر بھی قادر ہے، اس کی پکڑ سے ڈرنا چاہئے۔

سفراء صحیح بھی ہوتے ہیں فراڈی بھی ہوتے ہیں:

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام سفراء اس زمانے میں واقعی صحیح بھی نہیں ہوتے، کچھ جعلی اور فرضی ہوتے ہیں، مگر چونکہ اللہ نے اس دنیا میں دونوں طرح کے لوگ رکھیں ہیں، ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے، صحیح بھی ہے غلط بھی، حلال بھی ہے حرام بھی، اگر ایک طرف نمرود ہے، تو دوسری طرف ابراہیم علیہ السلام، ایک طرف فرعون ہے تو دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام، ایک طرف ابولہب وابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں، تو دوسری طرف ابوبکر وعمر حضور پر جان نچھاور کرنے والے ہیں، غرضیکہ دنیا میں دونوں طرح کے آدمی رہیں گے، اچھے بھی اور برے بھی، اسی لیے تو صحیح لوگوں کے لیے جنت اور برے لوگوں کے لیے جہنم ہے۔

تاجر اور بزنس مین بھی سب صحیح نہیں:

تجار حضرات، بزنس مین بھی سب صحیح نہیں ہوتے اور نہ سب غلط ہوتے ہیں؛ بلکہ کچھ صحیح ہیں کچھ غلط ہیں، کچھ حلال کماتے ہیں کچھ حرام کماتے ہیں، کچھ ۹۰ ؍فیصد حلال کماتے ہیں ۱۰ ؍فیصد حرام، تو جو کمائی حلال ہے، صحیح بزنس و صحیح تجارت کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے، تو یہ صحیح مصرف میں استعمال ہوگی، صحیح چندہ وصول کرنے والے کے مقدر میں جائیگی اور صحیح جگہ لگے گی، لیکن تاجر کی اگر پوری کمائی حرام ہے، یا صرف دس فیصد حرام ہے، تو اس کا مصرف بھی تو کوئی ہونا چاہئے؟ یاد رکھو! یہ حرام کمائی غلط چندہ وصول کرنے والوں، فراڈی لوگوں پر جائے گی، اور وہ غلط جگہ استعمال ہوگی، تو معلوم ہوا کہ جب سو فیصد تاجر بھی حلال کمانے والے نہیں ہیں، تو چندہ وصول کرنے والے بھی سو فیصد صحیح اور مستحقین نہیں ہوسکتے، اگر یہ بات تاجر صاحب کی سمجھ میں آجائے تو وہ کسی کو فراڈی نہیں سمجھے گا، بلکہ ہر ایک کو اس کا مقدر ملتا ہے، غلط کو غلط، صحیح کو صحیح، اس سے غلط لوگوں کی ہمت افزائی مقصود نہیں بلکہ بتلانا ہے کہ اگر دنیا میں سارے سچے اور صحیح ہو جائیں، تو فرشتے تمہارے بستروں پر آ کر سلام کریں گے، اور دنیا میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا ہی نہیں ہوگا اور اس امت دعوت کا امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر کا شعبہ ٹھپ ہوکر بلکہ بے فائدہ و بے سود ہوکر رہ جائے گا، اس لیے قیامت تک تاجر بھی غلط اور صحیح رہیں گے اور چندہ وصول کرنے والے بھی۔ واللہ اعلم

چندہ کرنیوالوں کا عمرہ کرنا:

جو سفراء چندہ کے وصول کرنے کے لیے بیرون ہند جاتے ہیں، ظاہر ہے ان کو ہوائی جہاز سے جانا پڑے گا، اگر پانی کے جہاز کا نظم ہے تو اس سے، اور اس سے جانے میں اس کو لمبا چوڑا خرچ کرنا پڑے گا، جو واقعی مدرسہ کا ہوگا، چونکہ اس زمانہ میں داخلی طور پر نقل مکانی کے لیے ٹرین و بس وغیرہ اور دوسرے ذرائع ہیں، ان میں بھی خرچ ہوتا ہے اور بیرون ہند جانے کے لیے ہوائی جہاز ہے، جس کا اور زیادہ خرچ ہوتا ہے، اور بیرون جانے والے کبھی براہ راست فلائٹ یا جہاز سے جاتے ہیں، اور کبھی ان کو راستے میں دوسرا جہاز بدلنا پڑتا ہے، مثال کے طور پر لندن جانے والا براہ راست بھی جاسکتا ہے اور وایا دبئی، وایا قطر، وایا ابوظہبی، وایا جدہ وغیرہ سبھی راستوں سے جاسکتا ہے، اس طرح سے اگر وہ جنوبی افریقہ، کناڈا، امریکہ، آسٹریلیا، ملیشیا، سنگاپور، برونی دارالسلام وغیرہ جاتا ہے، تو اس کو بھی یہی راہ اختیار کرنی ہوتی ہے، اور وہ جن راستوں کے ذریعہ جاتا ہے مثلاً دبئی، قطر، ابوظہبی وغیرہ وہاں بھی ٹرانزٹ پر رکتے ہوئے کام کر لیتا ہے یعنی چندہ وصول کر لیتا ہے، تو اس سے ادارے کا فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی جب وہ وایا جدہ جاتا ہے تو جدہ میں بھی کام کر لیتا ہے، مکۃ المکرّمہ مدینہ طیبہ میں بھی کام کر لیتا ہے، جس سے ادارے کا فائدہ ہو جاتا ہے، اب چونکہ جو مکہ جائے گا، چاہے بزنس و تجارت کی غرض سے جائے، یا چندہ کی غرض سے، تو ہر مسلمان پر مکہ پہنچ کر پہلا فریضہ عمرہ کی ادائیگی ہوتا ہے، تو یہ مکہ کا بھی حق ادا ہوا، اور اس کے چندہ کرنے سے ادارے کا بھی بھلا ہوا، اور چونکہ اس کو مدینہ بھی جانا ہے، وہاں چندہ بھی مقصد ہے، اور اگر چندہ مقصد بھی نہ ہو، تو اس کے اپنے نبی سے محبت کا تقاضہ ہے کہ وہ مدینہ کی بھی زیارت کرے، تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں، جب اس شکل میں مدرسہ کا فائدہ ہو رہا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ کوئی گناہ نہیں۔ (واللہ اعلم)

ہاں اگر جدہ اور مکہ مدینہ جائے اور تینوں جگہ واقعی مدرسہ کا فائدہ نہیں ہوا؛ لیکن اس نے عمرہ یا حج کیا تو یہ تو اس کا ذاتی عبادت کا عمل تو صحیح ہوگیا، اور چندہ کچھ نہ ہوا، تو بھی میں سمجھتا ہوں کہ کوئی گناہ نہیں، اس لیے کہ بعض مرتبہ سفیر اپنے ملک ہی

میں مثلاً دہلی، گجرات، ممبئی چندہ کے لیے جاتا ہے اور مدرسہ کا خرچ بھی ہوتا ہے، مگر خاطر خواہ چندہ نہیں ہوتا؛ بلکہ مدرسہ کا نقصان بھی بعض مرتبہ ہوتا ہے، تو چندہ کے کام میں چونکہ کوئی گارنٹی نہیں کہ سب کو بالکل اور مکمل سو فیصد کامیابی ہو ہی جائے، تو بس یہی حالت عمرہ والے کی ہے، البتہ جس کو مدرسہ کے سلسلہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوا، اور وہ جدہ سے مکہ اور مدینہ تک جتنا خرچ ہوا ہے، اپنی جیب سے اس خرچ کو لگائے، چونکہ مدرسہ کا فائدہ نہیں ہوا، اس لیے وہ اگر ایسا کرتا ہے تو اس کی دیانت داری اور تقوی کی بات ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر مخلص اور سچا مسلمان اپنی عبادت کو خاص طور سے عمرہ حج کی عبادت کو تو خالص اپنے رب کی رضا کے لیے اور اپنی حلال کمائی ہی سے کرنا پسند کرتا ہے، بعض لوگوں اور تاجروں کو غلط فہمی، ہو جاتی ہے کہ جو سفراء چندہ کے لیے افریقہ وغیرہ جاتے ہیں، وہ ایسی زکوۃ اور مدرسے کے پیسے سے عمرہ کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، یہ ان کی غلط فہمی ہے، کیونکہ ان سفراء کو بھی تو کچھ اللہ کا خوف اور اللہ کا ڈر ہے، جب آپ تاجر ہو کر اپنی سچائی اور اللہ سے ڈر کا دم بھرتے ہو، تو جو سفراء علماء اور دین سے نسبت رکھنے والے ہیں، کیا ان کو اللہ کا کچھ بھی خوف نہیں ہوگا، اگر وہ راستے میں ٹرانزٹ پر عمرہ یا حج کر لیتے ہیں تو یہ ایک جائزہ عمل اور اچھا کام ہے، جس کی ہر خاص و عام مسلمان کو تمنا رہتی ہے، یہ گناہ کا کام تو ہے نہیں جس کو ایشو بنا کر سفراء کو بدنام کیا جائے، ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔

فرضی چندہ کرنے والے:

البتہ جو سفیر فرضی کاغذات تیار کر کے نکل جاتے ہیں، وہ اپنے لیے آگ تیار کرتے ہیں، چند سالہ زندگی کے لیے لوگوں کا مال ہڑپ کرتے ہیں، بیوی بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں، ان کے اور اپنے پیٹ آگ بھرتے ہیں، اپنے کو ہلاکت و مصیبت میں ڈال رہے ہیں، اس طرح فرضی کاغذات پر مدرسہ کے نام سے چندہ کسی صورت میں حلال نہیں، جو لوگ کمیشن پر چندہ کرتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے؛ کیونکہ یہ اجارہ فاسدہ ہے، اگرچہ بعض علمائے مدارس نے اسکو بھی جائز قرار دے رکھا ہے (واللہ اعلم) لیکن آدھے پر یا فی کا پی ۱۰۰/۲۰۰ روپیہ پر چندہ کرنا جائز نہیں۔

چندہ بذریعہ ڈاک:

چندہ لینے والوں کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ مدارس کے ذمہ داران مخیّرین حضرات کو ڈاک بھیجتے ہیں، جس میں مدرسہ کا آمد گوشوارہ، منی آرڈر فارم اور مدرسہ کے احوال وکوائف ہوتے ہیں، مخیّرین حضرات حسب حیثیت منی آرڈر فارم کے ذریعہ رقم بھیجتے ہیں، جو مدارس مستحق ہیں وہ تو صحیح ہیں؛ لیکن بعض ایسے مدارس کہ واقعی خرچہ کے لیے تو ان کو پیسے کی ضرورت ہے؛ لیکن اپنی ڈاک میں لمبا چوڑا خرچ، کئی سو کوئنٹل غلہ اور لاکھوں کی رقم کی ضرورت کا اظہار کرتے ہیں، اس جھوٹ کے ذریعہ جو رقم آتی ہے وہ صحیح نہیں ہے، اس سلسلہ میں بعض مرتبہ ابتدائی مدارس والے ڈاکخانہ والوں سے ایڈریس بھی خریدتے ہیں اور پھر منی آرڈر پر جو رقم آتی ہے، تو ڈاکخانہ والے ان کے ساتھ من مانی کرتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو بھی مل رہا ہے ٹھیک ہے اور ڈاک خانے والے محسن ہیں، یہ صحیح نہیں، ان سب باتوں کی وجہ سے مدارس میں بے برکتی سب پر عیاں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، چندہ دینے والوں کو بھی صحیح شعور اور ضرورت کے احساس کی توفیق عطا فرمائے، چندہ دلوانے والوں کو بھی خیر کے کاموں میں مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور چندہ حاصل کرنے والوں کو بھی مدرسہ کے لیے حلال طریقے سے مال حاصل کرنے اور پھر صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دعوت و تبلیغ

اصلاح معاشرہ

”ملت اسلامیہ کیلئے غلبہ وکامرانی حاصل کرنے کی صرف ایک ہی راہ باقی رہ گئی ہے، جودورنبوت میں تھی یعنی دعوت الی اللہ، اشاعت اسلام کی پوری تاریخ دعوت کی تاریخ ہے مسلمانوں نے گزشتہ چودہ سوسالہ دور میں مراکش سے انڈونیشیاء تک جو کچھ حاصل کیا وہ دعوت ہی کی بدولت حاصل کیا اور جو کھویا دعوت میں کوتاہی سے کھویا، آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو جو سزامل رہی ہے وہ درحقیقت دعوت چھوڑنے کی سزا ہے، کہ ہم نے لوگوں کوان کی امانت یعنی ایمان واسلام ان تک نہیں پہونچایا، اسلئے ہم اللہاورانسانیت دونوں کے مجرم بن گئے۔“

عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کے لئے واحد راہ عمل

صرف دعوت ہے

● مولانا محمد عیسیٰ منصوری (لندن)

کچھ عرصہ سے بندہ کے دل ودماغ پر یہ خیال حاوی ہوتا جارہاہے کہ دین کی دعوت ترک کردینے کے جرم میں آج ملت اسلامیہ اللہ کی نظروں سے گرچکی ہے، اوراس وجہ سے طرح طرح کے مصائب ذلت اور بربادی کی شکار ہے، انسانوں کوایمان کی دعوت دینا انہیں اللہ کی طرف بلانا ان کا رشتہ ان کے خالق سے جوڑنا سارے نبیوں کا بنیادی کام تھا، اورختم نبوت کے طفیل اب یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری اور ڈیوٹی، ہے مگر عوام تو چھوڑئے خواص تک نے اسے فراموش کرر کھا ہے، البتہ دنیا کے ہر حصے میں اللہ کے چند باتوفیق بندے اس فریضہ کوانجام دے رہے ہیں، اوراس کے بہترین نتائج بھی سامنے آرہے ہیں، اتفاق سے چوبیس پچیس فروری ۲۰۱۱ء کوایک آدھ پروگرام کینسل ہوجانے کیوجہ سے سہارنپور میں کچھ فرصت میسر آگئی اس سے فائدہ اٹھا کر بندہ نے رواروی میں یہ مضمون املاء کروایا مضمون تو یکسوئی سے لکھنے کا تھا لیکن پتہ نہیں اس کا کب موقع ملے سردست اپنے دل کا درد وغم اور فکر احباب ودوستوں کیلئے حاضر خدمت ہے، اللہ کرے اسے پڑھکر کسی کے دل میں دعوت کی فکر پیدا ہوجائے تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ چند گھنٹوں کی محنت ضائع نہیں گئی۔

دعوت اسلام کی روح اور طاقت:

حضرات! انبیاء کا بنیادی اور اصل کام دعوت الی اللہ یعنی انسانوں کواللہ کیطرف بلانا تھا وہ انسانوں کواللہ کا تعارف کرواتے اللہ کی عظمت وبڑائی دلوں میں اتارتے ان میں آخرت کی فکر پیدا کرکے ان کا رخ دنیا سے آخرت کی طرف موڑتے، اورانہیں اللہ کے لئے مرنا اور جینا سکھا کر اللہ والا بنادیتے، نبیوں کا طریقہ براہ راست انسانوں تک پہونچ کر انہیں ایمان واسلام پہونچانا تھا، انبیاء علیہم السلام دین کے دوسرے کام تعلیم وتعلم، تزکیۂ نفس، ذکروتلاوت، صدقہ وخیرات، دعوت کے ضمن میں اورتابع کرکے انجام دیتے ان کی پوری زندگی اور زندگی کا ہر دن ہر لمحے کا بنیادی کام دعوت ہی تھا، خاتم النبیینؐ اور آپ کے صحابہؓ کا زندگی بھریہی اصل مشغلہ تھا، البتہ کبھی کبھی دعوت کی راہ کی رکاوٹ دور کرنے کیلئے قتال کی بھی نوبت آجاتی، جو پوری نبوت کی ۲۳ سالہ زندگی میں بمشکل تین چار بار آئی، دعوت کی بدولت ہجرت کے بعد دس (۱۰) سال میں روزانہ ۲۷۴ میل کے حساب سے اسلام پھیلتا گیا، آپؐ کی وفات تک کم وبیش دس لاکھ مربع میل کا علاقہ اسلام کے زیرنگیں آگیا تھا، آپ ﷺ کے بعد چالیس سال کی مختصرسی مدت میں تقریباً ۶۵ لاکھ مربع میل علاقہ پر اسلام کی عمل داری قائم ہوگئی تھی، یعنی اس دور کے معلوم تینوں براعظموں (ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے بڑے حصہ پر) آج جسے مسلم ورلڈ یا عالم اسلام کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی دعوت کا پھل ہے، بعد کے ادوار میں مسلمان تدریجاً دعوت سے دور ہوتے گئے، اگرچہ بعد کے ادوار میں بھی کسی نہ کسی درجہ میں اسلام کی اشاعت ہوتی رہی، اوراس اشاعت اسلام میں دیگر عوامل نے بھی تھوڑا بہت کام کیا، لیکن دعوت اور غیر دعوت کے اشاعت اسلام میں نمایاں فرق یہ رہا کہ جن خطوں اور علاقوں میں دعوت کے ذریعہ اسلام پہونچا وہ آج تک ایمان پر قائم اور پوری طرح محفوظ ہیں، اور جن خطوں میں

عسکری فتوحات یا دیگر عوامل سے اسلام پھیلا، عسکری قوت کے کمزور پڑنے کے ساتھ وہاں دوبارہ کفر کی عمل داری قائم ہوگئی۔

دین کے اجتہادی شعبے اصل (دعوت) کے ساتھ ہی پورا فائدہ دیں گے:

بعد کے ادوار میں دعوت کے بجائے دین کے دیگر اجتہادی شعبوں کیطرف توجہ مرکوز ہوجانے کی وجہ سے ایک طرف نئے نئے خطوں اور علاقوں میں اسلام کی اشاعت کی رفتار سست وکمزور ہوتی گئی دوسری طرف خود مسلمانوں میں ایمانی وعملی ضعف وکمزوری در آئی جس کی وجہ سے طرح طرح کے اعتقادی وفکری فتنوں وگمراہیوں نے جنم لیا حتیٰ کہ آج یہ حالت ہوگئی کہ اگر مسلمان کہلانے والوں کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو انہیں مسلمان کہنا مشکل ہوگا، دین کے دیگر شعبے جب تک اصل کام (دعوت) کے ضمن میں چلتے رہے ان میں ترقیات فوائد اور خیر وبرکت رہی اور جب اصل (دعوت) کی جگہ دین کی اجتہادی شکلوں، تعلیم وتعلم، درس وتدریس، تصوف وتزکیہ، تذکیر وتبلیغ نے لے لی یعنی دعوت کے بجائے اجتہادی شعبے ہی رہ گئے تو ان میں رسمیت آکر طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونے لگیں، کیونکہ صرف دعوت ہی وہ عمل ہے جس کے ذریعہ داعی کا ربط وتعلق، ایک طرف براہ راست اللہ سے اور دوسری طرف لوگوں سے استوار رہتا ہے، جب تک یہ تعلق قائم رہے کفر اور باطل طاقتیں اپنی سازشوں اور کوششوں میں کامیاب نہیں ہو پاتیں، حضرت امام مالکؒ کا قول مشہور ہے کہ اولیں دور یعنی دور نبوت میں امت کی صلاح وفلاح، ترقی وکامیابی جس طریقہ پر ہوئی آخری دور میں بھی اور (درمیان میں بھی) اسی راہ (دعوت) سے ہوگی۔

حق وباطل کی جنگ میں سنت الٰہی:

حق وباطل کی جنگ میں یہ ہمیشہ سے اللہ کی سنت رہی ہے کہ باطل کو ماڈی وسائل واسباب نہایت فراوانی سے دیئے جاتے ہیں، اور ان کے مقابلے کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو جو اسباب اور ساز وسامان عطا کیا جاتا ہے وہ ہے ''دعوت اور دعاء'' یعنی دن کو جان کھپا کر لوگوں کو اللہ کی بات پہونچانا، اور رات کو اللہ کے سامنے آہ وزاری اور دعاء میں مشغول رہنا، دعوت کی بدولت داعی کے ساتھ اللہ کی خاص نصرت وطاقت شامل حال ہوجاتی ہے، ایسی طاقت جس کا مقابلہ کوئی دنیوی طاقت نہیں کرسکتی، گویا دعوت کا عمل دنیا میں بھی غلبہ وکامرانی کی شاہ کلید اور گہری حکمت ہے، داعی کسی قوم وملک کو دعوت دیکر گویا اسے اس سے بے انتہا بڑی قوت وطاقت سے بھڑا یعنی ٹکرا دیتا ہے، نتیجہ کے طور پر وہ قوم وملک یا مطیع (مسلمان) ہوجاتا ہے یا خدا کا غیبی نظام اس کے خلاف پڑ کر اسے تباہ کردیتا ہے، چنانچہ دور نبوت میں بھی یہی ہوا ،اُس وقت دنیا پر عملاً دو ۲ سُپر پاور کی عمل داری قائم تھی (۱) رومن امپائر (۲) پرشین امپائر، اگر صحابہ کرامؓ ان دونوں سُپر پاورس کے مقابلے کا ماڈی سازوسامان، اسلحہ واسباب اکٹھا کرتے تو شاید صدیوں تک بھی ان کے مقابلے کے اسباب ووسائل جمع نہ کر پاتے، صحابہ کرامؓ نے کامیابی کی (SHORTWAY) مختصر راہ اختیار فرمائی یعنی ان کو اللہ کی طرف دعوت دی، انکار کرنے پر اللہ کی غیبی طاقت ونظام ان کے خلاف ہوگیا نتیجہ یہ نکلا کہ گنتی کے چند سالوں میں صدیوں سے جمی جمائی دونوں عظیم سلطنتیں اس طرح مٹ گئی جیسے نمک پانی میں تحلیل ہوکر ختم ہوجاتا ہے، آج ان دونوں سُپر پاور کی سرزمین ہی اصل دار الاسلام ہے۔

عصر حاضر میں ملت اسلامیہ کے لئے واحد راہ عمل صرف دعوت ہے:

غور کیا جائے تو آج کے دور میں بھی ملت اسلامیہ اور

عالمی کفریہ طاقتوں کے مابین طاقت ،اسباب ،وسائل کا تقریباً وہی تناسب ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے تھا، بلکہ جدید سائنسی وٹکنالوجی ترقی نے اس فرق کو کمیت سے بڑھا کر کیفیت تک یعنی QUANTITY سے QUALITY تک بڑھا کر اسلام اور کفر کے درمیان طاقت کے توازن کو مزید بڑھا دیا ہے، اگر دور نبوت میں طاقت کا توازن ایک اور دس کا تھا تو اب ایک اور ہزار کا ہو گیا، مثلاً غزوۂ بدر میں صرف تعداد کا فرق تھا ایک طرف تین سو تیرہ ہیں دوسری طرف ۱۰۰۰ ارگیارہ سو مگر دونوں کے پاس دستی ہتھیار تھے، اب جدید سائنس نے الیکٹرونک اسلحہ دے کر ایک فرد کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ایک بٹن دبا کر پورے پورے ملک کو تباہ کرسکتا ہے، اسلئے اب ''ملت اسلامیہ کیلئے غلبہ وکامرانی حاصل کرنے کی صرف ایک ہی راہ باقی رہ گئی ہے، جو دور نبوت میں تھی یعنی دعوت الی اللہ، اشاعت اسلام کی پوری تاریخ دعوت کی تاریخ ہے مسلمانوں نے گزشتہ چودہ سو سالہ دور میں مراکش سے انڈونیشیاء تک جو کچھ حاصل کیا وہ دعوت ہی کی بدولت حاصل کیا اور جو کھویا دعوت میں کوتاہی سے کھویا، آج دنیا بھر میں مسلمانوں کو جو سزا مل رہی ہے وہ درحقیقت دعوت چھوڑنے کی سزا ہے، کہ ہم نے لوگوں کو ان کی امانت یعنی ایمان واسلام ان تک نہیں پہونچایا، اسلئے ہم اللہ اور انسانیت دونوں کے مجرم بن گئے''۔

ملت اسلامیہ کے تین دور:

حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے ایک بار ۱۹۶۳ء میں تقریباً تین گھنٹے دعوت کی تاریخ پر تقریر فرمائی (جو بندہ نے حضرت کے سامنے بیٹھ کر قلمبند کی تھی جلد ہی انشاء اللہ شائع کرنے کا ارادہ ہے) اس میں حضرت نے ملت کے تین ۳ر دور بتائے پہلا دور جس میں دعوت اصل اور محور کے درجہ میں تھی علم وذکر ضمن میں تھے، اس دور میں کس طرح آناً فاناً دنیا میں اسلام پھیلا پھر خلفائے راشدین کے بعد جو برسر اقتدار طبقہ تھا وہ دعوت چھوڑ کر عیش وعشرت میں پڑ گیا تو مخلصین نے علم کو اصل اور محور بنا کر سارے مجاہدے مشقتیں اور تکالیف جو پہلے دور میں دعوت کی خاطر برداشت کئے جاتے تھے، دوسرے دور میں علم کی خاطر یعنی حدیث، تفسیر، سیرت، اور دیگر دینی علوم کے محفوظ کرنے کی خاطر اختیار کی، اس دوسرے دور میں علم اصل اور محور تھا، دعوت وجہاد اور ذکر ضمن میں تھا، جیسے حضرت عبداللہ بن مبارک سال میں چھ ماہ درس حدیث دیتے اور چھ ماہ جہاد کرتے اور ذکر بھی تھا، مگر اصل محور کے درجے میں بنیادی توجہ علم پر یعنی احادیث جمع کرنے ،سیرت ومغازی وتفسیر کے محفوظ کرنے اور مسائل استنباط کرنے وغیرہ وغیرہ پر تھی، جب اہل علم میں، بگاڑ آ گیا علماء بادشاہوں کے قرب کے حصول اور دنیوی عہدوں ومنصب کے حصول اور مال اور متاعِ دنیا جمع کرنے میں لگ گئے تو مخلصین نے اللہ کے ذکر کے ذریعہ تزکیۂ قلوب اخلاص اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے پر توجہ مرکوز کردی، اس طرح تیسرا دور شروع ہوا، اس تیسرے دور میں علم بھی تھا دعوت بھی تھی ، مگر اصل اور محور کے درجہ میں ذکر تھا۔حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے آخری دور میں سات سو مبلغین دعوت کے لئے جنوبی ہند روانہ کئے مگر اس تیسرے دور میں محور اور اصل کے درجے میں ذکر الٰہی تھا، پھر حضرت نے تفصیل سے ان تینوں ادوار کا فرق بیان فرمایا مثلاً پہلے (دعوت) دور میں کفار اور خدا کے دشمنوں کو کثرت سے ہدایت ملتی رہی ہے، اسلام تیزی سے ملکوں اور قوموں میں داخل ہو رہا ہے ،کٹر سے کٹر اسلام کے دشمن ایمان لا رہے ہیں، جبکہ دوسرے دور

(علم) میں عباسی خلیفہ حضرت سفیان ثوریؒ کا معتقد ہے، ان کے خط کو احترام میں آنکھوں سے لگاتا ہے سر پر رکھتا ہے بوسہ دیتا ہے مگر ان کی لکھی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ ،حضرتؒ نے فرمایا کہ قیامت تک امت پر ان تین ادوار میں سے کوئی دور رہے گا جب محور اور اصل دعوت ہوگی ،تو پہلے دور کی برکتیں فوائد وثمرات ملیں گے اور جب ذکر محور ہوگا تو تیسرے دور کے فوائد وبرکات حاصل ہوں گے حضرتؒ نے یہ مفصل تقریر **خیر القرونِ قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** کی تشریح وتفہیم کے ذیل میں فرمائی تھی۔

دعوت ہر مسلمان کا اصل کام اور فریضہ:

اسلام ایک دعوتی دین ہے، قرآن کا ارشاد ہے ، ترجمہ: کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت کے ساتھ اور میرے متبعین کا بھی (القرآن) پیغمبر اسلام نے اس امت کی تربیت دعوت ہی کے راستہ سے فرمائی، ہر شخص کلمہ پڑھتے ہی دعوت کے کام میں لگ جاتا تھا ،اور حجۃ الوداع کے آخری پیغام میں آپؐ نے قیامت تک کے مسلمانوں کی ڈیوٹی لگادی کہ اب تم کو رہتی دنیا تک میرا پیغام انسانیت کے ہر ہر فرد تک پہونچانا ہے، پوری انسانیت آپ کی امت قرار دی گئی، امت اجابت یا امت دعوت ،جیسے باپ آخری وقت میں اپنے بیٹے کو وصیت کر جائے کہ میری میراث دوسرے بیٹے تک بھی پہونچادینا ،لیکن وہ بیٹا ساری وراثت اپنے ہی پاس رکھ لے دوسرے بھائی تک نہ پہونچائے تو وہ باپ کا بھی مجرم ہوگا اور دوسرا بیٹا (غیر مسلم) بھی اسکا دشمن بنے گا، آج ساری دنیا کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ ہم نے ان کا حق مارا ہے ان کا ورثہ (ایمان واسلام ان تک نہیں پہونچایا) غرض ایک مسلمان کا اصل کام اور زندگی کا مشن دعوت ہی ہے، اس کے بغیر نہ وہ کامل مسلمان بن سکتا ہے اور نہ دنیا میں اسلام فاتح وغالب رہ سکتا ہے، رہا جہاد تو وہ نام ہے دین پھیلانے میں اپنی ساری قوت وتوانائی حتیٰ کہ جان تک قربان دینے کا، جہاد دعوت ہی کا آخری مرحلہ ہے، یعنی جب طاقت وقوت سے دعوت کو روکا جائے تو طاقت ہی سے وہ رکاوٹ دور کردی جائے ،موجودہ دور میں دشمنان اسلام بالخصوص مغرب کی صیہونی وصلیبی قوتوں نے ایک طرف ابلاغ کے تمام وسائل جن کے ذریعہ انسانوں کے دلوں تک رسائی حاصل کی جاتی ہے ،اور دوسری طرف اسلحہ وطاقت کے تمام وسائل پر مکمل قبضہ وکنٹرول کر کے جہاد کے خلاف شرانگیز پروگنڈہ کر رکھا ہے، اور مغرب سے مرعوب ومتأثر ہمارے بالائی طبقات، حکمراں، فوج اور جدید تعلیم یافتہ طبقے نے بھی لفظ جہاد کو طعنہ بلکہ گالی بنادیا ہے، یہ لوگ ہر جگہ جہاد سے برأت کرتے نظر آتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے سارا قرآن جہاد کی اہمیت وفضیلت سے بھرا پڑا ہے، لیکن اسلام کا مقصود قتال نہیں دعوت ہے ،قتال ناگزیر حالات میں مجبوراً سرجن کے آپریشن کیطرح آخری (Option) مرحلہ کے درجہ میں ہے۔

ایمان ونفاق کے درمیان فرق کرنے والی چیز دعوت وجہاد ہی ہے:

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ ایمان ونفاق کے درمیان امتیاز دین پھیلانے کی جد جہد (دعوت وجہاد) سے ہی قائم ہوتا ہے، دور نبوت کے منافقین نماز وروزہ ،ذکر وتلاوت، صدقہ وخیرات سب کچھ کرتے تھے، امتیاز دعوت وجہاد کے موقع پر ہی ہوتا تھا آخری غزوہ تبوک میں بھی حسب معمول قتال نہیں دعوت کی تربیت کی گئی تیس ہزار صحابہ کرام شریک ہوئے صرف تین نہ جاسکے اس پر ان کے ساتھ توبہ قبول ہونے تک معاشرتی

طور پر کافروں اور منافقوں جیسا برتاؤ ہوا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی آخرالزماںؐ کے امتی کیلئے دین پھیلانے کی جد وجہد یعنی دعوت کے بغیر صرف دین پر چلنا ہرگز کافی نہیں، بقول عصر حاضر کے ایک داعی کے آج دین پھیلانے کیلئے لوگوں میں مارے مارے پھرنا فضیلت اور ثواب کی چیز ہے، وہ وقت (ظہور مہدی) قریب ہے، جب یہ دور نبوت کی طرح فرض وواجب ہوگا، دین کی خاطر نہ نکلنے والے کو منافق وکافر قرار دیا جائے گا، قرآن کا ارشاد ہے، ترجمہ: کامل مؤمنین صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے پھر ذرا شک نہیں کیا پھر اسے جان ومال سے اللہ کی راہ میں کوشش وجہاد کیا صرف یہی لوگ (ایمان کے دعوے) میں سچے ہیں۔(سورۂ حجرات آیت ۱۵)

عصر حاضر میں ہمارے تمام مصائب اور مشکلات کا اصل سبب:

آج دنیا کے ہر ملک میں ہمارے جتنے بھی مسائل ہیں مثلاً تعلیم میں پچھڑ جانا، اقتصادی پسماندگی، سیاسی بے حیثیتی ہر طرح کی ناانصافی، ہولناک مظالم، نسل کشی، دیکھا جائے تو دنیا بھر کی دجالی طاقتوں نے ہر ملک میں اسپین کی تاریخ دہرانے کی تیاری کر لی ہے، یہ ہولناک حالات ومصائب اصل مرض نہیں، مرض کی علامت ہیں، ہمارا اصل مرض یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور دین کو پھیلانا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے ہم انسانیت کے خیرخواہ بننے کے بجائے حریف بن گئے، آج ہم دنیا بھر میں اپنی مظلومیت کا رونا رو رہے ہیں کہ فلسطین میں ہمارے ساتھ یہ ظلم ہو رہا ہے، عراق وافغانستان میں یہ ظلم ہو رہا ہے، کشمیر وفلپائن میں یہ ظلم ہو رہا ہے، ہم اپنی اور دنیا کے انسانوں کی نظر میں مظلوم ہیں، اور دوسرے لوگ ظالم لیکن کبھی کبھی میں سوچتا ہوں دنیا کے انسانوں تک ان کی امانت (ایمان واسلام) نہ پہونچانے کیوجہ سے اصل ظالم ہم ہی ہیں کہ ہم نے ان کا حق مارا ہے، باپ (حضورﷺ) کی امانت اس کے دوسرے بیٹے تک نہیں پہونچائی، اللہ اور رسولؐ نے انسانیت تک پہونچانے کیلئے ہمیں جو ذمہ داری وامانت سونپی تھی ہم نے خیانت کی، ذمہ داری پوری نہیں کی، ایمان واسلام وہ دولت ہے جس کے بغیر دنیا کا ہر فرد بشر ہمیشہ ہمیش کیلئے ہلاکت میں پڑ جائے گا، ہم انسانیت کے حق میں اتنے بے رحم وظالم ثابت ہوئے کہ ان بے چاروں کو دائمی ہلاکت وبربادی سے بچانے کی ذرا فکر نہ کی اپنی دنیا بنانے میں مگن رہے تو اللہ نے اس جرم کی پاداش میں انہی لوگوں کے ذریعہ ہماری دنیا کو جہنم بنا دیا۔

دنیا میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی:

دنیا میں اسلام دینی اداروں سے نہیں دعوت سے پھیلا ہے، مثلاً برصغیر کے مغربی حصہ میں (پاکستان) زیادہ تر اسلام کی اشاعت اس دور میں ہوئی جب مسلمانوں میں کسی حد تک دعوت کا جذبہ موجود تھا، یعنی محمد بن قاسمؒ اور ان کے بعد کا دور، چنانچہ تاریخ فرشتہ میں ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت کی بنیاد رکھنے والے سلطان شہاب الدین غوری کا خط نقل کیا ہے جو انہوں نے شمالی ہند کے سب سے طاقتور حکمراں پرتھوی راج کو لکھا تھا کہ تم سرحد سندھ، پنجاب، بلوچستان میرے حوالہ کر دو تو میں دہلی واجمیر پر حملہ نہیں کرونگا اور اپنے مطالبے کے حق میں یہ دلیل دی تھی کہ یہ علاقہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے، اسی طرح بنگال (بنگلہ دیش) سات سو سالہ مسلم حکمرانی کے دور میں مسلمانوں کی تعداد ۱۵/۲۰ فیصد سے زیادہ نہیں بڑھ سکی تھی، انگریز کے عین دور شباب میں حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے خلیفہ مولانا کرامت اللہ جونپوریؒ نے دعوت کا کام کر کے بنگال میں

تقریباً ایک کروڑ لوگوں کو مسلمان بنایا اس سے معلوم ہوا کہ پاکستان کی اصل بنیاد بھی دعوت ہے نہ کہ دوقومی نظریہ، آج پاکستان اسی تضاد کے نتائج بھگت رہا ہے کہ قائداعظم نے دوقومی نظریہ (اسلام وکفر کی تفریق) کی بنیاد پر پاکستان بنایا اور بننے کے بعد اپنی ساری توانائی اور توجہ ایک قومی نظریہ (اسلام وکفر کی برابری) کے مطابق ڈھالنے پر جھونک دی، یاد رکھئے! دعوت سے ہی دارکفر دارالاسلام بنتا ہے نہ کہ کسی نظریہ سے۔

نازک حالات میں دعوت ہی نے ملت اسلامیہ کوسنبھالا:

ہماری تاریخ کا ایک اہم سبق یہ بھی ہے کہ جب کبھی ملت پر نازک وقت آیا اس وقت دین کے دوسرے شعبے یا اپنی ادارے وجامعات کام نہیں آئے بلکہ دعوت ہی کے ذریعہ حالات بدلے، مثلاً چھٹی صدی ہجری میں تاتاریوں کی یلغار کے وقت دینی اداروں، جامعات، علماء ومشائخ کی کمی نہیں تھی، صحرائے گوبی سے اٹھنے والی آندھی (تاتاری) نے عالم اسلام کواس بری طرح تاراج وتباہ کیا کہ سمجھا جانے لگا گویا اب اسلام کا خاتمہ ہے، ایسے نازک حالات میں اللہ کے چند مخلص بندوں نے خاموشی سے ان جنگجو جنگلی فاتحین کے دلوں پر دستک دی، انہیں اللہ کی طرف بلایا، ان تک ایمان پہونچایا جس کے نتیجہ میں حالات نے ایک دم اسلام کے حق میں اسطرح پلٹا کھایا جس کا کوئی تصور نہیں کرسکتا تھا، بقول برطانوی پروفیسر اور علامہ اقبال کے استاذ آرنلڈ کے جہاں مسلمانوں کی تلوار اور سارے وسائل ناکام ہوگئے وہاں بےلوث دعوت نے مسلمانوں کی تاریخ بدل کر رکھ دی اور فاتحین کی پوری نسل من حیث القوم اسلام کی آغوش میں آکر صدیوں تک کیلئے اسلام کی سب سے بڑی علمبردار اور محافظ بن گئی، اسی طرح ہندوستان میں دسویں صدی ہجری میں اسلام پر نازک وقت آیا جب برہمنوں کی ایک گہری سازش کے نتیجہ میں مغل امپائر کی سب سے زیادہ بلند حوصلہ اور طاقتور شخصیت اکبراعظم کو دین الٰہی کے نام سے اسلام کے مقابلے پر لاکھڑا کیا وہ وقت برصغیر میں اسلام کیلئے نازک ترین وقت تھا اللہ کے ایک مخلص بندہ (حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانیؒ) کی خاموش دعوت نے ایسے حالات بدلے کہ اکبراعظم کے تخت پر چوتھی پشت میں ایک ایسی شخصیت (اورنگزیب عالمگیر) جلوہ افروز ہوئی جنہیں عرب دنیا کے ممتاز عالم دین اور مفکر شیخ علی طنطاوی نے چھٹا خلیفہ راشد قرار دیا اس عظیم انقلاب کا سہرا حضرت مجدد الف ثانی کی دعوت، خاص طور پر تحریری دعوت (مکتوبات) کے سر ہے، آپ نے اپنی تحریری دعوت کے ذریعہ اکبر کے ارکان سلطنت وامراء دربار کے دلوں پر براہ راست دستک دی، آپ کی دعوتی کڑھن وکوشش کا کرشمہ تھا کہ اکبر کے اراکین سلطنت وامراء نے اس عظیم فتنہ کو اکبر کے شاہی محل میں دفن کردیا، غرض دعوت ہی سے ہر دور کے مسائل حل ہوئے۔

تمام مسائل کے حل کا نبوی طریقہ:

یہاں سرسری نظر اس پر ڈالیں کہ حضور ﷺ نے تمام مسائل کو کس طرح حل فرمایا، ہجرت مدینہ کے وقت ایک طرف لٹے پٹے مہاجر تھے جو اللہ کیلئے اپنا سب کچھ چھوڑ کر اور صرف جان بچا کر مدینہ پہونچے تھے دوسری طرف مدینہ کے کاشتکار (انصار) تھے جن کا بال بال یہودیوں کے سودی قرضے میں جکڑا تھا، آپ ﷺ نے مدینہ پہونچ کر چار کام کئے (۱) اللہ کی عبادت اور تعلیم وتربیت کیلئے مسجد کی بنیاد رکھی (۲) بے وسائل آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کیلئے ایک مقامی (انصاری) اور ایک پردیسی (مہاجر) کے درمیان مواخات کے عنوان سے خونی رشتہ

سے مضبوط رشتہ قائم کرکے ان پناہ گزین کے سارے مسائل ایک لمحہ میں حل فرمادئے (۳) چاروں طرف خوف وہراس کا عالم تھا مٹھی بھر مسلمان دنیا بھر کے کفر کے درمیان گھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے خوف کی فضاء ختم کرنے اور امن قائم کرنے کی خاطر مدینہ منورہ کے یہودیوں اور قبائل سے اپنے اپنے مذہب ،شریعت اور معاشرت پر رہتے ہوئے مدینہ کے دفاع میں شرکت کرنے اور باہمی رواداری کے ساتھ رہنے اور آپسی مناقشات اور اختلاف میں آپ ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر معاہدہ فرمایا، جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے، اور جو دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے، اسی طرح مدینہ کے اطراف میں کئی کئی سو میل کا سفر فرما کر مختلف قبائل سے معاہدے فرمائے کسی سے اس شرط پر معاہدہ ہوا کہ جب مسلمانوں کے قافلہ (عسکری وتجارتی) ان کے علاقوں سے گزریں تو ان کو اپنا مہمان بنائیں بعض سے اس شرط پر معاہدہ ہوا کہ ان کے علاقہ سے اسلام کے دشمن گزریں تو ان کی مکمل اطلاع فراہم کریں وغیرہ وغیرہ (۴) اس کے بعد آپ ﷺ نے ساری توجہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت پر مرکوز فرمائی ،مسجد نبوی صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ مدرسہ، یونیورسٹی، خانقاہ، تربیت گاہ بھی تھی مختلف اوقات میں تعلیم اور ذکر کے حلقے لگتے ، پھر لوگ اپنے گھروں میں جا کر عورتوں اور بچوں کو تعلیم دیتے اور تربیت کرتے غزوہ بدر کے موقع پر اہل مکہ کے ان قیدیوں کیلئے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے آپ ﷺ نے رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو آزاد ہیں، سوچنے کی بات ہے جو قیدی اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے جذبہ سے آئے تھے انہوں نے دین (قرآن وسنت) کی تعلیم دی ہوگی؟ بلکہ اس دور کی عصری تعلیم ہی دی ہوگی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی ایسی تعلیم وتربیت فرمائی کہ ہر صحابی رہتی دنیا تک کیلئے اعلیٰ آئیڈیل ونمونہ بن گیا، تاریخ شہادت پیش کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی تربیت کردہ (صحابہ کرامؓ) جماعت نے وقت آنے پر اُس دور کے ہر مسئلہ سیاسی، انتظامی، عسکری، معاشی، وغیرہ وغیرہ اور ہر ہر علم وفن میں کامل مہارت کا ثبوت دیا، ان میں ہر شخص داعی تھا وہ دنیا کے جس خطے میں بھی پہونچا وہاں کے لوگوں کو اسلام اور ایمان پہونچا کر انکا معلم اور مقتدیٰ بنا، گنتی کے چند صحابہ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ متخصص فی القرآن یا فی الفقہ یا فی القرأت تھے، لیکن صحابہ کرامؓ کی زندگی کا بغور مطالعہ بتاتا ہے، کہ ہر صحابیٔ رسول متخصص فی الدعوت تھا وہ جہاں بھی گیا ہزاروں لاکھوں کو اسلام اور ایمان کی دولت سے سرفراز کر گیا، اگر مسلمان داعی نہ ہو تو اس کا ایمان اور اسلام اتنا کمزور ہوگا کہ وہ نا مساعد حالات کا مقابلہ نہیں کرسکے گا۔

داعی وتاجر کی نفسیات ایک جیسی ہوتی ہیں:

داعی کی مثال ایک تاجر کی سی ہے جس طرح تاجر اپنے مال بیچنے کیلئے گاہک کی ہر طرح کی بدتہذیبی، سختی اور بداخلاقی برداشت کرکے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے، اسی طرح داعی بھی مدعووین کی ہر طرح کی سختی، درشتی اور بداخلاقی کو نظر انداز کرکے اخلاق کریمانہ اور ہمدردی سے اپنی بات پہونچاتا ہے، تاجر ہر وقت گاہک کے پسند ونا پسند مزاج ونفسیات رضاء وخوشی اور دلجوئی کی فکر میں رہتا ہے، اگر تاجر دیکھتا ہے کہ گاہک اس کی دکان میں نہیں آرہا ہے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ میری بلا سے اگر خریدنا ہوگا تو جھک مار کر خود آئے گا، بلکہ وہ گاہک کے پسند کے مطابق دکان کو اور خود کو ڈھالتا ہے، اگر کسی جگہ دکان نہیں چل رہی تو سوچتا ہے شاید عملہ نا اہل ہے، عملہ بدلتا ہے، پھر بھی نہ

چلے تو سوچتا ہے شاید دکان کا ڈیکوریشن اور فرنیچر (سجاوٹ) گاہک کو ترغیب دلانے میں ناکام ہے، ڈیکوریشن بدلتا ہے، پھر بھی گاہک نہ آئے تو سوچتا ہے کہ شاید اس جگہ کپڑے کے بجائے اناج کی دکان چلے گی، دکان کا سامان بدلتا ہے، اور کبھی دکان کی جگہ ہی تبدیل کر دیتا ہے، اپنے مال کی ایڈوٹائزنگ کیلئے جدید تشہیری طریقہ اختیار کرتا ہے نہایت صبر وتحمل بردباری سے محنت کئے جاتا ہے، یہاں تک کہ دکان چل پڑتی ہے، افسوس ہمارا ذہن ودماغ تجارت میں تو نت نئے تجربات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے، لیکن جب دعوت یا انسانیت تک دین وایمان پہونچانے کا مرحلہ سامنے آتا ہے تو اکابر اور اسلاف اسلاف کے نام پر صدیوں پرانے اسلوب زبان ولہجہ، طریقۂ کار ہی دہراتے ہیں ہم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ میرا دعوت دینے کا طریقۂ کار مخاطب کے ذہنی سطح، مزاج ونفسیات، زبان واسلوب کے مطابق ہے یا نہیں؟ ہم خود کو دھوکہ میں رکھتے ہیں کہ آخرت میں ہمارے نامۂ اعمال میں اتنے کروڑ اتنے ارب نیکیاں جمع ہو رہی ہیں، خواہ ہم اپنے طرز عمل بداخلاقی سے لوگوں کو اسلام ایمان سے بدظن ومتوحش ومتنفر ہی کر رہے ہوں۔

دعوت کی عظمت اور داعی کے اوصاف:

دعوت درحقیقت ایمان (اللہ کو ماننے) کی ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جو شخص بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا تھا اسے اسی وقت ایمان کی دعوت کا فریضہ سونپ دیتے صدیق اکبرؓ نے ایمان لاتے ہی ایمان کی دعوت دینی شروع کی اور محنت کر کے اسی دن کی شام تک چھ نئے لوگوں کو ایمان پر لے آئے (مسلمان بنالیا) جن میں کئی عشرۂ مبشرہ میں سے بنے، حضرت عمر فاروقؓ نے ایمان قبول کرتے ہی حرم میں پہونچ کر اعلانیہ اپنے ایمان کا اعلان اور ایمان کی دعوت دی، اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہؓ نے جب ایمان قبول کیا تو کلمہ شہادت کے اقرار کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا، قل اشہد اللہ واشہد من حضرانی مسلمٌ مجاہد مہاجر (حیاۃ الصحابہ) میں اللہ کو اور حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان مجاہد اور مہاجر ہوں یعنی میں نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ ایمان پھیلانے کی محنت کرنے والا اور ایمان واسلام کی خاطر سب کچھ چھوڑنے والا (قربانی کرنے والا ہوں) یعنی حضور ﷺ ہر شخص کو مسلمان بنانے کے ساتھ ہی داعی اور دعوت کیلئے سب کچھ قربان کرنے والا بھی بنا دیتے تھے یہی اصل کار نبوت، طریق نبوت اور سنت نبوی ہے، رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جو شخص بھی ایمان لاتا اسے اسی کے قبیلہ اور قوم میں ایمان کا داعی بنا کر روانہ فرماتے، اس طرح بہت سارے افراد کی دعوت پر انکا پورا قبیلہ یا قبیلہ کے بہت سے افراد مسلمان ہو جاتے، آپ ﷺ ظاہری چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے مثلاً لباس عرب کے قبائل کا تقریباً یکساں ہوتا تھا، نام بھی تقریباً سارے صحابہ ابوبکر عثمان سلمان ابوذر وغیرہ وغیرہ، اسلام کے پہلے کے ہیں، ہاں اگر کسی کے نام میں شرک کی بو آتی یا اس کے کوئی گندے معنٰی ہوتے، تو اسے آپ ﷺ تبدیل فرما دیا کرتے تھے، لیکن آج مثلاً کوئی یہودی عیسائی شخص میرے پاس آکر مسلمان ہو تو میں اس میں ایمانی صفات پیدا کرنے یا داعی بنانے کے بجائے ظاہر پر زیادہ توجہ دونگا، سب سے پہلے نام بدلوں گا، پھر اس کا لباس حتیٰ کہ ٹوپی عمامہ پہنا کر اس کو اس کے اپنے معاشرے سے کاٹ دونگا اب وہ اس قابل نہیں رہے گا کہ وہ اپنے معاشرے میں جا کر دین کی دعوت دے سکے، اس مسئلہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر

داعی گویا براہ راست اللہ کی طرف سے پیغامبر ہوتا ہے اسلئے وہ خدا کے نمائندے کی حیثیت سے بلند سطح سے بات کرتا ہے، داعی کیلئے یہ بلند ترین مرتبہ حاصل ہونے کیلئے تین باتیں ضروری ہیں، ہر وقت خدا کی عظمت بڑائی اور کبریائی کا استحضار ہو، ہر نبی کا پہلا بول ہی اللہ اکبر رہا اگر چہ قرآن کی پہلی آیت پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی مگر پڑھایا کیا؟ اللہ کی عظمت اور دعوت پڑھائی، چنانچہ اس کے بعد جو آیت نازل ہوئی وہ ہے یا یھا المدثر قم فانذر وربک فکبر، اے گدڑی میں لپٹے ہوئے اٹھئے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجئے، دوسری بات داعی کی نظروں میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حیثیتی ہے، فرمایا کہ اگر ساری دنیا کی حیثیت اور قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی منکر خدا کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا، داعی کے دل میں دنیا کی بے حیثیتی کا بیٹھنا نہایت ضروری ہے ورنہ اس کی دعوت بے جان ہوگی، ایک بار بندہ حکومت مراکش کی دعوت پر داربیضہ (Casa Blanka) اسلامی دعوت کانفرنس میں شرکت کیلئے جارہا تھا، ہوائی جہاز میں میری سیٹ کے ساتھ ایک نوجوان کی سیٹ تھی، جب جہاز نے اُڑان بھری اور زمین سے بارہ چودہ ہزار فٹ بلند ہوا میں نے کھڑکی سے نیچے دیکھا تو لندن شہر کی بڑی بڑی شاہراہیں (Road) ایسے نظر آئی گویا کسی نے کالی لکیر کھینچ دی ہو اور لندن کے عظیم الشان بڑی بڑی عمارتیں جنہیں دیکھ کر دل مرعوب ہوتا تھا اور دل میں ان کی عظمت اور شان وشوکت بیٹھتی تھی ایسی حقیر معمولی اور چھوٹی چھوٹی نظر آرہی تھی گویا کسی نے سگریٹ یا ماچس کے بہت سارے کھوکے ایک دوسرے پر رکھ دئے ہوں، میں نے اس نوجوان سے کہا کہ ذرا نیچے دیکھئے لندن شہر اور اس کی شاندار عمارتیں کتنی حقیر اور بے حیثیت نظر آرہی ہیں، سبب یہ ہے کہ ہم محض جسمانی طور پر زمین سے چند ہزار فٹ اُوپر آگئے اگر خدا ہمیں روحانی سربلندی نصیب فرمادے تو دنیا کی ان چیزوں کی کیا حیثیت باقی رہ جائے گی، اور تیسری چیز داعی کا اپنے دعوت کے معاملے میں بےلوث ہونا ہے کہ وہ اپنی کوششوں اور قربانیوں پر مخلوق اور انسانوں سے کچھ نہیں چاہتا، ہر نبی کی بنیاد یہی ہوتی تھی، **ماسئلکم علیه من اجر، ان اجری الا علی الله رب العلمین**، اے لوگو ہمیں تم سے کچھ نہیں چاہئے ہمیں جو چاہئے اللہ سے لیں گے، یہ تین صفات داعی کو نہایت ممتاز حیثیت عطا کر دیتی ہے، اور بلند ترین مقام پر فائز کر دیتی ہے، پھر اللہ اپنی غیبی طاقت اس کے ساتھ کر دیتا ہے وہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے ظاہر ہے جو اللہ کے بندوں کا رشتہ اللہ سے جوڑ رہا ہو اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ پیارا کون ہوسکتا ہے ظاہر ہے، پھر اس کا مقام یہ ہوتا ہے کہ ایک سُپر پاور (سلطنت ایران) کا فرمانروا داعی (پیغمبرِ اسلام) کے دعوت کے خط کو چاک کر دیتا ہے، تو داعی فرماتا ہے کہ اس نے ہمارا دعوت نامہ نہیں اپنا ملک چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور یہ منظر دنیا دیکھتی ہے کہ چند ہی سالوں میں اس کی عظیم سلطنت پارہ پارہ ہو کر نیست نابود ہو جاتی ہے۔

عصر حاضر میں ذہنوں پر سیاست کے غلبہ کے مضمرات:

ہم سے ایک بڑی غلطی عصر حاضر میں یہ ہو رہی ہے کہ ہمارا ذہن داعیانہ کے بجائے سیاسی بن گیا ہے، گزشتہ صدی میں عالم اسلام پر مغرب کے سیاسی غلبے کے ری ایکشن (ردعمل کے طور پر) ہمارے بعض مفکرین کو یہ مغالطہ ہوا کہ مسلمانوں میں باطل (مغربی تمدن فکر وفلسفہ اور کمیونزم) (یورپ ورشیاء) کے سیاسی تفوق وغلبہ کے سبب پھیل رہا ہے، اگر ہمارے پاس بھی

مستحکم سیاسی حکومت ہوتی تو ہم اسی طرح اسلام پھیلاتے، اس طرح ان کا ذہن دعوت کے بجائے سیاست، ایمان وعمل کے بجائے ریاست کے حصول کی طرف لگ گیا، اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کبھی ریاست وحکومت یا سیاسی طاقت سے نہیں پھیلا بلکہ اکثر سیاسی شکست اور حکومتی عدم استحکام کے زمانے میں تیزی سے پھیلا ہے، مثلاً تاتاریوں کی یلغار عالم اسلام کیلئے قیامت سے کم نہیں تھی، تاتاری لشکروں نے پورے عالم اسلام کو تہہ وبالا کر دیا تھا، ہر شہر لاشوں سے پٹا پڑا تھا ہر جگہ مسلمانوں کے سروں کو کاٹ کر اونچے اونچے منارے سجائے گئے تھے تمام مؤرخین، اسلام کے خاتمے کی پیشین گوئی کر رہے تھے ایسے مایوس کن حالات میں اللہ کے کچھ بندوں نے انہی سفاک قاتلوں (تاتاریوں) کو دعوت دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ایک دن میں ان کے لاکھوں گھرانے مسلمان ہوئے اور پوری تاتاری قوم من حیث القوم حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئی، غرض اس سیاسی عدم استحکام کے دور میں اس طرح اسلام پھیلا کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہ پانچ سو سال پہلے ملتی ہے نہ پانچ سو سال بعد تک، آج پھر دنیا بھر میں مسلمانوں کی پسپائی، شکست، کم ہمتی، ذلت وغلامی کا وہی سماں ہے جو تاتاریوں کے حملے کے وقت تھا، آج اسلام کے خلاف شرانگیز پروپیگنڈے نے ہر مسلمان کو مجرم بنا کر رکھ دیا ہے اس کے باوجود آج پھر دنیا میں اسی طرح اسلام پھیل رہا ہے جیسا تاتاریوں کے یلغار کے بعد پھیلا تھا، خاص طور پر مغرب (امریکہ، یورپ) میں اس تیزی وسرعت کے ساتھ اسلام پھیل رہا ہے کہ اس نے عالمی کفر کے سرغنوں کو حیران وپریشان کر دیا ہے، جبکہ ہمارے پاس دنیا بھر میں دعوت کا کوئی خاص نظم ہے نہ کوشش، لوگ ازخود ذاتی مطالعہ وتفکر سے یا کتاب میں پڑھ کر اسلام کیطرف آ رہے ہیں، اگر ہم دعوت کے فریضہ پر کھڑے ہوجائیں تو آج پھر تاتاریوں کے دور کیطرح یورپ، امریکہ اور دنیا بھر میں حیران کن نتائج سامنے آسکتے ہیں اور تاتاریوں کیطرح اسلام کو دنیا سے مٹانے کا جذبہ رکھنے والی اقوام، اسلام کی پاسبان بن سکتی ہے۔

عصر حاضر میں اشاعت اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی ذہن وتعصّبات ہیں:

عصر حاضر میں ہمارے بعض مفکرین کی تحریروں کے سبب ہمارے ذہنوں پر دعوت کے بجائے سیاست سوار ہوگئی ہے، اس سیاسی ذہن نے انسانیت کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر تبدیل کر دیا ہے ہمیں اقوام عالم کا حریف بنا دیا ہے ہم نے خود کو محتسب اقوام یا دنیا بھر کی قوموں کیلئے خدائی فوجدار سمجھ لیا ہے جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے اقوام عالم کیلئے ہماری پوزیشن ناصح وامین یعنی اقوام عالم تک ایمان واسلام کی امانت بلاکم وکاست پہونچانے والے اور انسانیت کے سچے بہی خواہ اور خیر خواہ کی ہے، جیسے کوئی سچا ڈاکٹر خیر خواہی کی حد تک اپنے مریض کا خدمت گار رہتا ہے، اسی طرح داعی انسانیت کا سب سے بڑا خیر خواہ وخادم ہوتا ہے، حضرت مدنیؒ فرمایا کرتے تھے حضرات انبیاءؑ سیاسی نظام قائم کرنے کیلئے نہیں بلکہ انسانیت کو جہنم سے بچانے کیلئے مبعوث ہوتے تھے، ان کا حال اس بات کا سا ہوتا تھا جس کا اکلوتا لڑکا آگ کے شعلہ میں گرا چاہتا ہو اور وہ بے قرار ہو کر ہر حال میں اسے بچانے کی کوشش کر رہا ہو، دعوت انسانیت کو خیر خواہ بناتی ہے اور سیاست نفرت پیدا کرتی ہے، حضرت مدنیؒ سمجھتے تھے کہ دوقومی نظریے سے برصغیر میں نفرت کا وہ طوفان اٹھے گا کہ برصغیر کی اقوام میں اسلام کی اشاعت دشوار تر ہوجائے گی، دوقومی

نظریہ کی تفریق ونفرت سے پہلے صرف کلکتہ کی مسجد ناخدا میں روزانہ تقریباً سوآدمی آکرمسلمان ہوتے تھے،اسلام خاموشی سے آہستہ آہستہ اپنی جگہ بنا رہا تھا ، اس سیاسی نفرت نے ہندو کو متحدو مستحکم کر کے برہمن کے شکنجے کو پورے بھارت پر مضبوط کردیا، برہمن جس کی ہزار ہا سال سے عالمی طور پر کوئی حیثیت نہیں تھی وہ آج ایک عالمی طاقت بن گیا،حتیٰ کہ وہ عالمی صیہونی وصلیبی طاقتوں سے مل کر اسلام کو دنیا سے مٹانے کا منصوبہ بنا رہا ہے، سیاست نے برصغیر میں ہندو کو عظیم طاقت بنادیا ورنہ مذہب کے اعتبار سے اس سے زیادہ بودا اور کمزور کوئی مذہب نہیں تھا،غرض عصر حاضر میں اسلام کی اشاعت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سیاسی تعصّبات ونفرت ہے ، پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنی کتاب ’’ڈسکوری آف انڈیا‘‘ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مذہب کی تبدیلی پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ سیاسی سبب سے ہوتا ہے نہ کہ مذہبی سبب سے۔

دعوت کی بنیادی ضرورت اقوام عالم کے درمیان حالات معتدل رکھنا ہے:

دعوت کیلئے بنیادی ضرورت حالات کا نارمل رکھنا ہے قرآن نے حالات نارمل اور لبرل رکھنے کیلئے جگہ جگہ صبر اور اعراض کی تعلیم دی ہے،اور حضور ﷺ نے کشیدگی کم کرنے اور باہمی حالات نارمل بنانے کی خاطر حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کی انتہائی غلط قسم کی اشتعال انگیز یک طرفہ شرائط بھی منظور فرمائی تھی، جس کے نتیجہ میں وہ صلح نامہ فتح مبین بن گیا،قرآن وسیرت سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے، کہ ہر قوم پر عمل وکردار اور دعوت کے ذریعہ اتمام حجت کیا جائے،ان تمام مراحل کے بعد آخری مرحلہ قتال کا آتا ہے،آج ہم دعوت چھوڑ کر ایک جامد نسلی گروہ بن کر رہ گئے ہیں جیسے کسی گڑھے میں پانی ٹھہر کر آہستہ آہستہ متعفن بدبودار اور گندہ ہوجاتا ہے جبتک اس میں نیا پانی شامل ہوتا رہے وہ چشمہ صافی رہتا ہے،ضرورت ہے کہ اسلام کے چشمہ صافی میں ہر زمانہ میں ہر آن (New Blood) نیا خون شامل ہوتا رہے تاکہ کثافت دور ہوتی رہے،تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے علمبردار اور اس کے پھیلانے والے ہر دور میں نومسلم ہی رہے ہیں،حضرات صحابہ کرامؓ بھی نومسلم تھے اور ساتویں صدی ہجری کے تاتاری (اتراک بھی) اور بیسویں صدی کے تبلیغ جماعت کے میواتی بھی ایک طرح کے نومسلم تھے جس طرح تیرہویں صدی عیسوی کے تاتاریوں نے سمرقند سے حلب تک تمام عالم اسلام کی مساجد تباہ کر کے کھنڈر بنادی تھی پھر دعوت کی برکت سے انہی کی اولاد نے ان تمام مساجد کو نہ صرف تعمیر کیا بلکہ سجدوں سے آباد بھی کیا،آج بھی ہماری تمام مشکلات اور مصائب کا حل صرف ایک ہے، وہ ہے حالات کو معتدل رکھ کر ان سے الجھے بغیر اقوام عالم کو اسلام اور ایمان کی دعوت دی جائے ،جس طرح حضرت یونس علیہ السلام دعوت کے معاملے میں اجتہادی کوتاہی سے مچھلی کے پیٹ میں ڈال دیئے گئے تھے آج پوری ملت اسلامیہ دعوت فراموشی کی جرم میں ہر قسم کے مسائل کے پیٹ (شکنجے) اس طرح جکڑ دی گئی کہ ایک مسئلہ حل ہوتا نہیں کہ دوسرا پیدا ہوجاتا ہے۔

دین پھیلانے کی محنت ہی امت مسلمہ کو متحد اور یکجا کرسکتی ہے:

آج ہمارا بہت بڑا مسئلہ باہمی تشتت وافتراق ہے، ہماری پوری تاریخ شاہد ہے کہ یہ امت صرف دعوت وجہاد پر ہی جمع ومتحد ہوسکتی ہے نہ کہ کسی مسلک پر، کیونکہ پوری امت نہ حنفی بن سکتی ہے نہ مالکی نہ شافعی نہ حنبلی، نہ امت کسی ایک بزرگ کی بیعت نہ تصوف کے کسی خاص سلسلے پر متفق ہوسکتی ہے، نہ کسی ایک جامعہ یا ادارہ مثلاً جامعہ ازہر یہ یا دیوبند پر متحد ہوسکتی ہے، آج

بھی کھلی آنکھوں سے یہ حقیقت دیکھی جاسکتی ہے کہ جہاں تبلیغ کا کام شروع ہوا پوری امت ایک جگہ جمع ہوگئی مثلاً تبلیغی جماعت (جن کا کام دعوت کے بجائے تذکیر ہے) کے اجتماعات میں حنفی ،شافعی، مالکی، حنبلی ہر مذہب کے لوگ اور تصوف کے ہر سلسلے کے افراد اور ہر نسل کے ہزار ہا افراد جمع ملیں گے، مثلاً سوڈانی ،نائجیرین، اردنی، سعودی، انڈونیشی، وغیرہ وغیرہ اسی طرح جہاد افغانستان میں سعودی، شامی، مصری، یمنی، الجزائری، مراکشی، لیبی، افریقی، یورپی، امریکی، چینی، چیچنیا، البانیہ، ترکستان غرض کہ مسلمانوں کے ہر ملک و نسل نے اپنا حصہ ڈالا، جبکہ دعوت وجہاد کے علاوہ دین کے دوسرے شعبوں میں صرف قومی نسلی جھلک ہی نظر آئے گی۔

دعوت میں کوتاہی کے ناقابل تلافی نقصانات:

قرون اولیٰ کے بعد من حیث الامت دعوت میں کوتاہی سے جو نقصانات ہوئے ان کی تلافی کبھی نہیں ہوسکتی مثلاً برطانیہ کے بادشاہ جان لاک لینڈ ۱۱۶۷ ۱۲۱۶ء جس نے مشہور میگنا کارٹا (منشور آزادی) دیا جب اس کے پادریوں سے اختلافات بڑھے تو اس نے ۱۲۱۳ء میں مراکش و اسپین کے حکمراں ناصرلدین اللہ کے پاس سفارت بھیجی جس کے ارکان میں ٹامس ہارڈینٹن، رالف فرنکسوس، ماسٹر رابرٹ وغیرہ شامل تھے، انہوں نے شاہِ انگلستان کی طرف سے پیغام دیا کہ عیسائیت پر سے میرا اعتقاد ختم ہوگیا ہے، اگر آپ پادریوں کے مقابلے پر میری فوجی مدد کریں تو میں اپنی پوری رعایا کے ساتھ مسلمان ہونے کو تیار ہوں، سفیروں نے مزید کہا ہم انگلستان کے باشندے لاطینی انگریزی فرانسیسی زبانوں کے علاوہ مختلف صلاحیت سے یورپ میں اسلام پھیلائیں گے، مگر شاہِ مراکش ناصرلدین اللہ نے پیش کش ٹھکرادی ناصرلدین اللہ کو یہ ٹھکرانا بہت مہنگا پڑا نتیجتاً ناصرلدین اللہ کی زندگی ہی میں اس کے چھ لاکھ کے لشکر جرّار کو فرانس انگلینڈ، اسپین کی افواج نے شکست فاش دیکر اسپین کا بڑا حصہ چھین لیا، اس طرح ایک عظیم امکان بدترین انجام میں بدل گیا، حالیہ دنوں میں مشہور اخبار ٹائمس نے لکھا تھا کہ تیرہویں صدی کے ابتدا میں امکان پیدا ہوگیا تھا کہ انگلستان خالص مسلم ملک بن جاتا اور برطانیہ میں قرآن کا حکم نافذ ہوتا اس طرح شہنشاہِ روس (VLADIMIR 1) ولادیمر اول (۹۵۶ء -۱۰۱۵ء) کا اعتقاد بُت پرستی سے اٹھ گیا تو اس نے مسلمان علماء کو بلایا اور اسلام کی فطری تعلیمات سے دلچسپی ظاہر کی، لیکن کہا میں شراب کا عادی ہوں اسے چھوڑنا مشکل ہے اس مسئلہ میں مجھے رخصت دی جائے، باقی سب کچھ کرنے کیلئے تیار ہوں، علماء رخصت دینے پر راضی نہیں ہوئے، اس کے بعد عیسائی علماء نے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے رخصت دیدی تو اس نے عیسائیت سے اصولی طور پر مطمئن نہ ہونے کے باوجود مسیحیت قبول کر کے پوری مملکت سے بُتوں کو دریا میں پھکوا کر اپنی ساری رعایا کو عیسائی بنادیا، ان علماء کو اسلام کا مسئلہ معلوم تھا، لیکن وہ شاید دعوت کی حکمت سے ناواقف تھے جو حضور ﷺ نے ثقیف طائف کو زکوٰۃ و جہاد وغیرہ سے وقتی رخصت عطا فرما کر اختیار کی تھی، اور فرمایا تھا کہ جب اسلام قبول کرلیں گے تو زکوٰۃ بھی دیں گے جہاد بھی کریں گے۔ اسی طرح ۱۸۹۱ء میں جاپان کے شہنشاہ میجی نے خلافت عثمانیہ کے فرمانروا سلطان عبدالحمید ثانی کو لکھا کہ ہم اتحادی ہیں ہماری مصلحت یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے قریب ہوں تاکہ ہمارے درمیان معنوی رشتہ قائم ہوجائے اور فرمائش کی کہ اسلام کو ان کے ملک میں بطور تحفہ بھیجا جائے، جیسے

کسی دور میں بدھ مذہب بطور تحفہ بھیجا گیا تھا، سلطان عبدالحمید ثانی نے ترکی کے شیخ الاسلام اور بڑے علماء کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا، علماء کسی بات پر متفق نہ ہو سکے باہم مختلف ہو گئے، بالآخر سلطان نے شکریہ کا خط لکھا اور کہا کہ ہم بعد میں کبھی (اسلام) کے مبلغین بھیجنے کی کوشش کریں گے، آج جاپان صنعت وٹیکنالوجی کا بے تاج بادشاہ ہے، دنیا کا سب سے بڑا معطی (اقوام عالم کو امداد دینے والا) اور اقوام متحدہ کا سب سے زیادہ خرچ اٹھانے والا ملک اور دنیا کی سب سے بڑی اقتصادی طاقت ہے، ان ساری ترقیوں کے باوجود واضح مقصد حیات یا قابل برآمد نظریہ نہیں رکھتا، جاپانی وزارت خارجہ کے ایک قابل افسر ہڈیا کی کا سے (HIDEAKKASE) نے کہا ہمارے پاس کچھ آدرش (نظریات) ہونے چاہئے جس میں عالم انسانی کیلئے اپیل ہو، اگر ہم دعوت کے ان تینوں مواقع میں سے کسی ایک سے بھی فائدہ اٹھا لیتے تو شاید آج دنیا کی تاریخ مختلف ہوتی یہ عظیم نقصان دعوت کے مزاج وذہنیت کھو دینے کا نتیجہ ہے۔

قرون اولیٰ کے بعد ملت اسلامیہ نے دعوت کو فریضہ سمجھنا چھوڑ دیا:

قرون اولیٰ کے بعد عام مسلمان تو درکنار، عام طور پر علماء کرام نے دعوت سے اغماض برتا، ہندوستان کے آٹھ سوسالہ مسلم دور میں علماء کرام یا تو شاہی درباروں سے منسلک ہو کر اپنی دنیوی ضروریات پوری کرنے میں لگے رہے یا اپنے حجروں میں بیٹھ کر درسی کتب پر شروحات وحواشی چڑھاتے رہے یا انہوں نے خود کو مسلمانوں کی ضروریات دین نماز، روزہ، اور فضائل ومسائل بتانے تک محدود رکھا، دعوت واشاعت اسلام پر بہت کم توجہ دی گئی، اگر دور غلامی (برٹش دور) میں بھی ہمیں ہوش آجاتا اور ہم آنے والے دور کا اندازہ کر کے اپنی صلاحیت، طاقت اور وسائل برصغیر کے اقوام کو اللہ کا پیغام پہونچانے میں لگائے ہوتے تو آج برصغیر کا نقشہ مختلف ہوتا، نہ ملت اسلامیہ ہند تین ٹکڑوں میں بٹتی نہ ایک تہائی سے زیادہ حصہ بدترین دشمن برہمن کے یہاں یرغمال بنتا، تقریباً ہم نے پونے دوسو سال تک ملک کی آزادی کی جو جنگیں لڑیں ان میں کیسی کیسی صلاحیت وصفات والے ہزاروں اکابر علماء ومشائخ نے جام شہادت نوش کیا، پھانسی پر چڑھے قید وبند اور ہر طرح کے مصائب سے گزرے اس سارے جہاد کا رزلٹ یہ ہے کہ وہ برہمن جس کی کبھی کوئی حیثیت نہیں تھی آج عالمی صیہونیت وصلیبیت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پوری دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے پر کمر بستہ ہے ہماری پوری چودہ سو سالہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے دعوت کے سوا جہاں کہیں ہمارا جان ومال، وسائل وصلاحیتیں صرف ہوئیں اس کا نتیجہ ہمارے حق میں ہر اعتبار سے تباہ کن ثابت ہوا۔

برصغیر میں مسلم اقتدار کے بعد کی صورت حال:

برصغیر سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہونے کے بعد زوال وتباہی دن بدن بڑھتی گئی حتیٰ کہ اس کا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ برصغیر میں اسپین کی تاریخ نہ دہرادی جائے ان نازک حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپ کے چاروں نامور صاحبزادگان اور حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی ہمہ جہت کاوشوں کی بدولت ملت اسلامیہ ہند میں قرآن وسنت کی تعلیم اور دعوت وجہاد کی روح زندہ ہونی شروع ہوئی، پھر حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ حضرت شیخ الہندؒ اوران اکابر سے وابستہ حضرات کی کوششوں نے حالات کو کچھ اور سمبھالا دیا، جگہ جگہ تعلیم وتعلم اور ذکر وفکر کے چراغ روشن ہونے لگے، پھر بیسویں صدی میں شیخ حسن البناؒ مولانا محمد الیاس

کاندھلویؒ، مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور مولانا مودودیؒ کی دعوتی سرگرمیوں کی بدولت ہماری تعلیم یافتہ نئی نسل، مغربی تہذیب وتمدن مغربی فلسفہ میں پوری طرح ضم ہوکر ختم ہونے سے بچ گئی، بلاشبہ ان میں سے بعض حضرات نے فکری طور پر ٹھوکریں بھی کھائی، غرض جب کبھی ملت اسلامیہ پر نازک حالات آئے، تو دعوت ہی سے حالات اسلام کے حق میں پلٹے ایک ایک داعی (شیخ حسن البنّا مولانا الیاس مولانا ابوالحسن ندویؒ مولانا مودودیؒ) کی بدولت سیکڑوں ہزاروں ادارے وجود میں آئے، دوسری طرف تعلیمی و دینی اداروں کے لاکھوں کروڑوں پڑھنے والوں میں سے عموماً اللہ تعالیٰ نے صرف انہی لوگوں سے کام لیا جو کسی داعی یا دین کا درد گڑھن رکھنے والی صاحب نسبت شخصیت سے وابستہ ہوئے۔

مذہب انسان کی فطری ضرورت:

مذہب ہر انسان کی فطری ضرورت ہے جس طرح ایک بچہ ایرپورٹ یا اسٹیشن پر اپنی ماں سے بچھڑ جائے آپ اسے کھلونے چاکلیٹ ٹافی سب کچھ دیدیں لیکن جب تک اسے ماں نہ ملے گی وہ روتا تڑپتا رہے گا، اسی طرح انسان اپنے خالق سے بچھڑ کر کبھی چین وتسکین نہیں پاسکتا، اسے سکون قلب سے جینے کیلئے ضرورت ہے، ایک اطمینان بخش نظریۂ حیات (آئیڈیالوجی) کی ضرورت انسانی فطرت ہے، وہ کوئی ایسی آئیڈیالوجی چاہتا ہے جس کے ذریعہ کائنات کی اور اپنی زندگی کی توجیہ کرسکے، مقصد حیات کو پاسکے، خود کو تسکین دے سکے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا مسئلہ نظریاتی خلاء ہے:

رشیاء کی آئیڈیالوجی (کمیونزم) وقتی اور فرضی تسکین تھی جو جھوٹی اور غلط ثابت ہوچکی ہے، اور اس کے بعد سرمایہ دارانہ نظام دنیا کے معاشی بحران میں دوسری آئیڈیالوجی یعنی کیپٹل ازم کا نظریہ بھی منہدم ہوچکا، اب دنیا میں زبردست نظریاتی خلاء پیدا ہوگیا ۱۹۹۱ء میں سویت یونین کا انہدام اور ۹/جنوری ۱۹۹۲ء میں امریکی صدر جورج بش کا ٹوکیو (جاپان) میں ڈینر کے وقت کرسی سے گر پڑنے کے وقت اس دن کے ٹائمس آف انڈیا نے (BUSH COLLAPSES TOKYO RECEPTION) کی سرخی لگائی گویا نئی صدی (اکیسویں صدی) شروع ہونے سے پہلے روس کے حقیقی اور امریکہ کے علامتی انہدام نے دنیا میں نظریاتی خلاء کا اعلان کردیا تھا، اس کو صرف اور صرف اسلام ہی پُر کرسکتا ہے، کیونکہ علوم کے ارتقاء اور جدید سائنس نے اسلام کی حقانیت کو پوری طرح ثابت کردیا ہے، مراکش کے مشہور کرسچن اسکالر ڈاکٹر موریس بوکائی نے اپنی ضخیم معرکۃ الآراء کتاب بائبل قرآن اور سائنس میں قرآن اور بائبل کے سینکڑوں سائنسی بیانات کو جدید سائنسی اور علمی تحقیقات کی کسوٹی پر کس کر ثابت کیا ہے کہ جدید سائنس اور علمی تحقیقات کی رو سے قرآن کے سینکڑوں سائنسی بیانات میں ایک بات بھی غلط ثابت نہ ہوسکی، اس کے برخلاف بائبل، ہر سائنسی بیان، جدید علمی تحقیق اور سائنس نے غلط ثابت کرکے رد کردیا، یہ اس مذہب (کرسچن یا عیسائیت) کی بات ہے جو اسلام سے صرف ۵۷۰/ سال پہلے کا ہے، یہودیت، بدھ ازم اور ہندومت جو عیسائیت سے ہزاروں سال قبل کے ہیں، جدید سائنسی وعلمی دور میں ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں ٹھہر سکے، یہ مذہب قرآن کے الفاظ میں اساطیر الاولین یعنی پچھلی من گھڑت کہانیوں کا پلندہ ہیں، قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک باشعور شخص محسوس کرتا ہے کہ وہ کوئی

کتاب نہیں بلکہ اپنی فطرت پڑھ رہا ہے اسے قرآن فطرت کی آواز یا پکار محسوس ہوتی ہے، اسلئے اس کا انکار نہ صرف اپنی فطرت یعنی خود اپنی نفی کرتا ہے، کون ہے جو خود اپنی نفی کا متحمل ہوسکے، جدید علوم کی روشنی میں آج اسلام ہر شخص کیلئے ایسا ہی قابل قبول ہے جیسے پیاسے کیلئے پانی۔

ہر کچے پکے گھر میں اسلام کے داخلے کی پیشین گوئی کا وقت آپہچا ہے:

رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی ہے **لایبقی علی ظھر الارض بیت مدرٍ ولا وبرٍ الا ادخل اللہ کلمۃ الاسلام** (مشکوٰۃ شریف) روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھر ایسا نہیں بچے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کر دیگا، کچھ عرصہ پہلے تک جدید ترین الیکٹرونک میڈیا کے باوجود کمیونسٹ بلاک (عظیم سویت یونین) میں اسلام کا پیغام پہونچنا بظاہر ناممکن نظر آرہا تھا مگر سویت امپائر کے انہدام کے بعد لگتا ہے وہاں کی سرزمین اسلام کی کہیں زیادہ پیاسی ہے، چنانچہ برطانیہ کے اخبار ڈیلی ٹائمس نے ۱۲/مارچ ۱۹۹۰ء روس کے بارے میں ایک بالتصویر رپورٹ چھاپی تھی جس کا نہایت بامعنیٰ عنوان یہ رکھا (KARLMARX MAKES ROOM FOR MOHMMED) کارمارس محمد ﷺ کیلئے جگہ خالی کرتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے آج کا انسان سیاسی مذہب کے بجائے روحانی مذہب کا متلاشی ہے، جس سے سکونِ قلب میسر آئے عصر حاضر کی نئی نسل خواہ وہ عیسائی بدھسٹ ہندو ہو خوب جانتی ہے کہ چرچ اور مندروں کے اسٹیچو (مورتیاں) خدا نہیں ہے خدا وہ ہے جو نہ گرے نہ ٹوٹے، دنیا میں بے شمار افراد کے آذان کے الفاظ کا ترجمہ معلوم کرکے یا نماز پڑھنے کا عملی منظر دکھ کر یا قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ پڑھ کر مسلمان ہورہے ہیں، یورپ کے مشہور ادیب واسکالر جورج برناڈ شاہ نے بہت پہلے پیشین گوئی کردی تھی کہ اسلام عقل اور فطرت انسانی کے عین مطابق واحد قائم شدہ مذہب ہے اس کی تعلیمات سے کوئی ذہین تعلیم یافتہ شخص انکار نہیں کرسکتا، جدید تعلیم یافتہ ذہن کیلئے اسلام قبول کرنے میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں کہ اگر وہ اسلام کو لیتا ہے تو عقل وسائنس کو چھوڑنا پڑے جورج برناڈ شاہ نے تقریباً ایک صدی پہلے کہہ دیا تھا کہ جلد اسلام عظیم سیلاب بن کر تیزی کے ساتھ یورپ کی انسانی آبادیوں میں داخل ہوگا اور مغرب کیلئے مستقل کا مذہب اسلام ہی ہوگا اسی طرح افریقہ میں، عیسائی مشنریوں کی کوششیں پوری طرح پھیل چکی ہیں، لیکن وہاں اسلام تیزی سے اپنی جگہ بنا رہا ہے، ابھی چندسال پہلے عالمی عیسائی مشنریوں نے ایک چھوٹے سے پسماندہ افریقی ملک لیبریا (LIBERYA) کی راجدھانی منورویا (MONROVIYA) میں ایک عالمی مشنری نے وہاں کے دس لاکھ مسلمانوں کو کریچن بنانے کیلئے پانچ ہزار افراد کو اس قدر تیار کیا کہ وہ وہاں کی آدھا درجن قبائلی زبانیں بھی روانی سے بولتے تھے انہیں خاموشی سے مسلم قبائل کے درمیان بسادیا گیا، وہاں کے علماء نے سمجھداری سے کام لیا انہیں مذاہب کانفرنسوں اور علمی مباحثوں کے ذریعہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرایا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ پانچ ہزار عیسائیت کے داعی ومبلغین مسلمان ہوکر اسلام کے مبلغ بن گئے۔

جدید علمی وسائنسی دور کا مذہب:

قرآن انسانیت کے نام خالق کائنات کا آخری پیغام ہے جس طرح خالق ہر ہر اعتبار سے مخلوق پر حاوی اور غالب ہے اسی طرح اس کا کلام اور پیغام بھی، البتہ ہر ہر دور کے انسانوں کی

ذہنی سطح اور علوم وفنون کے مطابق اس کے معجزات ظاہر ہوتے رہیں گے جب فصاحت وبلاغت الفاظ کے دقائق سمجھنے کا دور تھا قرآن کے کلام کی فصاحت وبلاغت اور الفاظ کی تاثیر کا معجزہ ظاہر ہوا، بائبل میں پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جو پیشین گوئیاں ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ قوموں کو تسخیر کرنے کیلئے آپ ﷺ کے منہ سے ایک تلوار نکلتی ہے (یوحنا عارف کا مکاشفہ ۱۵/۹۰۰) یعنی تاثیر والا کلام جس کی تاثیر نے آپ کی حیات مبارکہ ہی میں جزیرۃ العرب کو تہ وبالا کر دیا تھا، موجودہ دور طبعیات وسائنس کے علوم سے انفس وآفاق کی ہر ہر چیز کے متعلق تفصیلی کھوج وتحقیق کا دور ہے تو دنیا حیران ہے کہ جو نئی تحقیق اور ریسرچ سامنے آتی ہے وہ قرآن میں موجود پاتی ہے۔

دعوت آخری دور کا سب سے مؤثر اسلحہ:

پتھر کے دور سے لیکر آج الیکٹرونک اسلحہ کے دور تک ہر دور میں اسلحہ کی نوعیت بدلتی رہی، اسی طرح آنے والے دور کا اسلحہ دعوت اور میڈیا ہے، ماضی قریب میں رشیا کو شکست امریکی اسلحے نے نہیں بلکہ امریکی میڈیا نے دی تھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا غلبہ اور فتوحات اسی راہ سے ہوگی مسلم شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے حضور ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی قیامت کے قریب ایک شہر جس کا ایک رخ خشکی کیطرف ہوگا دوسرا سمندر کیطرف دونوں طرف کی شہر پناہ (دیواریں) مسلمان لشکر کے لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر کے نعرے سے گر جائیں گی اس روایت میں حضور ﷺ نے غزوہ کا لفظ استعمال فرمایا اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آخری دور کا سب سے بڑا اسلحہ دعوت ہوگی، اور یہ دعوت مسلمانوں کے عالمی غلبہ وکامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگی ، بالفاظ دیگر آخری دور میں اسلحہ کے بغیر اسلام کی فکری ونظریاتی اور دعوتی طاقت قوموں کو مسخر کرنے والی ہوگی۔

مغرب میں دعوت کے خلاف عالمی طاقتوں کا خفیہ منصوبہ:

موجودہ دور میں قدرت کے مخفی ہاتھ نے لاکھوں کروڑوں مسلمانون کو مغرب (امریکہ یورپ) میں پہونچا دیا ہے شاید ان سے کوئی کام لینا منظور ہے ایسے دور میں جب انسانی مسائل کے حل میں سارے نظریات ومذاہب ناکام ہو چکے ہیں ، اور عصر حاضر کے انسان کو اپنی روح کی پیاس بجھانے کیلئے ایک نظریۂ حیات کی اشد ضرورت ہے، شاید فطرت کی یہ ضرورت پوری کرنے کیلئے یہ اللہ کا انتظام ہے ہم نے یہاں (مغرب) پہونچ کر سینکڑوں ہزاروں مساجد ومکاتب اور درجنوں دار العلوم قائم کئے مگر ایسا چھوٹا سا سینٹر نہیں بنا سکے جہاں نومسلموں کو سال دو سال رکھ کر انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کروا کر انکے اپنے معاشرے میں داعی بنا کر بھیجیں ہماری اس غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ گزشتہ تیس چالیس سالوں میں مغرب میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے خواہ وہ اپنی ذاتی جستجو سے مسلمان ہوئے ہوں خواہ یا کسی نے مسلمان کیا، آج وہ سب کے سب شیخ ناظم ترکی کے پاس پہونچ چکے ہیں جس کا کام تصوف کا نام لیکر امت میں تفرقہ پیدا کرنا اور ان نومسلموں کو معطل بنانا ہے تاکہ وہ دعوت کا کام نہ کر سکیں اس شخص (شیخ ناظم) کے نزدیک امام حرم، عرب علماء، علمائے دیوبند، تبلیغی جماعت، سلفی حضرات سبھی باطل وگمراہ ہیں (غالی قبر پرست بدعتیوں کے سوا) بندہ کی تحقیق کے مطابق یہ شخص عالمی صیہونی طاقتوں کا گماشتہ ہے، اس کا آقاء وشیخ مراکش میں صیہونیوں کا ایجنٹ ہے، اور اس شخص کو امریکی ایماء پر عرب حکمراں کروڑوں اربوں روپئے دے رہے ہیں۔

دینی جامعات اور عصری تقاضے:

آج ہماری سب سے بڑی ضرورت اقوام عالم کیلئے داعی تیار کرنا ہے، اس کام کیلئے نظر بار بار ہمارے دینی اداروں (دارالعلوم اور جامعات) کیطرف جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر اور جنوبی ایشیاء کے ممالک میں ان دینی مدارس کا نہایت اہم رول رہا ہے، آج ان ممالک میں جو دین اور علم دین کے چرچے ہیں، سب انہیں کی برکتیں ہیں یہ بلاشبہ دین کے قلعے ہیں، لیکن وقت کے علوم وضروریات کے ساتھ ساتھ ان دینی قلعوں میں بھی آج کی عصری ضرورتوں کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے، آج مضبوط و مستحکم قلعے بھی آثار قدیمہ کے میوزیم بن کر رہ گئے ہیں، اسی طرح ہمارے دینی مدارس میں تقویٰ وتوکل کی صفات اور عصری تقاضوں کا شعور نہ رہے تو اندیشہ ہے کہ یہ بھی آثار قدیمہ بن کر نہ رہ جائیں گذشتہ دنوں بندہ کا یورپ کے ایک چھوٹے سے ملک میں جانا ہوا جس کی آبادی چند لاکھ نفوس پر مشتمل ہے وہاں کی کرسچن مشنری میں دیکھا کہ وہاں بنگالیوں سے اچھی بنگالی پنجابیوں سے اچھی پنجابی اور ہم سے اچھی اردو عربی بولنے والے موجود ہیں جبکہ عیسائیت ایک غیر دعوتی مذہب ہے، بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ مشہور ہے، کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے بھیجا گیا، جبکہ اسلام ایک دعوتی دین ہے گذشتہ ڈیڑھ صدی میں ہمارے جامعات نے کتنے ایسے داعی تیار کئے جو اسپینش، جرمنی، فرانسیسی یا-رشین زبانوں میں دعوت دے سکیں، گذشتہ ڈیڑھ صدی میں برصغیر میں دین کا بنیادی کام انہی دینی مدارس نے انجام دیا، ان اداروں سے کماحقہٗ فائدہ اسی وقت تک ہوا جب تک وہ اصل بنیاد تقویٰ وتوکل پر قائم رہے، یاد رکھئے! ہماری بنیاد تقویٰ وتوکل، اور کفر کی بنیاد ملک ومال ہے، اور بنیاد مثل زمین کے ہوتی ہے، اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین پر اپنی عمارت تعمیر کرلے تو صاحب زمین جب چاہے کہہ سکتا ہے اپنی عمارت اٹھا کر لے جاؤ میری زمین خالی کرو، تقویٰ وتوکل کے بجائے مال کی بنیاد پر بننے والے عظیم الشان جامعات گویا دوسروں کی زمین پر کھڑے ہیں، ایسے ادارے باطل کی ایک آندھی کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے، جیسے وسط ایشیاء کے ممالک میں ہوا سمرقند، بخاریٰ، تاشقند وغیرہ میں سینکڑوں عظیم الشان دینی جامعات تھے کمیونزم کی ایک آندھی چلی اور سب جامعات زمین بوس ہوگئے، روحانی صفات تقویٰ وتوکل سے عاری فارغ ہونے والے مولوی صاحبان کی فوج ظفر موج باطل کے ایک جھونکے کی تاب نہیں لاسکے گی، وسط ایشیاء میں علماء اور عوام کا جوڑ ختم ہوگیا تو وہ عوام جو علماء کے ہاتھ چومتے تھے خود انہون نے ان علماء کی گردنیں کاٹیں۔

ہمارے دینی جامعات ومدارس کی افراد سازی میں ناکامی:

تقریباً ایک صدی پہلے مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا تھا کہ ہمارے مدارس اور خانقاہ بانجھ ہوتے جارہے ہیں، غور کریں تو ہمارے زکوٰۃ وصدقات کا بڑا حصہ دینی مدارس اور دارالعلوموں پر خرچ ہورہا ہے، مگر ان سے زیادہ تر معمولی صلاحیت کے لوگ مل رہے ہیں، رسمی امام وخطیب یا مکتبی مولوی ان بیچاروں کی اکثریت عربی تو درکنار صحیح اردو لکھنے پڑھنے سے بھی عاری ہے پھر یہ حضرات جو لکھتے بولتے ہیں درسی زبان میں ہوتا ہے جو عام لوگوں کے سروں کے اوپر سے گزرجاتی ہے، برطانیہ میں پہلے ہم سوچتے تھے یہاں کوئی بڑا دارالعلوم ہونا چاہئے تاکہ یہاں کے ضروریات وتقاضوں کو پورا کرنے کیلئے افراد کار میسر آسکیں اب درجنوں دارالعلوم قائم ہوگئے لیکن ہماری

ضرورتیں جوں کی توں ہیں، اگر ان جامعات کا حاصل مکتب میں پڑھنے والے مولوی صاحبان اور مساجد کے امام ہی ہے تو مکتبی مولوی اور مسجد میں نماز پڑھانے والے امام ان دار العلوموں سے پہلے بھی میسر تھے۔

دینی مدارس کے طلباء کو صرف علم دینا کافی نہیں بلکہ دعوت کا جذبہ اور فکر آخرت پیدا کرنا بھی ضروری ہے:

اگر کوئی شخص طالب علم بن کر ہمارے پاس آتا ہے تو ضروری ہے کہ اس کی نسبت اور ارادہ دین کے کام کرنے کا ہو کہ مجھے اب زندگی میں صرف دین کا کام کرنا ہے، اور اہل مدارس کو بھی چاہئے کہ جن طلباء کے بارے میں اندازہ ہو کہ ان میں نہ دین پھیلانے کا جذبہ ہے نہ دین پر چلنے کا شوق، تو انہیں ضروریات دین کا علم دیکر دوسال میں فارغ کریں، ملت کا پیسہ ان پر ضائع نہ کریں، موٹی سی بات ہے اگر کسی شخص کو محض اپنی ذاتی قابلیت پیدا کرنے یا اپنے معاش کیلئے علم و ہنر سیکھنا ہے تو اسے اپنے ذاتی اخراجات سے سیکھنا چاہئے، جیسے دنیا میں ہر شخص کار چلانا، کمپیوٹر کا استعمال، ہندی انگریزی زبان اپنے اخراجات سے سیکھتا ہے، ملت کی زکوٰۃ صدقات کی امانت ایسوں پر پر کیوں ضائع کی جائے، ہمارے دینی مدارس کے اخراجات کا خاصا بڑا حصہ ایسے لوگوں پر ضائع ہو رہا ہے جو دین پھیلانے کا جذبہ نہیں رکھتے، دعوتی اسپرٹ کے بغیر طالب علم کو علم دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کاغذوں میں علم جمع کردے یا آڈیو، ویڈیو کیسٹ میں بھر دے، حضرات انبیاء علیہم السلام دعوت کے ذریعہ انسانوں کے دلوں کا رخ دنیا سے آخرت کیطرف اور خواہشات سے رضاء الٰہی کیطرف موڑ دیتے تھے پھر انسان کی ساری زندگی آخرت بنانے کی فکر اور رضاء الٰہی کی طلب میں گزرتی تھی، ہم مدارس کے ذریعہ کسی درجہ میں علوم تو دے رہے ہیں مگر ان کے دلوں میں فکر آخرت اور اللہ کا تعلق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں، جب دلوں میں دنیا بسی ہو تو انسان کی ساری علمی صلاحیتیں بھی اپنی دنیا بنانے پر صرف ہوتی ہیں، ادھر چند سالوں میں ہمارے دینی و تعلیمی جامعات میں تخصص کے شعبہ جات قائم کرنے کا ذوق اور رجحان بڑھ رہا ہے، یہ بہت اچھی چیز ہے، کہ زمانہ کسی فن میں تخصص ہی کا ہے ہر علم وفن ایک وسیع سمندر ہے انسان کسی ایک شعبۂ علم میں بھی بصیرت و رسوخ پیدا کرلے تو بڑی بات ہے، مگر یہاں بھی اصل خرابی یہی ہے کہ صلاحیت پیدا کرنے کے ساتھ دلوں کا رخ آخرت کیطرف کرنے پر توجہ نہیں اگر ہم بنظر غائر دیکھیں کہ گذشتہ پچیس تیس برسوں میں دیوبند سے کیرالہ تک جن طلباء نے دینی علوم وفنون میں تخصص کیا مثلاً قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، ادب، معاشیات، انگریزی زبان، عربی زبان، کمپیوٹر کا استعمال وغیرہ وغیرہ ان میں کتنے فیصد طلباء انسانوں کو خدا کی طرف بلانے یا ان تک دین پہونچانے میں مصروف ہیں؟ آج ان کی بھاری اکثریت ریڈیو اسٹیشنوں، اخبارات، چینلوں، میں کام کرنے ترجمہ کرنے کمپیوزنگ کرنے یا پروگرام ترتیب دینے میں مشغول ہے یا کسی عرب سفارت خانہ میں ملازمت یا ملٹی نیشنل کمپنیوں میں خدمات انجام دیتی نظر آتی ہے کیا ملت کے لاکھوں کروڑوں روپئے اسلئے صرف کئے گئے تھے کہ چند علماء کے معاشی حالات اور معاشی زندگی معیاری ہو جائے؟

قرآن وسیرت کے بجائے فقہ میں زیادہ اشتغال کے نقصانات:

صدیوں سے برصغیر کے علماء کرام کا زیادہ تر اشتغال فقہ میں رہا کیوں کہ مسلم دور حکومت میں قاضی محتسب اوقاف ووصایا کے متولی ونگراں عہدے، مناصب اور روزی فقہ سے

وابستہ تھیں اس کے برخلاف قرآن وسیرت نبوی پر توجہ بہت کم رہی برصغیر کے آٹھ سو سالہ مسلم حکمرانی کے دور میں شاید سیرت پر کوئی جامع کتاب نہیں لکھی گئی نہ نصاب تعلیم میں سیرت اور قرآن پر کوئی توجہ تھی (الحمد للہ بیسویں صدی میں علماء ہند نے سیرت پر اعلیٰ درجے کا علمی وتحقیقی کام کرکے تلافی کردی جیسے علامہ شبلی نعمانیؒ سید سلیمان ندوی قاضی سلمان منصوری پوری، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہ وغیرہ) اس (فقہ) کی جھلک برصغیر کے نصاب ونظام تعلیم میں بھی دیکھی جاسکتی ہے، نو دس سالہ نصاب تعلیم میں اصل توجہ فقہ پر ہی رہتی ہے ،آخری سالوں میں قرآن اور احادیث کو اپنے اپنے فقہی مسلک کے سانچے میں ڈھالکر پڑھادیا جاتا ہے، جبکہ اصل کسوٹی قرآن وسنت ہونی چاہئے نہ کہ متاخرین کے فقہی اجتہادات وفتاویٰ، اس ترتیب وذوق کا بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہمارے یہاں ہر دور میں فقہ القرآن اور فقہ الحدیث کا ملکہ رکھنے والے افراد کمیاب بلکہ نایاب رہے، فقہ دور عباسی میں مرتب ہوا جو ہماری قوت وطاقت اور دنیا بھر پر حکمرانی کا دور ہے دور عباسی کے بعد بھی ہم صدیوں تک دنیا بھر میں غالب وحکمران ملت اور سُپر پاور امت کے طور پر تھے اسلئے ہمارے فقہی ذخیرہ میں قوت وطاقت اور حکمرانی کے دور کیلئے لائحۂ عمل پوری تفصیل کے ساتھ ملے گا لیکن بے بسی اور کمزوری کے دور کا جب ایک تہائی مسلمان اقلیت میں دوسروں کے رحم کرم پر ہوں اور باقی مسلم حکومتیں بھی دنیا کی باطل ودجالی طاقتوں کے سامنے مجبور محض ہوں ایسے دور کیلئے لائحۂ عمل اور مکمل رہنمائی جسے ہم فقہ الاقلیات یا بے بسی کے دور کا لائحۂ عمل کہہ سکتے ہیں ہمارے فقہی ذخیرہ میں بہت کم ملے گا، کیوں کہ جس دور میں فقہ مرتب ہوا اس کے بعد صدیوں تک فقہائے کرام اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے کہ کبھی دنیا میں ایسا دور بھی آسکتا ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان کفر کے سامنے ایسے بے بس ولاچار مجبور ومظلوم بن کر زندگی بسر کررہے ہوں، اس کمزوری اور ضعف کے دور کیلئے زندگی کے ہر شعبہ کا مکمل اور تفصیلی لائحہ عمل قرآن اور سیرت میں ملے گا، آنحضرت ﷺ کی تقریباً پوری زندگی اور نزول قرآن کا سارا دور مسلمانوں کی بے بسی اور کمزوری کا دور تھا، صلح حدیبیہ کی شرائط پر ایک نظر ڈالنے سے آٹھ ہجری تک کی صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے، اس صلح نامہ میں ہمارے عصر حاضر کے مسائل ومشکلات میں بہت کچھ رہنمائی اور بصیرت ہے، اگرچہ فتح مکہ پورے جزیرۃ العرب کی فتح کے ہم معنیٰ تھی مگر اطراف کی قوتوں، پرشین امپائر اور رومن امپائر کے عزائم کو سامنے رکھا جائے اور غزوہ تبوک اور جیش اسامہ کا پس منظر سامنے ہو تو سمجھا جاسکتا ہے کہ بالکل آخری دور تک دشمنان اسلام کی طاقت وقوت کا دور ہے، مسلمانوں کو حقیقی اور صحیح معنیٰ میں قوت دور فاروقی میں حاصل ہوئی، اسلئے پورا قرآن اور پوری سیرت گویا ہمارے آج کے دور کیلئے تفصیلی اور مکمل رہنمائی اور ہر ہر شعبۂ زندگی کیلئے لائحۂ عمل ہے، مگر ہم ہیں کہ فقہ میں اشتغال کے ذریعہ اپنے غلبہ وقوت دنیا بھر پر حکمرانی کا دور سامنے رکھے ہوئے ہیں، اسلئے عصری مسائل میں اپنے لئے نہ کوئی راہِ عمل متعین کرپارہے ہیں نہ اپنے مسائل کا حل نکال پارہے ہیں، آج کے دور میں ہمیں فقہ کے متعدد ابواب جیسے کتاب الرقاق، کتاب الغنیمۃ بے جوڑ اور ناممکن نظر آتے ہیں، بندہ کے نزدیک اپنے غلبہ کے دور میں مرتب ہونے والے فقہ پر ساری توجہ دینے کیوجہ سے نہ ہم آج کا دور سمجھ پارہے ہیں نہ موجودہ حالات میں اسلام کے غلبہ کی راہیں تلاش کرپارہے ہیں، لگتا ہے گویا ہم پر سارے دروازے بند ہیں، مجبوری اور معذوری میں زندگی بسر کرنا ہی ہمارا

مقدر ہے یہ ساری مصیبت فقہ القرآن اور فقہ السیر ت سے ناواقفیت اور غفلت کی وجہ سے ہے ورنہ سیرت پاک اور قرآن حکیم آج کے دور کی رہنمائی سے بھرا پڑا ہے۔

برصغیر کے دینی مدارس کا اصل امتیاز:

برصغیر میں دیوبند جیسے دینی مدارس کی اصل کامیابی وطاقت جس کا لوگوں کے دلون پر سکہ جما ہوا ہے، وہ تصنیف وتالیف ریسرچ وتحقیق اور دوسرے علمی کارناموں کا نہیں ہے، ان میں دوسرے ادارے مثلاً جامعہ از ہر بہت آگے ہے، جہاں ہر طالب علم کو پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنا لازم ہے بلکہ اعظم گڑھ کا معمولی سا چند کمروں پر مشتمل ادارہ دارالمصنفین بھی شاید تصنیفی وتحقیقی کا م میں آگے ہے ہمارے دینی مدارس کا اصل امتیاز وخصوصیت تقویٰ وتوکل، تعلق مع اللہ، اتباع سنت، زہدوقناعت والی زندگی ملت کا درد وغم دین کی خاطر مرمٹنے اور جانفروشی کے جذبات ہیں اگر یہ صفات نہ رہے تو دیوبند جیسے مدارس کے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا، موجودہ دور کا سب سے تشویشناک پہلو یہی ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد کئی پشتوں (تقریباً ڈیڑھ سوسالہ) دینی تعلیمی اصلاحی جدوجہد کے برگ وبار آنے کا وقت آیا تو تقویٰ وتوکل کی جگہ عالی شان عمارتوں اور مال کی ریس نے دینی اداروں کو کھوکھلا اور بے روح بنادیا، خاص طور سے گذشتہ تیس چالیس سال سے ساری توجہ ظاہری شان وشوکت والی عمارتوں نے کھینچ لی، علم اور مجاہدے کا دور ختم ہوگیا ایمانی صفات میں ضعف آگیا اور افراد سازی سے توجہ ہٹ گئی ہماری صفوں میں بہت سی کالی بھیڑیں داخل ہوگئی دینی مدارس کی عمارات جتنی بلند وبالا اور خوبصورت بنتی گئی ظاہری سجاوٹ کے ساتھ دلوں کی باطنی دنیا اجڑ تی گئی تعلق مع اللہ تقویٰ وتوکل زہدوقناعت سادگی اور جفاکشی کم ہوتی گئی بلاشبہ بہت سے دینی مدارس میں کسی درجہ میں یہ صفات باقی ہیں اور کسی نہ کسی درجہ میں افراد کار بھی وہاں ہی تیار ہورہے ہیں اکیسویں صدی داخل ہونے تک ہمارے تعلیمی ادارے ظاہراًتو بہت بارونق اور عالیشان ہوگئے مگر علمی وروحانی اخلاقی عملی طور پر بھیانک تباہی آگئی آخرت کی طلب دنیا سے بے رغبتی دین پر مرمٹنے کا جذبہ عوام تک دین پہونچانے کی تڑپ وکڑھن اور نبیوں کیطرح بے طلب لوگوں میں دین پہونچانے کیلئے مارے مارے پھرنا ماضی کی داستان بن گیا اب دینی ادارے دکان اور فیکٹریوں کی طرح چلائے جانے لگے، یہ مدارس ذاتی خاندانی اور موروثی جائیداد بن گئے جس کی وجہ سے موروثیت کی تمام خرابیاں اور فساددرآیا، آج کل دین کے نام پر ہم مولویوں کی ساری جدوجہد کا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں پیسے دو ہم اپنا ایک الگ ادارہ قائم کریں گے، ہم میں ہر شخص کے پاس کروڑوں اربوں کے منصوبے اقوام عالم تک ایمان واسلام پہونچانے یا ملت اسلامیہ کی تربیت وافراد سازی کے نہیں محض عالیشان عمارت بنانے کے ہیں دین کے نام پر ہروقت مانگنے والا پیشہ ور طبقہ پیدا ہوگیا ہے، بقول مولانا زاہدالرشدی کے آج ہمارے بہت سے مولوی صاحبان کا بایوڈیٹا تعارف وشناخت یہ ہے ہروقت مانگنا ہر ایک سے مانگنا اور ہر چیز مانگنا۔ کسی معاشرہ میں مانگنے والے کا جو مقام وحیثیت ہوتی ہے وہی ہماری بنتی جارہی ہے اگر اب بھی ہم نے سنجیدگی سے اس مسئلہ کو نہ لیا تو عالم بننا اعزاز کے بجائے ذلت کا لیبل بن جائے گا اور شاید سمرقند وبخاریٰ کی تاریخ یہاں بھی دہرادی جائے۔

دینی مدارس کی موجودہ صورت حال کا ایک جائزہ:

اگرچہ ہر مدرسہ کے ذمہ دار زبان سے یہی کہتے ہیں

کہ ہمارے ادارے سے فارغ ہونے والے دنیا میں دین پھیلائیں گے،سوال یہ ہے کیسے پھیلائیں گے جبکہ آپ نے نہ دعوت کی ترتیبت دی نہ داعی کا مزاج بنایا نہ آخرت کی فکر پیدا کی نہ روحانی وباطنی اوصاف سے آراستہ کیا بلکہ وہ بھی اوروں کے دیکھا دیکھی دین کے نام پر اپنی ذاتی جائیدادیں بنائیں گے آج صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ ہر مولوی جو چرب زبانی سے اہل مال کی جیب سے مال نکلوانے کا فن جانتا ہے ،وہ رئیس الجامعہ یا حضرت مہتمم صاحب سے کم پر راضی نہیں وہ خوب جانتا ہے کہ مہتمم بنتے ہی میری اولاد داماد وں اور دیگر رشتہ داروں کی روزی کا مسئلہ مستقل حل ہوجائے گا، حضرت مہتمم صاحب سے کون پوچھ سکتا ہے کہ آپ نے خود کی اور اولاد کی تنخواہ کس معیار پر مقرر کی، اسلئے وہ کسی قدیم بنے بنائے ادار میں خدمات انجام دینے کے بجائے اپنا جامعہ ضروری سمجھتا ہے، اگر مہتمم کا کوئی علمی اخلاقی ورحانی معیار مقرر کر کے امتحان لیا جائے تو شاید نوے فیصد مہتمم صاحبان فیل ہوجائیں گے، بندہ نے یہاں انگلینڈ میں اپنی آنکھوں سے بار ہا دیکھا کہ اپنا جامعہ قائم کرنے کی خاطر مولوی صاحبان ہر قسم کی عصبیت جاہلیت ،علاقائی ،ضلعی گروہی، لسانی، برادری وقومی حتیٰ کہ ایک ہی ضلع کے لوگوں میں شہر سے آنے والے اور دیہات سے آنے والے اور براہ راست انڈیا سے آنے والے اور افریقی ملکوں میں جاکر آنے والوں میں عصبیت بھڑکائی تا کہ میرے ضلع ،گاؤں برادری کا پیسہ باہر نہ جائے کیا ایسے دارالعلوموں سے للٰہیت اور مجاہدے کے ساتھ دین کا کام کرنے والا طبقہ پیدا ہوگا؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے خود احتسابی کا عمل بالکل ترک کر دیا ہے ہم میں کوئی کسی منکر پر نکیر کرنے کیلئے تیار نہیں کہ میری مقبولیت اور تعلقات میں فرق نہ پڑے مجھے سبھی اچھا سمجھتے رہیں ،ہمارے بعض بزرگ جو اہل مدارس کے نزدیک نہایت محترم سمجھے جاتے ہیں وہ بھی نجی مجالس میں ان خرابیوں کا تذکرہ کر لیتے ہیں مگر براہ راست ان ذمہ داروں کو ٹوکنے کیلئے تیار نہیں جامعہ کے معنیٰ یونیورسٹی کے ہیں جو ضلع میں ایک آدھ ہی ہوتی ہے،مگر یہاں دو میل کے فاصلے پر اور ایک ہی بستی میں متعدد جامعات بن رہے ہیں، جامعہ کہاں کس جگہ کس سائز کا بنے آج یہ سب ایک فرد کی مرضی پر موقوف ہے جسے حضرت مہتمم صاحب بننا ہے، ابھی اکتوبر ۲۰۱۱ء کے آخیر میں استنبول (ترکی) میں حجۃ الاسلام الامام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر منعقد ہونے والی انٹرنیشنل کانفرنس میں بندہ سے ایک رئیس الجامعہ صاحب فرمانے لگے مولانا آپ ہم سے بہت خفا لگتے ہیں اور سخت الفاظ میں ٹوکتے اور لکھتے ہیں، مثبت کام کیجئے بندہ نے عرض کیا آپ تمام حضرات تو ماشاء اللہ مثبت کام کر ہی رہے ہیں لاکھوں مولوی مثبت کام میں لگے ہوئے ہیں کیا اتنا سارا مثبت کام کافی نہیں ہے؟ آج ہم نے مداہنت کو مثبت کام سمجھ لیا ہے یہ دکانوں کے انداز پر قائم ہونے والے شخصی جامعات نا اہل مولویوں کا ڈھیر لگاتے جارہے ہیں جس کی وجہ سے علم اور علماء دونوں کا وقار اور عظمت مٹی میں مل رہا ہے، جیسے کسی شہر میں پچاس ڈاکٹروں کی ضرورت ہو آپ وہاں پانچ سو ڈاکٹر پیدا کردیں تو ڈاکٹروں کی نہ صرف قدر و قیمت ختم ہوجائے گی بلکہ ڈاکٹر صاحبان ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ کر اپنے پورے طبقہ کی ذلت کا سبب بنیں گے، یہی ہم مولویوں کی صورتحال ہے۔ یادر کھئے! تعلیم وتعلم یا دین سکھانے کے دو مرتبے ہیں ایک فرض عین دوسرا فرض کفایہ فرض عین یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اس کی ضروریات کا علم دینا، اور فرض کفایہ یہ ہے کہ کچھ افراد کو پورے دین کا تفصیلی علم

دلائل کے ساتھ دینا آج ہماری ساری توجہ فرض عین کے بجائے فرض کفایہ پر ہے، کیوں کہ فرض عین میں نبیوں کی طرح جان کھپانی پڑتی ہے، اور لوگوں میں مارے مارے پھرنا پڑتا ہے، اس کے برعکس فرض کفایہ میں لگنے سے ہم حضرت مہتمم صاحب اور حضرت رئیس الجامعہ بن کر اپنے حلقوں اور بستیوں کی اہم شخصیت بن سکتے ہیں، جسے بندہ اسلامی وڈیرے وجاگیر دار کہتا ہے، دعوت کی مثال بادل کی سی ہے کہ بادل ہر جگہ خود جا کر بے طلب لوگوں پر برس کر بنجر زمینوں کو سیراب وشاداب بنادیتا ہے اور دینی اداروں کی مثال کنویں کی سی ہے جسے طلب وضرورت ہو ہمارے پاس آئے، حضرات انبیاء علیہم السلام بادل بن کر رہتے تھے نہ کہ کنواں بن کر، حضرت مولانا سعید احمد خان مکی فرمایا کرتے تھے، کُن عالماً ولاتکن مولویاً، اگر بھارت کے پندرہ کروڑ مسلمانوں کو آپ مولوی قاری حافظ مفتی بنادیں تو کیا آپ کے سارے مسائل حل ہوجائیں گے؟ کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، سارے تعلیمی، سیاسی معاشرتی اقتصادی تہذیبی وفکری مسائل اپنی جگہ پر رہیں گے، بلاشبہ دین کیلئے دارالعلوم اور جامعات ضروری ہیں مگر یہ ضروری نہیں کہ سارے مولوی صاحبان ملت کے تمام اجتماعی مسائل سے آنکھیں بند کر کے ایک ہی کام کرتے رہیں۔

علماء کرام کی عوام سے لاتعلقی خطرے کی گھنٹی:

آج سب سے تشویشناک اور فکر انگیز مسئلہ یہ ہے اگر چہ دینی اداروں کی بہتات ہے مگر علماء اور عوام کا جوڑ وتعلق ختم ہوتا جارہا ہے، آج برصغیر کے تینوں ملکوں میں جو دینی پروگرام ہوتے ہیں ان میں زیادہ تر علماء کرام اور طلباء مدارس ہوتے ہیں، عام مسلمانوں میں سے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں، ہمارے کاشتکار، ہمارے تاجر، ہمارا ملازمت پیشہ طبقہ، ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ اور ملت اسلامیہ کے دیگر طبقات کے لوگوں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے، کیا دین واسلام ان کا مسئلہ نہیں ہے یا انھیں دینی رہنمائی کی ضرورت نہیں، یہ صورتحال خطرے کی گھنٹی ہے، باطل طاقتیں ایسے ہی مواقع سے فائدہ اٹھا کر مسلم عوام کو ورغلا کر علماء کے خلاف استعمال کرتی رہی ہیں، اگر علماء کرام کا اپنے عوام سے مضبوط تعلق قائم رہے تو باطل کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہوسکتی، ماضی میں سمرقند، تاشقند اور بخاری کی تباہی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ علماء کرام اپنے عوام سے بے تعلق اور بے نیاز ہوگئے تھے، اس سے فائدہ اٹھا کر کمیونسٹوں نے مسلم عوام کو بھڑکا کر انہیں کے ہاتھوں علماء کرام، مدارس ودینی شعار کا خاتمہ کروایا، آج بھی باطل طاقتوں کی پوری کوشش ہے کہ مسلم عوام کو علماء کرام سے دور کیا جائے۔

ہمارے اکابرین اپنے گاؤں ضلع علاقہ میں عوام سے گہرا تعلق رکھتے تھے جیسے مظاہر علوم وقف کے حضرت مفتی مظفر حسینؒ صبح دو تین گھنٹے حدیث کا درس دیتے اور ظہر کے بعد اکثر اطراف کے کسی گاؤں یا دیہات میں جا کر لوگوں سے ملتے دین کی باتیں بتاتے، موسم خواہ کتنا ہی سخت ہو، سخت گرمی ہو یا سردی ہو بارش ہو، آخری عمر میں لوگ عرض کرتے حضرت آپ کی صحت کا تقاضہ ہے آرام کیجئے ان گاؤں والوں کو یہیں بلوا لیتے ہیں، تو فرماتے وہاں سے دو چار آدمی آئیں گے، لیکن جب میں وہاں جاؤں گا تو پورا گاؤں مجھ سے ملے گا، دین کی باتیں مجھ سے سنے گا، اسی طرح حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ اور دیگر اکابرین عام مسلمانوں سے وابستہ رہتے تھے جبکہ آج ہم عوام سے کٹتے جارہے ہیں، اس مسئلہ پر ہمیں سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

❁ ❁ ❁

فساد معاشرہ کے اسباب

● مولانا انور جمال قاسمی مظفر پوری

(آخری قسط)

یہودیوں کو فلسطین میں از سر نو آزاد خود مختار سکونت حاصل ہوئی، عظمت رفتہ وشوکت مفقود کے باز یافت کا موقع ملا، افراد وقوم میں تیزی سے اضافے ہوئے اور مادی طاقتوں کے خزانے زمین سے ابل پڑے، دولت وثروت ان کے قدم چومنے لگی اوران کی مردہ قومی زندگی میں نئی روح بہار آ گئی، عقائدواخلاق، تہذیب ومعاشرہ کی بہ اطمینان اصلاح وصفائی کا موقع ملا اور مشرکانہ رسوم ورواج، عادات واخلاق، معاشرہ و ماحول سے پاک وصاف ہونے کا سنہری فرصت حاصل ہوئی اور حال ومستقبل کو توراتی خطوط پر استوار کر کے قومی زندگی تابناک بنانے کا غیبی چانس ان کو دیا گیا اور اللہ کا وعدہ ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنکم باموٰل و بنین وجعلناکم اکثر نفیرا. ان احسنتم احسنتم لانفسکم و ان اسأتم فلھا کا منظر ان کے اندر نظر آنے لگا۔

یہودی جس کی سرشت میں کج روی اور خمیر فتنے فساد کی تھی، انھوں نے اللہ کی طرف سے بطور ابتلاء وامتحان کے ملے انعام واکرام کو اصلاح معاشرہ و ماحول اور تہذیب اخلاق و عادات میں کام نہ لے کر خدا مخالف کاموں میں استعمال کیا، اس سے اس کی شیطنت وشرارت میں تیزی آئی، اس کے گناہوں و برائیوں کے گراف بڑھتے گئے اور تین ساڑھے تین صدیوں کی طویل ترین مدت ومہلت بھی مشرکانہ طرز زندگی، رسوم ورواج، اخلاق وعادات، تہذیب ومعاشرہ سے کلی اجتناب کے لیے ناکافی ہوئے اور ان کے جرائم اجتماعی سطح پر اسی نقطے پر انھیں پہنچا دیا، جس نے قدرت کی مختلف سزاؤں کا انھیں مستحق بنا دیا اور ان پر آخری ودائمی عتاب الٰہی مسلط ہونے کا آغاز ہوا۔

ایرانی حکومت کا ستارۂ اقبال گردش میں آ گیا اور ٹھیک اس کے مخالف سمت مغرب سے یکے بعد دیگرے تین جواں نفس و تازہ دم طاقتوں کے عروج کا آغاز ہوا، شام وفلسطین ان تینوں طاقتوں کے تیغ وتفنگ آزمائی کا میدان بنا، پہلے وہ سکندر اعظم کے حملوں کے شکار ہوئے، پھر اس کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے انھیں اپنی فتوحات میں ضم کیا، اس سے وہ ہوش وحواس میں کیا آتے اور اسے اپنے کردہ گناہوں کا سزا تصور کرتے، اس نے رومیوں کی اباحیت کی انتہا کو پہنچی تہذیب کو گلے لیا، مشرکانہ رومی تہذیب نے یہودیوں میں بچی ہوئی توراتی چنگاریوں کو بجھادی، جس کی آخری سزا ’’ٹیٹومس‘‘ رومی کے حملوں سے ملی، اس خونخوار اباحیت پسند جابر بادشاہ نے یروشلم پر ایسے ہول ناک حملے کیے، جس کی نظر تاریخ انسانی میں مشکل سے ملے گی، ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا، ہزارہا قیدی بنائے گئے، ۶۷؍ ہزار غلام بنا کر فروخت کیے گئے، کئی ہزار مصری کانوں میں بامشقت کاموں پر لگا دیئے گئے ۲۷؍ ہزار مختلف شہروں میں جنگلی جانوروں سے پھڑوانے اور شمشیر زنوں کے مشق تماشہ بنانے کے لیے بھیجے گئے، تمام دراز قامت خوب رولڑکیاں فاتحین میں تقسیم کر دی گئی، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کی بنیاد کھود ڈالی گئی، یہودیوں کا یہ آخری فساد وبگاڑ تھا اور اس کی یہ آخری ابدی پاداش وسزا تھی۔

محررہ بالا لمبی تحریروں میں دو باتیں صاف طور پر پوری تحریر پر چھائی دیکھائی دیتی ہے، ایک تو ماضی میں یہودیوں نے

جب بھی مذہبی عقیدے اور دوسرے اپنے تہذیبی و معاشرتی اقدار وعناصر کو زندگی میں برتنے سے گریز کیا، تو وہ قومی سطح کے مصائب وآفات سے دوچار ہونے سے نہیں بچے ہیں۔

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا گیا ہے، کہ قرآن کا یہودیوں کی تاریخ زوال وعذاب بیان کرنے سے اس کا مقصد اس قوم کو سنانے سے زیادہ مسلمانوں کو ان کی تہذیب و معاشرہ اپنانے سے متنبہ کرنا تھا اور گردش زمانہ سے پیدا ہونے والے نئے حالات سے نمٹنے میں اس کو نقوش راہ نہ بنانے کا درس دینا تھا۔

آج کی جدید دنیا کے نئے حالات، تیز ترین وسائل آمدورفت اور حیرت خیز ذرائع مواصلات وترسیل نے دنیا کے ملکی حدود اور جغرافیائی خطوط مٹا کر اسے ایک شہر کی شکل دیدی ہے، قوموں کی ترقیوں کے حصول کے ذرائع وطریقوں میں انقلاب عظیم آگیا ہے، طاقتور وحوصلہ مند حکمرانوں کی توسیع پسندی کے جذبے کو نئے عالمی حالات نے لگام لگادیئے ہیں، پھر بھی اس طرح کے جذبے وذہن رکھنے والی اقوام نے دوسری قوموں کو اپنا ذہنی وفکری غلام بنانے کے طریقے بدل دیئے ہیں اور اب وہ اپنی تہذیب و معاشرہ، تعلیم وثقافت کے دل فریب جال میں انھیں پھانس رہی ہیں اور دوسری طرف سے ان قوموں کے درمیان اپنے منصوبوں و پلان کے نفاذ کے لیے ان کے مقتدر ومعتبر افراد کی خرید میں یوروڈالر کی تجوریاں کھولے ہوئی ہیں۔

اس میں سب سے زیادہ پیش پیش وہی قوم ہے، جو دور قبل مسیح سے اپنے گندے طبع وگھناؤنے کرتوت وعادات کے سبب خدا کی ملعون ومغضوب بنی ہوئی ہے اور صدیوں غیروں کے ہاتھوں میں قید وبند کی ذلت ورسوا کن زندگی گزارچکی ہے اور آج تک اس کے آثار واثرات سے آزاد ہوئی نہ پاک وصاف ہوسکی ہے، اس نے نئے حالات سے فائدہ اٹھا کر اسی قدیم مشرکانہ تہذیب و معاشرہ کے بتوں کو نئے لباس و پوشاک میں پوری دنیا پر مسلط کرنے کے دھن میں لگی ہوئی ہے اور دانستاً پوری انسان برادری کو روشن خیال و مہذب بنانے کے جنون میں اخلاقیات کے وہ حدود توڑ رہی ہے، جس پر انسانیت شرم سار اور شرافت چاک چاک ہے۔

مسلمان دنیا کے جس خطے میں بھی آباد ہیں، وہاں وہ اکثریت واقلیت کی حیثیت میں ہیں، ان جگہوں میں وہ غیر اسلامی عقیدے ومعاشرے کے دباؤ میں جی رہے ہیں، جن ملکوں میں ان کے اپنے حکمراں ہیں، اپنی حکومت وانتظامیہ ہے، اپنے حفاظتی وتعلیمی ادارے ہیں، ہر طرح سے آزاد وخود مختار ہیں، ایسے ملکوں میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی زندگی اسلامی ثقافت ومعاشرہ، تہذیب وتعلیم میں ڈھلی ہوئی اور وہ دوسری قوموں کے لیے اس کا نمائندہ وآئیڈیل ہوتیں، ان سے اسلامی ثقافت ومعاشرہ کی افادیت، اس کی رواداری اور انسانیت کی بنیاد پر احترام انسان وخیر خواہی کے جذبے دنیا کے سامنے ظاہر ہوتے، وہ ان قوموں کو اسلام کے قریب ہونے، اس کو سمجھنے و پرکھنے کے ذہن پیدا ہونے کا سبب بنتے، لیکن ایسا کہیں نظر نہیں آتا، سوئے اتفاق ان ملکوں کی سیاسی، تعلیمی اور ثقافتی عنان مغربی تعلیم یافتہ اور اس کی تہذیب وثقافت کے پروردہ ہاتھوں میں ہے، انھوں نے خود کے ذہنی رجحان اور اپنے مغربی تہذیب و اخلاق کے علم بردار آقاؤں کے دباؤ میں ان مسلم ملکوں کی اسلامی تعلیم وثقافت، تہذیب ومعاشرہ کو بہ تدریج دبانے اور مغربی طرز زندگی و تہذیب کے نفاذ کے عمل میں اپنے اختیار کے تمام وسائل استعمال کر کے اسے یورپی تہذیب وثقافت کا ماڈل بنادیا ہے۔

وہ ممالک جن میں مسلمان قلیل تعداد میں ہیں، ان کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی زیادہ حساس ونازک موڑ سے گزر رہی ہے، ان ملکوں میں وہ اسلام مخالف تہذیبوں ومعاشروں کے نرغے میں ہیں، ایک تو ان ملکوں کی مقامی تہذیب وکلچر ہے، جسے زندہ وبارآور

بنانے کی تحریک دوسری جگہوں کی طرح وہاں بھی چل رہی ہے؛ اس سے متاثر اس کا باوزن طبقہ مسلمانوں پر ملکی سماجی وقانونی دباؤ ڈال رہا ہے اور انھیں ان مقامی تہذیبوں کو قبول کر کے اس کے مطابق زندگی بنانے پر مجبور کر رہا ہے اور مسلمانوں کی تعلیمی وثقافتی سرگرمیوں کی راہوں میں خودساختہ مختلف نوع کے روڑے ڈالنے میں کوشاں نظر آتا ہے، دوسری طرف پرنٹ والیکٹرانک ذرائع ابلاغ وترسیل سے مغربی تہذیب مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہوکر ان کے بچوں وجوانوں کے قلب وذہن کو مسخ کر رہی ہے اور یہ مسلمان نئی نسلیں اس کی نقالی میں بڑی تیز گامی سے اس کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ اکیسویں صدی کے مواصلاتی آلات کے اسکرین پر منعکس ہونے والے قوموں کے حالات موٹی سرخیوں میں بتا رہے ہیں کہ ایک طرف مسلمان اپنے مذہبی عقیدے، تعلیمی، تہذیبی اور معاشرتی سرمائے کو بچانے کی جدوجہد کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ان پر ہو رہے غیر اسلامی متحدہ تہذیبی وار سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ پوری دنیا اسلامی وغیر اسلامی معاشرتی بلاک میں بٹ گئی ہے اور ان دونوں میں مختلف سطح پر جاری جنگیں دہشت گردی کے ناموں سے پورے خطۂ ارض کو لپیٹ لیا ہے۔

افغان عراق جنگوں کے بعد اسلامی صفوں میں یورپی و امریکی مسلمانوں کے اضافے کی حقیقت کے اقرار کے باوجود یہ کہنے کی بات نہیں ہے، کہ ہر جگہ کے مسلمان تعلیمی وتہذیبی اور معاشرتی محاذ پر شکست خوردہ پوزیشن میں ہیں اور ان کی کوئی شئی محفوظ نہیں ہے، وہ شئی جو ان کی ہے وہ بھی ان کی نہیں رہی، تعلیم وتدریس کے نصاب ونظام اور اس کے نفاذ کے طریقے دوسروں کے تیار کردہ ہیں، مذہبی رسومات وعبادات کی ادائے گی میں مختلف شکل کے قدغن لگ رہے ہیں، ان کے مذہبی مقامات و ادارے کی تعمیر وترقی غیروں کی اجازت کا دست نگر ہو چکے ہیں، وہ اپنے جان ومال کی حفاظت وسلامتی کی ضمانت کی بھیک اغیار سے مانگ رہے ہیں، ان کے زمینی دولت وثروت کے ذخائر ان کے عقیدوں کے حفاظتی دستوں کی نگرانی میں ہیں، ان کی عزت و ناموس اور جان وضمیر کی خرید انتہائی آساں وارزاں ہوگئی ہے، اپنے ملکوں میں ان کی شہریت کسی وقت بھی سپر طاقتوں کی نگاہ خشمگیں سے جلاوطنی میں بدل جاتی ہے۔

یہ ناگفتہ بہ حالات اس قوم کی بنی ہوئی ہے، جس کو نبی اسرائیل کے بعد عالمی قیادت کی ذمہ داریوں کے شرف سے نوازا گیا تھا، اسے عالمی سیادت اور عالمی معاشرہ وماحول کے اصلاح وصفائی کی مسئولیت دی گئی تھی، اس کو تا قیامت انسانی برادری کے تعلق سے قلب کا مرتبہ عطا ہوا تھا، اس کی صحت وصفائی سے انسانی دنیا کی صحت وصفائی اور اس کے بگاڑ سے ارضی مخلوقات میں فساد پیدا ہونے کو جوڑا گیا تھا، لیکن ان تمام فضائل سے نوازے جانے کے باوصف مسلمانوں کی قومی زندگی ان تمام مقام ومرتبہ سے گر کر بدترین اخلاق وعادات کی عادی بن رہی ہے، جس پر پوری دنیا خندہ زن ہے۔

ایسا احساس محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں یہودیوں کی تاریخ قومی ادبا سنا کر مسلمانوں کو جن اخلاقی وتہذیبی بیماریوں سے ہوشیار رہنے کی سختی سے تاکید کی تھی، انھوں نے ان تنبیہات خداوندی کو پس پشت ڈال کر یہودیوں کے نقش قدم پر چل پڑے ہیں اور ان تمام اعتقادی، اخلاقی اور تہذیبی بیماریوں اور اس کے جرثومے کو اپنے اندر داخل ہونے کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں، اسی کے نتیجے میں ان کی زندگی قبل مسیح یہودیوں کی ذلیل ترین غلامانہ قومی زندگی کا زیروکس بن چکی ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ ☆☆

(مضمون نگار کئی کتابوں کے مصنف اور مدرسہ اسلامیہ، رام پور سیتامڑھی بہار کے سینئر مدرس ہیں۔)

تبلیغی جماعت کا نام القاعدہ سے جوڑنا منظّم

............● ابوحمنہ شہاب

تبلیغی جماعت کے تعلق سے وکی لیکس نے یہ عجیب و غریب انکشاف کیا کہ اس کے بھی 'القاعدہ' اور دیگر دہشت پسند جماعتوں سے روابط ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہندوستانی ذرائع ابلاغ نے وکی لیکس کے اس بیان کو بڑی ذمہ داری سے شائع کیا۔ ٹائمز آف انڈیا نے خبر کے ساتھ حضرت نظام الدین واقع تبلیغی جماعت کے مرکز کی تصویر بھی چھاپی۔ یہ اور بات ہے کہ زیادہ تر لوگوں کو وکی لیکس کا یہ انکشاف پھسپھسا لگا، اور انہوں نے اس کی صداقت پر یقین کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ جبکہ ملک بھر کی مذہبی اور ملی جماعتوں نے ایک غیر متنازعہ خالص مذہبی جماعت کو دہشت پسند تنظیموں سے جوڑنے پر شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ قابل غور امر یہ ہے کہ آخر وکی لیکس نے دنیا میں موجود چند متحرک بڑی اسلامی تحریکات میں تبلیغی جماعت کو ہی اپنا ٹارگیٹ کیوں بنایا؟ جب ہم اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی جستجو کریں گے تو سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ اس وقت برصغیر ہند و پاک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں جس تحریک نے جہد مسلسل، یقین محکم اور عمل پیہم کے ذریعہ پورے عالم کو اپنی گرفت میں لے لیا، وہ تبلیغی تحریک ہے جس کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ (1886-1944) ہیں۔ بلا تفریق مذہب و ملت اور مسلکی اختلافات سے بالاتر ہو کر اپنے زریں اصول و ضوابط پر سختی سے عمل پیراں ہوتے ہوئے جس رفتار سے یہ جماعت اپنی منزل مقصود کی سمت گامزن ہے اس کی نظیر فی الوقت عالم اسلام کی کسی اور تحریک میں نہیں ملتی۔ تبلیغی جماعت کی اسی مقبولیت اور کامرانی سے دشمنان اسلام خائف ہیں۔ عیسائی، یہودی اور دوسری مشینریوں کے خیمہ میں ہلچل پیدا کرنے والی یہ واحد دینی تحریک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس سادہ لوح جماعت کو اپنے دین و مذہب کیلئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ اب بھی منصف پسند لوگوں کا یہی خیال ہے کہ تبلیغی جماعت دراصل صرف مسلمانوں میں تبلیغ کے فریضہ کو انجام دیکر نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان، غیر نمازی کو نمازی بنانے میں اپنا زیادہ تر وقت صرف کرتی ہے۔ جبکہ بانی تبلیغ کا اس بارے میں نقطہ نظر انتہائی واضح تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ نماز روزہ سیکھ لینے اور ذکر و اذکار کی پابندی ہی کافی نہیں ہے بلکہ وہ پوری ملت اسلامیہ کو بیدار کرکے، انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کو اسلامی بنانے کی فکر رکھتے تھے۔

''ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے، اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی اب ت ہے''

یہ بات بھی پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ جن علماء کرام نے بھی تبلیغی جماعت کی نمائندگی یا پوری زندگی اس سے وابستہ رہے ان سب کی زندگی اتباع سنت کا کامل نمونہ تھی۔ عجز و

انکساری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔مولانا محمد الیاسؒ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ان کو دیکھ کر شیخ الہند مولانا محمود حسن فرمایا کرتے تھے کہ میں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ کرام یاد آجاتے ہیں۔آج بھی دنیا کے بکھیڑوں سے تبلیغی جماعت کے لوگ خود کو الگ تھلگ رکھتے ہیں۔ان کے خلوص وللّٰہیت اور سادگی سے متاثر ہوکر دیر سویر ایمان والے جماعت کا دامن تھام لینے میں ہی عافیت محسوس کرتے ہیں۔جماعت کے دائرہ کار میں وسعت و بے پناہ مقبولیت اور عام لوگوں میں دینی فریضہ کے تئیں احساس پیدا کرنے کے سبب تبلیغی جماعت معاندین اسلام کی نگاہ میں کھٹکنے لگی ہے۔وکی لیکس کے ذریعہ تبلیغی جماعت کو 'القاعدہ' سے جوڑنے کے پیچھے دراصل یہی مقصد کارفرما ہے۔

یہ بات بھی انتہائی سنجیدگی سے سوچنے کی ہے کہ القاعدہ چیف اسامہ بن لادن کی موت کے محض چند دنوں بعد ہی وکی لیکس نے تبلیغی جماعت کو اس بدنام زمانہ تنظیم سے منسلک کرنے کا انکشاف کیوں کیا؟ آخر اسے کس بات کی عجلت تھی یہ سمجھ سے پرے ہے۔مگر مبصرین وکی لیکس کے بیان کو منظم سازش کا حصہ اس وجہ قرار دے رہے ہیں کہ جن طاقتوں نے صدیوں سے مذہب اسلام کے خلاف اپنی خفیہ مہم چھیڑ رکھی ہیں اور اسلام جیسے سچے مذہب کی امن پسندانہ تعلیم کو دہشت گردی سے تعبیر کرنے کی جد جہد میں مصروف بہ عمل ہیں ان طاقتوں کی توجہ اب تبلیغی جماعت کی طرف مرکوز کر دینا ایک بڑی چال ہے، جسے سمجھنا اور ان کے ناپاک عزائم کو طشت از بام کرنا امت مسلمہ کی عظیم ذمہ داری ہے۔

مگر صد افسوس کہ! یہودیوں کی اس سازش کو بے نقاب کرنا تو دور خود مسلمانوں کی ایک جماعت اسلام مخالف قوتوں کے جال میں پھنستی نظر آرہی ہے۔اس کی سادگی اور حماقت پر جتن رویا جائے کم ہے۔اس سے بڑھ کر ستم ظریفی اور کیا ہوسکتی ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان وکی لیکس کے بے بنیاد الزامات پر انگشت بدنداں ہیں، اور ادھر ممبئی میں واقع رضا اکیڈمی نے وکی لیکس کے اس بیہودہ انکشاف پر اس لئے اظہار تشویش کیا ہے کہ تبلیغی جماعت سے وابستہ لوگوں کا دہشت گردوں سے گہرا تعلق ہے اس لئے حکومت ہند اس پر فوری پابندی عائد کرے کیوں کہ یہ امن پسند جماعت نہیں ہے۔اکیڈمی کی جانب سے جو پریس ریلیز اخبارات کو بھیجی گئی اسے دیکھ کر کہیں سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ یہ اہل علم اور مہذب افراد کی انجمن ہے یا سر پھروں کی۔یہاں اس پریس بیان کا صرف ایک پیراگراف پیش کرنا انتہائی ضروری ہے۔

''سنی مسلمانوں کی تنظیم رضا اکیڈمی نے آج وزیر داخلہ پی چدمبرم کو میمورنڈم پیش کیا، جس میں کہا گیا ہے کہ اس جماعت کی نقل و حرکت پر ہندوستان میں فوراً روک لگائی جائے۔اس جماعت نے مسلمانوں کو انتشار وافتراق میں مبتلا کردیا ہے۔آگے مبارک حسین کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ حکومت اس انکشاف کا نوٹس لے اور جماعت کے خلاف کارروائی کرے۔ابن عبدالوہاب نجدی وہ شخص ہے جس نے سعودی عربیہ میں سب سے پہلے دہشت گردی کا بیج بویا اور آج تک اس کے متبعین دہشت گردانہ کارروائیوں میں ملوث پائے جاتے ہیں''

اس قسم کے سوچ کے افراد کسی مذہبی اکیڈمی کے نمائندہ ہیں یا تخریب کاروں کے آلہ ءکار یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔لیکن ضروری ہے کہ ایسی شخصیات چاہے وہ جس مسلک کے بھی متبعین ہوں ان پر بر وقت لگام نہیں لگائی گئی تو یہ اپنے زہریلے ڈنک سے ملت کے اتحاد کو ڈس کر پارہ پارہ کرنے کی مہم جاری رکھیں گے۔قوم میں اس فکر کے افراد کی موجودگی وکی لیکس

کے خبطی بانی جولین اسانج سے زیادہ مضر ہوسکتی ہے۔ بتادیں کے وکی لیکس کے اس انکشاف پر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر اور ماہر اسلامیات جناب اختر الواسع نے جو بیان دیا ہے وہ پوری قوم کیلئے اہمیت کا حامل ہیاور غور فکر کی دعوت دیتا ہے۔ انہوں نے تبلیغی جماعت کا نام دہشت گرد تنظیموں بشمول القاعدہ سے جوڑنے کو مسلمانوں کو بدنام کرنے کی ایک بڑی سازش کا حصہ قرار دیا ہے۔ وکی لیکس کے انکشافات پر سخت حیرت ظاہر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ اس جماعت پر دہشت گرد تنظیموں کی رکنیت کا گھناؤنا الزام لگانے والوں کو پتہ ہی نہیں کہ اس جماعت کی رکنیت ہی نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ تبلیغی جماعت کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں، جس کا مخالفین بھی شکوہ کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت مسلمانوں میں افراد سطح پر دین کا شعور پیدا کرنے کا کام کرتی ہے۔ ایسی جماعت کو اس طور پر بدنام کرنے کی سازش ازخود مظہر ہے کہ سازشیوں کو تیسری دنیا کے ملکوں اور عالم اسلام میں خلفشار اور عدم استحکام پیدا کرنا مقصود ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ وکی لیکس کے بانی جولین اسانج 188 ممالک کی پولس کو مطلوب ہیں۔ ان کے بارے میں یہ بات بھی کافی مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ سے شکی اور خبطی ہیں۔ ایک طرف جہاں امریکی حکومت کے وکلاء جاسوسی کے الزام میں اسانج پر مقدمہ چلانے کے متعلق غور کر رہے ہیں، وہیں یورپی یونین انہیں سوڈین میں دو خوتین کے ساتھ جنسی زیادتی کے الزام میں تلاش رہی ہے۔ انٹرپول نے ریڈ نوٹس جاری کرتے ہوئے افغانستان سے لیکر زمبابوے تک 188 ملکوں کو مطلع کردیا گیا ہے کہ اسانج پولس کو مطلوب ہیں۔ ایسے مجنو اور عقل سے ماورا شخص پر جلد کارروائی بہت بڑے فتنہ کا خاتمہ ہوگی۔ ❁ ❁

رمضان المبارک کے چند مسائل

روزہ ہر عاقل و بالغ مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس کی فرضیت کا منکر کافر اور بلا عذر چھوڑنے والا سخت گناہ گار ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے روزہ رکھے گا اس کے پچھلے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ روزہ دار کے منہ کی بھبک (بو) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں اس کا جزا دوں گا۔ (حدیث)

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

دن میں قصداً کھانا پینا یا جماع کرنا، حقہ، بیڑی، سگریٹ پینا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جو بطور غذا یا دوا استعمال کی جاتی ہے۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

سرمہ لگانا، بدن یا سر پر تیل لگانا، ٹھنڈک کے لیے غسل کرنا، مسواک کرنا، اگرچہ تازہ جڑ یا شاخ کی ہو، خوشبو لگانا یا سونگھنا، بھولے سے کچھ کھا پی لینا، خود بخود قے ہوجانا، بلا قصداً اپنا تھوک نگلنا، مکھی مچھر یا دھواں حلق سے اتر جانا، انجکشن لگانا بشرطیکہ دوا جوف معدہ دماغ میں براہ راست نہ پہنچے۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے:

بلا ضرورت کسی چیز کا چبانا یا چکھ کر تھوک دینا، کوئلہ یا منجن سے دانت مانجھنا، گالی گلوچ، غیبت، جھوٹ بولنا، چغلخوری کرنا وغیرہ

صدقۂ فطر:

صدقہ فطر کی مقدار ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم یا آٹا یا تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا کشمش وغیرہ یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت ہے۔ عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہوجاتا ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کردینا بہتر ہے۔

پیش کش: ظفر اقبال مدنی

۷۸۶ کا استعمال اور اس کی حقیقت

............● سلمان عبدالصمد

۷۸۶ کو ایک عرصے سے مسلم علاقے میں بڑی مقبولیت حاصل ہے، اور یہ ایک شرعی مقام کا حامل بن چکا ہے۔ لوگ اپنے رسالوں، خطوں، کتابوں، یہاںتک کہ اپنے گاڑیوں اور کاروں میں لکھ کر آویزاں کرنے لگے ہیں، اپنے تمام کاموں کا آغاز اسی ۷۸۶ سے کرتے ہیں اس کے استعمال کو عین شریعت تصور کرتے ہیں حالانکہ تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے کہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ اعداد وارقام سے کسی چیز کی افتتاح کی گئی ہو، اسلام ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کا تذکرہ کیا ہے جس کا آغاز بھی بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

اسی طرح جب آقائے مدنی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چودہ جاں نثار صحابہ کرام کی معیت عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو کفار ومشرکین نے راستہ روک دیا آپ کو اور آپ کے صحابہ کو عمرہ کرنے کی اجازت نہ دی حالات ناخوشگوار ہوگئے، قریب تھا کہ جنگ ہوجاتی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ قریشیوں نے حضرت عثمان غنی کو نظر بند کردیا، لیکن ادھر آپ کے قتل کیے جانے کی خبر عام ہوگئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی کے خون کا قصاص لینا فرض قرار دے دیا اور صحابہ کرام سے اس بات کی بیعت لے لی، تمام صحابہ کرام نے جوش اور ولولہ انگیزی کے ساتھ جاں نثاری اور قربانی کا عہد کرلیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی باتوں اور تحریروں کا آغاز بسم اللہ ہی سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا تو اس کا آغاز بھی بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔ ان تمام واقعات و روایات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ۷۸۶ کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض جہال ۷۸۶ کو استعمال کرنے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ یہ اعداد بسم اللہ الرحمن الرحیم کے عدد کے برابر ہیں جو مستند نہیں ہے۔

گویا ساری تاویلات صرف قیاسات کی بنیاد پر قائم ہیں، حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے، یہ سب یہودیوں کی ایجاد اور ان کی تخریب کاری کا نتیجہ کی صرف ہمارے عقیدے کو خاک ملا نے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔

بالآخر قریش نے صلح کی بابت گفتگو کرنے کے لئے

عمرو بن سہیل کو سفیر بنا کر بھیجا اوران سے فرمایا کہ صلح اس شرط پر ہو گی کہ آپ ؟ اس سال واپس چلے جائیں۔ سہیل بن عمرؓ و آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی بابت گفتگو ہوتی رہی بالآخر آپ واپس جانے پر راضی ہوگئے اور حضرت علیؓ کو صلح نامہ تحریر کرنے کا حکم دیا، حضرت علیؓ عنوان پر **بسم اللہ الرحمن الرحیم** لکھا۔

عرب کا قدیم طریقہ ابتدا میں **باسمک اللھم** لکھنے کا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے واقف نہ تھے۔ اس بنا پر سہیل نے کہا کہ بسم اللہ کے بجائے وہی قدیم الفاظ ’’**باسمک اللھم**‘‘ لکھے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منظور فرمالیا اور عہد نامہ کا آغاز باسمک اللھم سے ہوا۔ اس سے دو باتیں ہمارے سامنے آگئیں، ایک یہ کہ قدیم زمانے میں بھی اعداد ارقام کے لکھنے کا کوئی رواج نہ تھا اور نہ ہی شریعت محمدی میں جیسا کہ عہد نامے کے عنوان سے معلوم ہوا۔

یہی ایک نمونہ ہمارے سامنے نہیں بلکہ آپ کے وہ تمام خطوط ہمارے سامنے ہیں جنکو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے شہنشاہوں کی طرف اپنا دعوتی پیغام روانہ فرمایا ان تمام خطوط کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا گیا ہے (مزید تفصیل کے لئے **الرحیق المختوم میں مکاتبة الملوک والامراء** کا مطالعہ کریں) حالانکہ آپ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ یہ خطوط کافروں اور مشرکین کے ہاتھوں میں جائیں گے اور وہی اس کے مخاطب بھی تھے اس کے باوجود اس کا آغاز اور انتہا اللہ کے مقدس نام سے کیا گیا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنی باتوں اور تحریروں کا آغاز **بسم اللہ** ہی سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا تو اس کا آغاز بھی بسم اللہ سے کیا گیا ہے۔ ان تمام واقعات و روایات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ۷۸۶ر کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض جہال ۷۸۶ر کو استعمال کرنے کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ یہ اعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے عدد کے برابر ہیں جو مستند نہیں ہے۔

گویا ساری تاویلات صرف قیاسات کی بنیاد پر قائم ہیں، حقیقت سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے، یہ سب یہودیوں کی ایجاد اور ان کی تخریب کاری کا نتیجہ کی صرف ہمارے عقیدے کو خاک ملانے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں اعداد وارقام کے گرداب میں الجھا کر ہمارے عقیدے کو مسخ کیا جارہا ہو کیوں کہ اسلام دشمن طاقتیں ہمیں اسلام کا لیبل لگا کر گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے ہیں اس لئے ہمیں سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں ہمیشہ اسی کوشش میں لگے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہب سے دور ہو جائیں اور کو ایجاد کر کے یہی ان کو پلاننگ ہے کہ مسلمان بسم اللہ کے انوار و برکات سے محروم ہو جائیں۔

ہمیں ان دانا دشمنوں اور نادان دوستوں کی روش کو چھوڑ کر سنت رسول صحابہ کرام تابعین اور ائمہ دین کے عمل کو اختیار کرنا چاہئے۔ جولوگ ۷۸۶ر کو **بسم الله** کا نعم البدل سمجھ رہے ہیں، وہ درحقیقت شریعت اسلام کی توہین کر رہے ہیں۔ لہٰذا، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے عقلوں کو بیدار کریں اور مسلم سماج اس خطرات بچاری سے بچائیں اور معاشرے ۷۸۶ر کے بجائے **بسم اللہ** کو عام کریں کیوں کہ اصل ہے اور ۷۸۶ر یہودی تخریب کاری کا نتیجہ ہے۔ اللہ ہمیں سوچنے اور سمجھنے کے توفیق عطا فرمائیں۔

❁ ❁ ❁

اسلام ۔ موبائل فون اور رنگ ٹونز

............● عبدالجلیل منشی

سائنس کی ترقی نے جہاں انسانوں کے لئے بے شمار آسانیاں پیدا کی ہیں وہاں کئی فتنوں کو بھی جنم دیا ہے اور مسلم امہ ان فتنوں کا خصوصیت کے ساتھ شکار بنی ہے، ان بے شمار فتنوں میں سے ایک موبائل رنگ ٹون کا فتنہ ہے جس نے اچھے خاصے باشعور اور دینی رجحان رکھنے والے لوگوں کو بھی اپنی گرفت میں جکڑ رکھا ہے۔موبائل فون ٹکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ہی بے شمار کمپنیوں نے طرح طرح کے رنگ ٹون متعارف کرائے جن میں عام گھنٹی کی جگہ فلمی گانوں اور موسیقی کے سرفون یا پیغام کے آمد کی اطلاع دینے لگے اور دن بدن اس قسم کی ٹونز میں جدت اور تبدیلی آتی چلی گئی۔

دوسری جانب جب دینی حلقوں میں اس قسم کی رنگ ٹونز کی مخالفت شروع ہوئی تو ان کمپنیوں کو اپنی آمدنی بڑھانے کا ایک اور نادر موقع ہاتھ لگا اور انہوں نے اس طبقے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسلامی رنگ ٹونز کے نام پر اک نئے فتنے کو جنم دیا جس کے سبب مختلف قاری حضرات کی آواز میں قرآن کریم کی آیات کی تلاوت، کہیں اسلامی ترانے تو کہیں حمد ونعت کی گونج موبائل فونوں سے گونجنے لگیں تو کسی کے موبائل فون میں حرم مکی و مدنی میں مانگی گئیں دعائیں رنگ ٹون کی شکل اختیار کر گئیں اور اس طرح دین دار طبقہ اپنے تئیں مطمئن ہوگیا کہ وہ اپنے موبائلوں میں اسلامی ٹونز کا استعمال کر کے ایک طرف تو اجر وثواب کا مستحق بنا تو دوسرے جانب غیر اسلامی ٹونز سے بچ کر گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہا۔

پہلے مساجد میں نماز کے دوران سادہ ٹونز بجا کرتی تھی پھر موبائل ٹکنالوجی میں ترقی کے ساتھ بدقسمتی سے اللہ کے گھر میں دوران نماز موسیقی گونجنے لگی اور اسی دوران اسلامی ٹونز کی آمد کے ساتھ مختلف اسلامی ٹونز نمازیوں کے خشوع واستغراق میں خلل پیدا کرنے کا سبب بنتا شروع ہوگئیں۔اس ضمن میں سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ جاہل ، ناسمجھ اور دین سے دور مسلمانوں نے تو اپنے فونوں میں مشرقی اور مغربی موسیقی اور گانے رنگ ٹونز کی جگہ سیٹ کر ہی رکھے ہیں مگر حیرت ان مسلمان بھائیوں پر ہوتی ہے جو پنجگانہ نماز اللہ کے گھر میں ادا کرتے ہیں اور ان کے موبائلوں سے بھی مساجد میں موسیقی ابھرتی ہے اور انہیں اس بات کا قطعا احسان نہیں کہ موسیقی ہمارے دین اسلام میں حرام قرار دی گئی ہے اور موبائلوں سے موسیقی اور گانوں کی بازگشت جہاں اللہ کے گھر کے احترام کو مجروح کرنے کا باعث بنتی ہے تو دوسری جانب نمازیوں کی عبادات اور خشوع وخضوع میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ جبکہ گانے بجانے اور موسیقی سننے سنانے کا مطلق حرام ہونا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے موبائل فونوں میں فلمی گانے اور موسیقی بطور رنگ ٹون سیٹ کر رکھی ہے اور جب قرآن مجید کی تلاوت یا باجماعت نماز کے دوران بیک وقت کئی کئی فونوں سے موسیقی اور فلمی گانے گونجنے لگتے ہیں تو اللہ کی

عبادت یا قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول نمازیوں کو شدید دکھ اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

عام مساجد کے علاوہ حرمین شریفین میں بھی یہ بات دیکھی گئی ہے کہ مکہ المکرّمہ میں دوران طواف یا ادائیگی عمرہ سے متعلق دیگر مناسک کے دوران اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے سامنے بھی رنگ ٹون اور خصوصا موسیقی اورگانے والے رنگ ٹون معتمرین اور مصلین کے موبائلوں سے بجتے سنے گئے ہیں جو کہ یقیناً ایک گناہ کبیرہ اور حرام کے درجے میں آتا ہے اور جو مسلمانوں کے سب سے زیادہ مقدس اور محترم مقامات کے تقدس اور احترام کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مساجد کے باہر نمازیوں کے لئے واضح ہدایات تحریر ہوتی ہیں کہ ازراہ کرم مسجد میں داخل ہونے سے پیشتر اپنے موبائل فون بند کردیں مگر نمازی دیدہ و دانستہ یا نادانستگی میں ان ہدایات پر عمل پیراں نہیں ہوتے۔بعض بھائی اپنے فون وائبریشن پر سیٹ کر دیتے ہیں۔ فون کو وائبریشن پر رکھنے میں یہ قباحت ہے کہ فون یا پیغام آنے کی صورت میں نمازی کی توجہ نماز سے بھٹک کر آنے والی کال کی جانب مبذول ہوجائے گی اور اس طرح عبادت کی روح متاثر ہوگی۔لہذا تمام مسلمانوں اور خصوصا نمازی حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنے موبائلوں میں عام سادہ سی رنگ ٹون سیٹ کرلیں تاکہ اگر وہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنے موبائل بند کرنا بھول بھی جائیں تب بھی ان سے موسیقی کی بجائے عام سی تنبیہی ٹون برآمد ہوگی اور وہ مسجد میں موسیقی اور فلمی گانے نشر کرنے کے گناہ عظیم سے محفوظ رہ سکیں گے اور عام زندگی میں بھی فون کی آمد پر موسیقی اورگانے سننے سے بچ پائیں گے۔

میوزیکل اور اسلامی فون ٹونز کے بارے میں علمائے

سعودی عربیہ کی علماء کونسل نے اپنے متفقہ فتوے میں قرآنی آیات کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنا حرام قرار دیا ہے۔کیونکہ انکا موقف یہ ہے کہ جب قرآنی آیات پر مبنی رنگ ٹون بجتی ہے تو فون کا جواب دینے کے لئے کال وصول کرنے والا فورا رنگ ٹون کاٹ کر کال وصول کرلیتا ہے جس کی وجہ سے آیت مکمل نہیں ہوپاتی اور ادھوری اور غیر مکمل آیت کے معنی بدل جاتے ہیں۔ویسے بھی قرآن کا نزول انسانیت کی بھلائی اور راهنمائی کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ اسکی آیات مقدسہ کو رنگ ٹون کے طو ر پر استعمال کرنے کے لئے۔

مصر کے مفتی اعظم مفتی علی جمعہ نے اسلامی رنگ ٹون کی مخالفت میں فتوی صادر کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ قرآنی آیات، آذان، ادعیہ اور احادیث کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کریں۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس قسم کی رنگ ٹون غیر مناسب اور گمراہ کن ہیں اور اللہ کے نازل کردہ قرآن کے الفاظ کے معنی تبدیل کرنے کا سبب بنتی ہیں۔اللہ کے نازل کردہ کلمات مقدس ہیں اور اللہ نے ہمیں انکی تلاوت اور تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ انھیں اجر و ثواب کی نیت سے فون رنگ کے طور پر استعمال کرنے کا۔

دین نے فتوے بھی جاری کئے ہیں جن پر عمل کر کے مسلمان بھائی اور بہنیں نہ صرف یہ کہ گناہوں سے بچ سکتے ہیں بلکہ اس سہولت سے باحسن طریقے سے مستفید بھی ہوسکیں گے۔ اس بات پر تو یقیناً ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام اجمالی اتفاق ہے اوراس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ عام زندگی میں عموما اور مساجد اور مقامات مقدسہ میں خصوصا میوزیکل اور گانوں پر مشتمل رنگ ٹونز کا استعمال حرام ہونے کے ساتھ ساتھ گناہ کبیرہ کا موجب بھی ہے اس لئے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔ اب جس بات پر مسلمانوں اختلاف پایا جاتا ہے وہ ہے اسلامی رنگ ٹونز. مسلمانوں کا ایک طبقہ علمائے کرام کی رائے کے احترام میں اسلامی رنگ ٹونز کو بھی درست نہیں سمجھتا جبکہ دوسرا طبقہ اسے باعث برکت واجروثواب سمجھتا ہے۔ اسی لئے یہاں علمائے کرام کے فتاوی کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیا جائیگا کہ اسلامی رنگ ٹون کا استعمال جائز اور مناسب ہے یا نہیں۔

سعودی عربیہ کی علماء کونسل نے اپنے متفقہ فتوے میں قرآنی آیات کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنا حرام قرار دیا ہے۔ کیونکہ انکا موقف یہ ہے کہ جب قرآنی آیات پر مبنی رنگ ٹون بجتی ہے تو فون کا جواب دینے کے لئے کال وصول کرنے والا فورا رنگ ٹون کاٹ کر کال وصول کرلیتا ہے جس کی وجہ سے آیت مکمل نہیں ہو پاتی اور ادھوری اور غیر مکمل آیت کے معنی بدل جاتے ہیں ۔ویسے بھی قرآن کا نزول انسانیت کی بھلائی اور راہنمائی کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ اسکی آیات مقدسہ کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنے کے لئے۔

مصر کے مفتی اعظم مفتی علی جمعہ نے اسلامی رنگ ٹون کی مخالفت میں فتوی صادر کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ قرآنی آیات، آذان، ادعیہ اوراحادیث کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کریں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس قسم کی رنگ ٹون غیر مناسب اور گمراہ کن ہیں اور اللہ کے نازل کردہ قرآن کے الفاظ کے معنی تبدیل کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ اللہ کے نازل کردہ کلمات مقدس ہیں اور اللہ نے ہمیں انکی تلاوت اور تسبیح کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ انہیں اجر وثواب کی نیت سے فون رنگ کے طور پر استعمال کرنے کا۔

مفتی اعظم نے کہا کہ مسلمانوں کو پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرنی چاہئے اور نماز کے لئے اذان صرف مساجد سے اور اپنے وقت پر دی جانی چاہئے. موبائل فون سے سنائی دینے والی اذان نمازیوں کے لئے پریشانی اور الجھن کا سبب بنتی ہے اور ایک گمراہ کن بات ہے۔

بحرین کے ممتاز عالم شیخ عصام اسحاق نے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ قرآنی آیات کو رنگ ٹون کے طور پر استعمال نہ کریں. انہوں نے کہا کہ عام مسلمان قرآنی آیات کو بطور رنگ ٹون اجر وثواب اور مذہب کی تعظیم کے لئے استعمال کرتے ہیں مگر عوام الناس دین سے نابلد ہونے کے باعث نادانستگی میں اجر وثواب کی بجائے گناہ سمیٹتے ہیں اور دین کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن رشد ہدایت کا ذریعہ ہے اسے رنگ ٹون کے طور پر استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اسلامی رنگ ٹون کی شرعی حیثیت کا تعین کرنے کے لئے دارالعلوم کراچی سے جو فتوی صادر ہوا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ:

''فقہی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات، ذکر و تسبیح، درود شریف وغیرہ کے کلمات اور ایسی نظمیں یا نعتیں جو ذکر اللہ پر مشتمل ہوں اور ان سے مقصود ذکر اللہ

ہو، مثلا اسمائے حسنی پر مشتمل نظم وغیرہ ایسی تمام چیزوں کو ذکر کے علاوہ کسی اور جائز مقصد کے لئے استعمال کرنے کے جواز اور عدم جواز کا مدار اغراض ومقاصد پر ہے، اگر مقصد شرعا درست ہو تو اس مقصد کے لئے انکا استعمال جائز ہے ورنہ جائز نہیں مثلا وہ مقاصد دو قسم کے ہوسکتے ہیں: (۱).. تذکیر لذکر اللہ.. (۲).... اعلام.

مذکورہ بالا مقدس کلمات کو فون سننے کی گھنٹی کی جگہ استعمال کرنے سے اگر یہ مقصد ہو کہ کوئی شخص فون کرے تو جب تک فون نہ اٹھایا جائے اس وقت تک وہ اللہ کے مقدس کلام، ذکر اللہ یا دینی یا اصلاحی مضامین پر مشتمل نظموں یا نعتوں سے مستفیض ہوتا رہے تو اس مقصد کے لئے مذکورہ بالا مقدس کلمات کو فون سننے کی گھنٹی کی جگہ استعمال کرنے کی فی نفسہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن چونکہ مذکورہ بالا مقصد کے حصول میں شرعا درج ذیل دو خرابیاں لازم آسکتی ہیں، اسلئے ان سے بچنا ضروری ہوگا۔

۱۔ پہلی خرابی یہ لازم آتی ہے کہ اچانک درمیان میں فون اٹھانے کی صورت میں قرآنی آیات درمیان میں کٹ جائیں گی، جس سے ان آیات کی بے ادبی لازم آتی ہے، لہذا قرآنی آیات اس مقصد کے لئے استعمال نہ کی جائیں، نہ سننے میں نہ سنانے میں۔

۲۔ دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ جس شخص کو فون کیا گیا ہے بعض اوقات وہ بیت الخلاء میں ہوتا ہے تو فون آنے پر ایسی حالت میں مذکورہ مقدس کلمات کے موبائل فون پر جاری ہونے میں بے ادبی ہوگی، لہذا مقدس کلمات فون سننے کی گھنٹی کی جگہ استعمال نہ کئے جائیں۔

اور اگر دوسرا مقصد یعنی ''اعلام'' پیش نظر ہو یعنی مذکورہ مقدس کلمات کو اس لئے موبائل فون میں مقرر کیا جائے تاکہ اسکے زریعے فون آنے کی اطلاع ملنے کا فائدہ حاصل ہو تو اس مقصد کے لئے مذکورہ بالا کلمات کو استعمال کرنا درست نہیں، مکروہ ہے۔

۳۔ فون کرنے والا اگر کسی شخص کو فون کرے اور اس نے اپنے موبائل میں قرآنی آیات کی ریکارڈنگ لگا رکھی ہو اور اسکے فون اٹھانے کی صورت میں آیت درمیان میں کٹ جاتی ہے تو اس کی ذمے داری اس شخص پر ہے جس نے اپنے فون میں اس قسم کی ریکارڈنگ لگائی ہے۔

اگر کسی شخص نے گانے کی ریکارڈنگ اپنے فون میں مقرر کر رکھی ہے اور فون کرنے والے شخص کے کان میں اس گانے کی آواز بلا اختیار آئے تو اس صورت میں وہ فون کرنے والا شخص گناہ گار نہ ہوگا، ہاں قصدا سننے سے وہ گناہ گار ہوگا، اس لئے حتی الامکان سننے سے اجتناب ضروری ہے۔

۴۔ گاڑی کی اسٹارٹنگ میں مقرر کی گئی ''دعاءِ سفر'' کی ریکارڈنگ اگر گاڑی اسٹارٹ ہونے کے بعد مکمل ہو کر ختم ہوتی ہے، درمیان میں نا تمام طور پر نہیں کٹتی تو اس کے مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ اس صورت میں دعاءِ سفر کی تذکیر پائی جاتی ہے، جو ایک نیک مقصد ہے۔

مندرجہ بالا فتاوی کی روشنی میں ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اجر وثواب اور دین سے محبت کے اظہار کے لئے کیا جانے والا عمل علم کی کمی کے سبب کہیں ہمیں اللہ کی رحمت ومغفرت کی بجائے اسکے غضب اور ناراضگی کا سزاوار ٹھرانے کا سبب نہ بن جائے۔ ہر مسلمان کو دین کا اتنا بنیادی علم تو ضرور ہونا ہی چاہئے کہ جس کی بنیاد پر وہ نیک اور بد عمل کا فرق سمجھ سکے اور لاعلمی کے سبب نیکی کے بجائے معصیت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔

❀ ❀ ❀

مفتی ظفیر الدینؒ

حیات وخدمات

”مفتی صاحبؒ نہ لفظیات کی شوخی سے قاری کے لیے باعثِ تکان ہوتے ہیں، نہ اُسلوب کی شوکت کے باعثِ مرعوبیت، نہ ساختیات کے بناؤ سنگار سے باعثِ اُلجھن، نہ فصاحت و بلاغت کی بے جا زورآوری سے باعث اذیت، نہ جملوں کی درازی اور پُر پیچ ہونے کی وجہ سے ہمت شکن۔ آپ پڑھتے اور سنتے جایئے، آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کو، آپ ہی کی بات، آپ ہی کی زبان میں، کہی جارہی ہے۔“

نیک دل عالم،سہل نگار اہلِ قلم اور بہت اچھے انسان

مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء-۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

.... ● مولانا نور عالم خلیل امینی، دیو بند

ادیب العصر حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم (استاذ ادب دارالعلوم دیو بند وایڈیٹر عربی مجلّہ الداعی) کا یہ اہم مضمون ان کی تصنیف ''پس مرگ زندہ'' میں حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کی زندگی میں شائع ہو چکا ہے۔مولانا موصوف کا جو مخصوص انداز بیاں ہے اس نے کئی پرانی باتوں کو بھی دلچسپ بنا دیا ہے۔خاص بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی پر ابھی تک جتنے مضامین لکھے گئے ہیں ان میں کہیں نہ کہیں اس مضمون کے حوالے اور مضمون نگار کے دلکش اسلوب کی خوشبو ضرور نظر آتی ہے۔.................. ایڈیٹر

مِری مَشّاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بہ خود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

ان سطروں کے لکھنے کی تقریب

بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ اور نیپال کی متحدہ عظیم انجمن معروف بہ ''سجاد لائبریری'' کے ذمے دار طلبہ عرصہ دو ماہ پہلے مجھ سے ملے اور بتایا کہ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی، مفتی دارالعلوم دیو بند، کی دارالعلوم کی خدمت سے وابستگی پر عرصہ پچاس سال مکمل ہونے کے موقع سے، ہم ذمے دارانِ انجمن خصوصاً اور طلبۂ صوبہ جات مذکورہ عموماً اور طلبۂ دارالعلوم دیو بند بالاعمّ، حضرت مفتی صاحب مدّ ظلہ کے تعارف اور تعریف وتوصیف اور ان کی خدمات وتالیفات اور مقام ومرتبے کے تذکرے پر مشتمل ایک یادگاری مجلّہ شائع کرنا چاہتے ہیں، تاکہ نسل نو کو اس کے مطالعے سے پڑھنے لکھنے اور حصولِ کمال وامتیاز میں، جی جان سے لگنے کا حوصلہ اور مفتی صاحب کے لیے ہمارے جذبۂ عقیدت واحترام کو تسکین ملے۔

یہ طلبہ میرے سر ہوئے کہ آپ بھی...... اپنے مشاغل واعذار سے وقت نکال کر، ہم لوگوں پر شفقت فرماتے ہوئے...... اس مجلّے کے لیے کوئی تحریر عنایت فرمادیں، تو ہمارے لیے بڑے فائدے کی چیز ہوگی۔ میں اُن طلبہ کے خلوص اور مفتی صاحب کے حوالے سے ان کی قدر دانی پر مبنی محبت کی وجہ سے، ان کی درخواست کو رد نہ کر سکا، لیکن اپنے پاس سے ان کے چلے جانے کے بعد، میں یہ سوچنے لگا کہ میں کب اور کیا لکھ سکوں گا؟ کب کا تعلق وقت کی تنگی سے ہے کہ اس کے گراں قدر سرمایے کو بیماری اور اُس کے متنوع عوارض نے تتر بتر کر کے رکھ دیا ہے اور جن لمحات کو ان کی دست برد سے میں بچا لینے میں کامیاب رہتا ہوں، وہ تحریری اور تدریسی فرائض کی ادائیگی اور ان کے لیے نہ ختم ہونے والی فکر کی نذر ہو جاتے ہیں، لہٰذا ''مستحبّات ونوافل'' کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس پر مُستزاد یہ کہ زود نویس نہیں، بل کہ انتہائی ''ست نویس'' واقع ہوا ہوں، شکر کی بیماری اور اُس کے نتائج بد کی وجہ سے عقل کی شادابی، فکر ونظر کی زرخیزی اور فطری ملکے کا بانک پن یا تخلیقی صلاحیت، بری طرح مجروح ہوگئی ہے اور عائد کردہ کسی مضمون کا لکھنا تو میرے لیے

اور بھی دشوار ہوتا ہے، لہٰذا وقت جانے کب اس موضوع پر لکھنے کا موقع دے گا یا نہ دے گا؟

اہل قلم کے زندوں پر لکھنے سے احتراز کی عمومی وجہ

کیا لکھ سکوں گا کا تعلق اس بات سے ہے کہ مفتی صاحب مدّ ظلہ بلاشبہ انتہائی بافیض عالمِ دین ہیں، لیکن کسی زندہ پر لکھنا ہم جیسوں کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے، حالانکہ زندہ باکمالوں کی قدر و قیمت سے انسانوں کو متعارف کرانا، زیادہ مفید ہے، اس لیے کہ ان سے استفادے اور فیض یاب ہونے کی راہ کھلی ہوئی ہوتی ہے، جب کہ مردہ اصحابِ کمال سے استفادے کا اس کے سوا کوئی امکان نہیں رہتا کہ ان کی سیرت و سوانح - بہ شرطے کہ لکھ دی گئی ہو - کا مطالعہ کر کے ان کے باکمال ہونے کے منہاج کو اپنا کر، باکمال بننے کی کوشش کی جائے اور دین و دنیا کے ان اکتسابات سے اپنا دامن بھرنے کی سعی کی جائے، جن کی وجہ سے کسی کو باکمال کہا جاتا اور لائق رشک سمجھا جاتا ہے، لیکن زندہ شخصیتیں ایسا لگتا ہے کہ قلم اور زبان کی راہ روک کے کھڑی ہو جاتی ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ عظیم کی عظمت، باکمال کا کمال اور باصلاحیت کی صلاحیت کا حتمی نتیجہ یعنی غیرت، خودداری اور شرافت، اہل زبان اور اہلِ قلم کو ملامت اور عتاب کے لہجے میں کہتی ہیں کہ تمہیں کیسے یہ ہمّت ہوئی کہ تم میرے حامل کے جیتے جی...... اور بعض دفعہ اس کے منھ پر......اس کی ثناخوانی کر سکو؟ اس کی قدردانی اور توقیر و احترام کے اور بھی طریقے اور دن ہو سکتے ہیں؟!۔

غالبًا اسی وجہ سے زندہ اہلِ علم و فضل کو تحریر و تقریر کا موضوع بنانے کا عام رواج نہیں، بل کہ صرف مردوں کے کارناموں کو زندہ کرنے کی روِش عام ہے اور معمول بہ۔ اس کی وجہ غالبًا یہ بھی ہے کہ مردوں کے حوالے سے لکھنے بولنے والا بے تکلف جتنا اور جیسا چاہتا ہے لکھتا اور بولتا ہے، کیوں کہ کسی روکنے ٹوکنے والے کی روک ٹوک کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا، اس لیے بے تکلفی، بے ساختگی، آمد اور خلوص کے عناصر کی بھرپور مدد، اس کو حاصل رہتی ہے، جب کہ زندوں کی ''حضوری'' کا حجاب طرح طرح کے مسائل کے ساتھ، لکھنے بولنے والے کے سامنے حائل ہو جاتا ہے اور ''احتیاط''، مصلحت بینی اور پسند و ناپسند کے جذبات کو پیشِ نظر رکھنے کی وجہ ے'' آزادی رائے'' سے کماحقّہٗ کام نہیں لے پاتا۔

زندوں پر لکھنا، بعض وجوہ سے زیادہ مفید

لیکن میری رائے میں زندوں کو، ان کی زندگی میں اچھی طرح جاننے اور سمجھنے، خراجِ تحسین پیش کرنے اور ان کے کارناموں کو انعاموں اور تمغوں کے ذریعے اُجاگر کر کے، ان کا مزید حوصلہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ نسلِ حاضر کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین کی جو طرح یورپ میں قائم ہے اور جس کو اب دیارِ مشرق میں بھی برتا جانے لگا ہے، وہ بہت خوب اور لائق صد تقلید ہے کہ زندوں کے زندہ رہتے ہوئے، ان کے کمال اور ہنر کی صحیح معرفت کے بعد، ان سے بلاواسطہ اور بروقت فائدہ اٹھا کر ان کی نکالی ہوئی راہ، انجام دیئے ہوئے کارناموں اور روشن کی ہوئی شمع سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جا سکتا اور دین اور دنیا کی ترقی کی منزلیں زیادہ آسانی اور تیزی سے طے کی جا سکتی ہیں، کیوں کہ زندوں کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ ''نظریہ'' اور ''نمونۂ عمل'' دونوں موجود ہوتے ہیں۔ جب کہ مردوں کے حوالے سے سچ یہ ہے کہ ان کی سیرت و کردار کا ریکارڈ صرف ''نظریہ'' تو دیتا ہے، لیکن متحرک ''نمونۂ عمل''، نہیں دیتا، اس لئے ان کی سیرت و کردار کا مطالعہ کنندہ، یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سیرت و کردار کو کس طرح

برپا کیا جائے؟ یہ ہمیں کون بتائے گا؟ مشین (Machine) کے ساتھ رہنما کتاب (Guidebook) اور ''کتابِ مبین'' کے ساتھ ''نورِ عظیم'' ایسا قانون فطرت ہے، جس کو خود خدائے ذوالجلال نے وضع کیا اور اس کی راہ دکھائی اور خلق کو اس پر چلایا ہے اور اس کے بندوں نے طبعی طور پر قبول کرکے اس پر عمل کیا ہے۔

سجاد لائبریری کے طلبہ کا شکریہ

میں ''سجاد لائبریری'' کے باتوفیق طلبہ کو، مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ کو تحریری طور پر خراجِ تحسین پیش کرنے اور طلبۂ عزیز کے لئے ان کی علمی و عملی کارناموں سے، ان کی زندگی ہی میں متعارف ہونے اور پھر ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کی شخصیت کو غنیمت جان کر، ان سے بہ راہِ راست اکتسابِ علم اور ہنر کرنے کی ہمارے دارالعلوم میں طرح ڈالنے کی کوشش کی۔ اللہ ان کی کوشش کو بار آور کرے اور انہیں اس کا بہترین صلہ اور حضرت مفتی صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ توفیق مزید سے بھرپور عمر عطا کرے، تاکہ وہ اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں اور کامرانیوں کا ذخیرہ اکٹھا کرکے دونوں جہان میں خوب خوب سرخ رو ہوں۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

مفتی صاحب سے ہم لوگوں کے زیادہ گھل مل جانے کی وجہ

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب سے بہاری ہونے کے حوالے سے ہم وطن اور ''مئوناتھ بھنجن'' میں تعلیم پانے اور وہیں کے ایک مدرسہ ''مفتاح العلوم'' میں کسبِ علم وکمال کرنے کے حوالے سے، تعلیمی ہم وطنی کے باوجود کیوں کہ اس ناچیز نے بھی وہیں کے دوسرے مدرسے ''دارالعلوم'' میں متوسطات تک کی تعلیم حاصل کی۔ راقم الحروف کو دارالعلوم دیوبند ہی میں داخلہ لینے کے بعد متعارف ہونے کا موقع ملا، نہ صرف متعارف ہونے؛ بلکہ دیگر محنتی اور ذوق تعلّم ومطالعہ سے سرشار اپنے کئی معاصر دوستوں اور ہم درس ساتھیوں کے ہم راہ بہت زیادہ گھلنے ملنے اور بے شمار علمی فائدہ اٹھانے کی سعادت حاصل رہی۔

مفتی صاحب سے جس چیز نے ہم لوگوں کو، اس وقت اور بہت سارے طلبہ کو ہمیشہ، بہت زیادہ قریب ہوجانے اور بہت بہت فائدہ اٹھانے کا موقع دیا، وہ ان کی مثالی سادگی، مومنانہ انسیّت، پدرانہ اپنائیت، بزرگانہ شفقت، اسلامیانہ ہمدردی، ہر ایک کے لیے خلوص اور ظاہر و باطن کی یکسانیت تھی اور ہے۔ مفتی صاحب سے مل کر، ان سے کوئی مشورہ کرکے، کسی طرح کی طالبِ علمانہ گفتگو، یا کسی موضوع پر استفادے کے لیے تبادلۂ خیال کرکے کبھی بھی بے مزہ نہ ہوا، نہ یہ خدشہ ہوا کہ فلاں لفظ یا جملہ ان کی علمی شان، بزرگانہ مقام اور راہِ علم و آگہی پر ان کے طویل تجربہ کارانہ سفر کے حوالے سے ان کی عظمت کے خلاف تھا، اس لیے خدانخواستہ، اب وہ دوسری ملاقات میں مجھے منہ نہ لگائیں گے۔

ان کی اس افتاد کی وجہ سے جس پر خالق نے مصلحت اور حکمت ہی کے تحت ان کو پیدا کیا ہے ان کی طرف ہر ملنے والے کا دل کھنچتا ہے اور وہ بار بار ملنا چاہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ وصف میرے نزدیک، ان کے سارے علمی و عملی اوصاف پر بھاری ہے، کیوں کہ یہ نبوی وصف ہے۔ حضور ﷺ فداہ اَبی واُمّی کے پیارے ساتھی بھی اسی وصف کے حامل تھے، اسلام میں علم و عمل کے قافلے نے اسی ہتھیار سے جہاں گیری وجہاں داری وجہاں بانی کی ہے۔ خود اسلام نے دلوں کو نرم خوئی ودل جوئی، اخلاقِ کریمانہ اور خلوصِ دل برانہ کے ذریعے ہی فتح کیا ہے۔ اسلام کے سارے اکتسابات کا سہرا ''فاتحِ عالم'' محبت

وخلوص اور مسحرِ عقل وقلب ہم دردی وغم گساری کے سر جاتا ہے۔

مفتی صاحب سے ہم لوگوں کے بہت زیادہ گھلنے ملنے کی اصل وجہ یہی تھی۔ کسی وقت، کسی بھی حال میں ان کے پاس چلے جائیے، وہ آپ کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہیں گے اور اس طرح خوش ہوں گے جیسے وہ آپ ہی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ اگر لکھنے پڑھنے میں لگے ہوں، تب بھی وہ آپ کے آدھمکنے سے ذرا بھی کبیدہ نہ ہوں گے؛ بل کہ وہ انتہائی ضروری مشغلے کو، جس کو وہ چھیڑے بیٹھے ہوں گے، ایک طرف کو ڈال، اب صرف آپ کے لیے خالی ہوجائیں گے۔ ان کے رہن سہن، رفتار و گفتار، زندگی کے سارے جھمیلوں اور شب و روز کے سارے کاموں میں یہی سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی نظر آئے گی۔ نستعلیقیت، تہذیب، متانت، نفاست، رکھ رکھاؤ اور ترتیب وتنظیم، ہے تو اپنی جگہ اچھی چیز اور جو لوگ ان اوصاف کو سلیقے سے برتنا جانتے ہیں، وہ واقعی قابلِ تعریف ہیں؛ لیکن بہ ہر کیف ان کے برتنے میں ذرا سی ''بدسلیقگی'' اور ''بے ڈھنگے پن'' کے درآنے سے دوسروں کے ساتھ ساتھ، برتنے والے کو بھی اذّیت ہوتی ہے، خواہ وہ اس کا اظہار کرے یا نہ کرے۔ مفتی صاحب کو آپ اپنی ذات کی طرح برت سکتے ہیں، فطرت کی عام بخششوں کی طرح استعمال کرسکتے ہیں، جہاں چاہیے بیٹھا دیجیے، جو چاہیے کھلا دیجیے، جس سواری پر چاہیے سفر کرا دیجیے، اچھے بُرے جس انداز میں پیش آیئے، وہ اپنی بے نفسی اور پیدائشی سادگی کی وجہ سے ذرا بھی برا نہ مانیں گے۔

شخصیت کی طرح تحریر وتقریر میں سادگی

ان کی یہی سادگی، بے ساختگی، نرمی اور گدازی، ان کی تحریر وتقریر میں بھی نظر آتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے عام فہم مفردات ومرکبّات سے ان کی تحریر وتقریر کے جملے اس طرح ڈھلے ہوتے ہیں کہ آپ کو، ان کے جیسے کسی بھی کثیر التصانیف عالم اور اہلِ قلم کی تحریر میں یہ چیز دیکھنے کو نہیں ملے گی۔ وہ نہ لفظیات کی شوخی سے قاری کے لیے باعثِ تکان ہوتے ہیں، نہ اُسلوب کی شوکت کے باعثِ مرعوبیت، نہ ساختیات کے بناؤ سنگار سے باعثِ الجھن، نہ فصاحت وبلاغت کی بے جا زورآوری سے باعثِ اذیت، نہ جملوں کی درازی اور پُر پیچ ہونے کی وجہ سے ہمت شکن۔ آپ پڑھتے اور سنتے جایئے، آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کو، آپ ہی کی بات، آپ ہی کی زبان میں، کہی جارہی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے طالبِ علمی کے زمانے میں ہم لوگوں سے یہ بات کہی تھی کہ میں نے لکھنے کے لیے کسی تکلف کو راہ نما نہیں بنایا۔ بس بلا ارادہ اور بے تکلف، اپنی بات کو اپنی زبان میں، کسی آورد اور گہری سوچ کے بغیر، لکھنے کا میں نے اپنے آپ کو عادی بنایا۔ لفظوں اور ترکیبوں کی تحسین وتزئین کی کبھی نہیں سوچی، نہ اس پر توجہ دی، نہ اس کو مسئلہ بنایا۔ غالبًا اچھا اور سچا اور کھرا لکھنے کے لیے، یہ بنیادی اصول ہے۔ اس اصول کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ لکھنے والا کسی بھی مرحلے میں اپنے کو تھکاتا ہے، نہ قاری کو۔ اس کے سوا جتنے طریقے ہیں، بے شمار خوبیوں کے باوجود، بے شمار خرابیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب کا اصول طبعی ہے، بے ساختہ ہے، سہل العمل ہے، سہل التقلید ہے۔ نوآموز اور نووارد بساطِ تحریر کو، آپ اس سے زیادہ سیدھی، فطری سچّی اور حقیقت سے سوفی صد ہم آہنگ راہ کی راہ نمائی کر بھی نہیں سکتے، اسی لیے مفتی صاحب کی تحریر میں، طوالت ہے نہ تکرار، الفاظ کا الجھاؤ ہے نہ جملوں کا، ترادف کی بھرمار ہے نہ الفاظ وتعبیرات کا اِسرافِ بے جا۔

مفتی صاحب کا تحریری امتیاز

ان کی طبعی نرمی وگدازی، سادگی وخوش اخلاقی ہی کا اثر، ان کی طرزِتحریر پربھی ہے: وہ چھوٹے چھوٹے جملوں اورخوب صورت حروف میں اپنی بات لکھتے ہیں۔ سطریں بالکل سیدھی جیسے اسکیل سے لکیرڈال کرلکھی گئی ہوں، ہرلفظ بل کہ ہرحرف سے جیسے ندا آرہی ہوکہ یہ سادہ مزاج اورتکلف ناآشنا عالم کی تحریرہے۔ مفتی صاحب بہت سے علما اور''تعلیم یافتہ'' کہنے جانے والے بدسلیقہ لوگوں کی طرح اپنی تحریرکے بھدّے پن، شکستگی، سطروں کی کجی، حروف کی نامانوس صورت گری، یاان کے بھاری بھرکم پن اوربڑے ''ڈیل ڈول'' کے ذریعے یابہت باریک اورچھوٹے ہونے کی وجہ سے ناقابلِ قراءت ہونے کی بناپر، آپ کے لیے باعث اذیّت نہ ہوں گے۔ وہ کوئی خط لکھیں، درخواست لکھیں، مضمون تحریرکریں، کسی کتاب کی تالیف کریں، ہمیشہ ان کی تحریرقلم برداشتہ، کاٹ چھانٹ سے پاک اورتبییض کی ضرورت سے بے نیازی ہوتی ہے۔ میں نے جن معاصراہل علم وکمال اورصاحبِ تالیف کودیکھا ہےاوران کی صحبت سے فیض پایاہے، ان میں تحریرکی صفائی؛ بل کہ خوش خطی کے حوالے سے علامہ، مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہ جہاں پوری ثم الدہلوی (متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) کے صاحب زادے، ادیب وشاعر وعالم وفقیہ مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؔ (متوفی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء) کے بعد حضرت مولانا مفتی ظفیرالدین صاحب مدّظلہ ہی کا نام لیاجاسکتاہے۔ اوّل الذکرتو اپنے علمی کمالات کے ساتھ ساتھ باقاعدہ خطاط اورخوش خطی کے ماہرین میں تھے، لیکن مفتی صاحب نے خوش خطی کے فن پرشاید کبھی بھی توجہ نہ دی ہوگی، مگرطبعی طورپران کی تحریریں، ان تمام خوبیوں کی حامل ہوتی ہیں، جن کی کسی باذوق قاری کونہ صرف تلاش ہوتی ہے؛ بلکہ جن سے، ہرقاری کا جی خوش ہوتاہے، کیونکہ اس کے قلب وذہن کوپڑھتے وقت راحت محسوس ہوتی ہےاوردعادیتاہے کہ اللہ صاحبِ تحریرکوجزائے خیردے کہ اس نے راحت بخش طرزتحریرسے بھی فائدہ پہنچایا۔

مفتی صاحب کے تحریری وتالیفی کارنامے

مفتی صاحب نے متنوع موضوعات پرلکھااورکام کیا، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبندحضرت مولانامفتی عزیزالرحمٰن بن مولانافصل الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ (متوفی ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء) کے فتاویٰ کی تدوین وترتیب کا اہم کام انجام دیا، جو۱۲ جلدوں میں ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے ہمیشہ شائع ہوتا رہتاہے۔ اس کے علاوہ تعارفِ مخطوطات دارالعلوم دیوبندحصّہ اول ودوم جیسا مشقت طلب کام بھی کیا۔ انھوں نے نظامِ عفّت وعصمت، نظام مساجد، نظامِ تربیت، نظام تعمیرسیرت، اسوۂ حسنہ، تذکرہ مولانا عبدالرشیدرانی ساگری، تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ، مشاہیرعلمائے دیوبند، حکیم الاسلام اوران کی مجالس، حیات مولانا گیلانی، جرم وسزا کتاب وسنت کی روشنی میں، اسلامی حکومت کے نقش ونگار، دارالعلوم کا قیام اوراس کا پس منظر، وغیرہ بہت سی کارآمدکتابوں سے اسلامی کتب خانے کومالامال کیاہے۔

مفتی صاحب نے اچھا کیا کہ اپنی سوانح بھی، اپنی زندگی ہی میں اپنے ہاتھ سے ''زندگی کاعلمی سفر'' کے نام سے لکھ کر علما، طلبہ، اہلِ قلم اورتاریخ کے شائقین کوعلمی تحفے سے نوازکر، ان پربڑا احسان کیا۔ آدمی اپنے حوالے سے جتنی سچی بات خودکہہ سکتا ہے، دوسرا آدمی نہیں کہہ سکتاہے۔ بنیادی اوراصل معلومات بھی جن کے بغیرکسی تاریخ، سوانح اورسیرت کی اَساس قائم نہیں ہوسکتی، آدمی اپنے حوالے سے خودہی فراہم کرسکتاہے۔ دوسروں

کی فراہم کردہ معلومات اتنی لائقِ اعتماد نہیں ہوسکتیں، جتنی خود کی فراہم کردہ، نیز دوسروں کے لیے کسی کے متعلق اساسی معلومات تک پہنچنا مشکل بھی ہوتا ہے، اسی لیے آج کل ''بایوڈاٹا'' (ذاتی بنیادی معلومات) کا جو سلسلہ چلا ہوا ہے، بہت مفید ہے۔

مفتی صاحب کے یگانۂ روزگار اساتذہ

مفتی صاحب نے ہندوستان کے عصرِ حاضر کے سب سے بڑے مُحدث اور اَسماء الرجال کے فاضل یگانہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی متوفی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء جیسے استاذ کے سامنے زانوے تلمذتہ کیا، مولانا علاّمہ سید سلیمان ندویؒ متوفی ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء، امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ متوفی ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء، مولانا عبدالرحمٰن امیر شریعت بہار واڑیسہ متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ متوفی ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ متوفی ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ متوفی ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، مولانا شاہ فضل اللہؒ متوفی ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء، کی صحبت سے نہ صرف فیض پایا، بلکہ ان سے خوب خوب روحانی، علمی اور فکری پیاس بجھائی، اسی لیے نہ صرف یہ کہ ان کا علم شریعت ٹھوس ہے، بلکہ ان کے ہاں فکری استقامت، تجربے کی پختگی اور زبان وقلم کی راست روی کا جو امتیاز نظر آتا ہے، وہ انھی اساطین علم وکمال وطریقت کا فیضان ہے، جو مفتی صاحب نے خدا کی توفیق سے اچھی طرح جذب کیا تھا۔

مفتی صاحب کے پاس چند منٹ بیٹھیے، آپ ان کی گفتگو سنیے، چھوٹے چھوٹے اور سادہ جملوں میں آپ کو زندگی کی ایسی ایسی حقیقتوں سے روشناس کرادیں گے کہ آپ کی آنکھیں کھل جائیں گی اور آپ عَش عَش کرتے رہ جائیں گے اور حیرت ہوگی کہ دیکھنے میں ایسا سیدھا سادہ بوڑھا زندگی، انسان اور کائنات کا اتنا کچھ تجربہ کیوں کر رکھتا ہے۔ اس کے بعد اپنی زندگی میں جتنا کچھ تجربہ کریں گے آپ کے نزدیک مفتی صاحب کی کہی ہوئی بات کی سچائی کی تہیں ایک ایک کرکے کھلتی چلی جائیں گی اور یقین ہوجائے گا کہ جس حوالے سے، انھوں نے جو بات کہی تھی، وہ حرفِ آخر یا پتھر کی لکیر تھی، اب اس سے آگے یا اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

ظاہر وباطن کی یکسانیت

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مفتی صاحب، صرف ظاہر کے سادہ اور نرم خو ہی نہیں، وہ دل کے بھی بہت صاف اور اُس کی بیماریوں سے میرے تجربے کے مطابق خاصے پاک ہیں، کینہ، بغض، دشمنی کے جذبات کی پرورش اور انسانوں سے نفرت کا ان کے ہاں کوئی گزر نہیں۔ انسان ہونے کے ناطے اگر کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی ہوگی، تو میرا دل کہتا ہے کہ اس کی وجہ سے بھی ان کے دل میں پیدا ہونے والا تاثر، آنے اور گزر جانے والے خیال کی طرح آتا اور گزر جاتا ہوگا۔ انسان کا چہرہ اس کے دل کا آئینہ ہوتا ہے، مفتی صاحب کے چہرے کو پڑھنے والا ہر آدمی میری بات کی تصدیق کرسکتا ہے۔

یہ وہ صفت ہے جو تھوڑے علم، علمی تحقیقات اور علمی افادے اور فکری نفع رسانی سے تہی دامنی، بلکہ بالکل جہل کے ساتھ بھی انتہائی محبوب ہوتی ہے، لیکن اگر یہ مفتی صاحب جیسے علمی، فکری، تالیفی اور تدریسی خدمات کے بڑے سرمایے کے حامل میں پائی جائے، تو اور بھی لائق محبت اور قدر دانی ہے، کیونکہ عموماً ان سے بہت چھوٹے قد کے، بہت سے لوگ علمی پندار کی وجہ سے دل کے میلے، ظاہر کے بَرّاق اور باطن کے انتہائی تاریک

ہوتے ہیں۔ آپ یقین جانیے کہ اکثر ''اہلِ علم'' اور ''با کمال'' سے مل کر جی خوش نہ ہوا۔ انھیں برت کر، انھیں سمجھ کر، دل نے کہا کہ واقعی دور کا ڈھول سہانا ہوتا ہے۔ مفتی صاحب سے مل کر، ان کے پاس بیٹھ کر، ان سے گفتگو کر کے، ان سے فائدہ اٹھا کر، کبھی بھی کوئی کدورت نہ ہوئی۔

مخلص وتجربہ کار مشیر

مفتی صاحب کا ایک اور وصف بھی بہت قدر کے لائق ہے کہ آپ ان سے کسی مسئلے میں مشورہ کیجئے، تو بہت صحیح اور ٹھوس مشورہ دیں گے۔ مشورے کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ مشورہ مخلص، صالح اور سن رسیدہ وتجربے کار سے کرنا چاہئے۔ مفتی صاحب میں یہ سارے اوصاف بہ تمام وکمال پائے جاتے ہیں۔ ان سے جب بھی کوئی مشورہ کیا اور مشورے کے بعد اٹھا، تو دل میں انشراح محسوس ہوا اور بعد میں اس پر عمل کیا، تو خیر ہی خیر نظر آیا اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ اپنے اس بندے کو بہت نوازے کہ اس نے مجھے میرے مطلب اور مفاد کی صحیح راہ دکھائی۔

خُردوں کی کام یابی کو اپنی کام یابی تصور کرنے والے

مفتی صاحب کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ خردوں کی کامیابی اور ترقی سے بہت خوش ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کی کامیابی کو وہ اپنی ہی کامیابی تصور کرتے ہیں، یہ بھی ان کے مخلص ہونے کی دلیلوں میں سے ایک ہے اور صحیح انسان، سچا مسلمان اور حقیقی معنی میں مربی ہونے کی ٹھوس شہادت بھی۔ جب کہ بہت سے ''بڑے'' چھوٹوں کی ترقی کو اپنی تنزلی سمجھ کر بے حد رنجیدہ ہوتے ہیں۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بہت سے خرد اور واقعتاً ناچیز قسم کے لوگ بھی نہ صرف اپنے ہم عمروں اور ہم سفروں کے آگے بڑھنے سے ملول ہوتے ہیں؛ بلکہ اپنے بڑوں کے اکتسابات سے بھی بہت افسردہ ہوتے ہیں، جیسے ان بڑوں نے ان کا کوئی حق مار لیا ہو، یا ان کی راہ روک کے بیٹھ گئے ہوں۔

دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ دہلی کی طالب علمی سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تدریس کے دوران، حضرت مفتی صاحب سے میں اور میرے بہت سے ساتھی اس طرح جُڑے رہے، جیسے ایک بیٹا شفیق باپ سے اور ایک سچی طلب رکھنے والا مُریدا پنے حلیم وکریم وتجربے کار وخلوص شعار شیخ سے۔ ان سے غیوبت کے دوران خط وکتابت بھی رہی اور انہوں نے خطوط کے ذریعے بھی ہمیشہ ایسے خلوص ومحبت کا ثبوت دیا، جس کا اب کسی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے بہت سے خطوط میرے پاس محفوظ تھے، جو زمانے کی بُرد برد سے محفوظ نہ رہ سکے، اب چند خطوط رہ گئے ہیں، طوالت کے خوف سے صرف ایک دو خطوط پر اکتفا کیا جاتا ہے، زندگی نے وفا کیا اور خدائے کریم کی توفیق نے ساتھ دیا، تو ان شاء اللہ اپنی خودنوشت میں ان کے باقی ماندہ خطوط بھی درج کیے جائیں گے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میری تدریس کے اوّلین دنوں میں انہوں نے اپنے ایک شفقت نامے کے ذریعے ناچیز کا حوصلہ بڑھایا اور اپنے تعلق خاطر کا اس طرح اظہار فرمایا:

عزیز مکرم! أیّدکم الله تعالیٰ بروح منه

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محبت نامہ ملا، دلی مسرت ہوئی، آپ نے فراموش نہیں کیا، یاد رکھا۔ یہ آپ کے انتہائی خلوص ومحبت کا نتیجہ ہے۔ آپ کے پہلے خط کا جواب لکھا تھا، حیرت ہے نہیں ملا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ آپ کا خط آتا اور اس کے باوجود میں خاموش رہ جاتا۔ یقیناً آپ کو اس سے تکلیف پہنچی ہوگی۔ مگر اس میں میری کیا کوتاہی ہے؟۔ میں تو ہر تذکرے کے

بعد،خود ہی سوچتا ہوں کہ کب آپ کا خط آئے گا۔اس صورت میں ناراضی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟۔ بہ ہر حال اس کا احساس ہے کہ آپ کے قلب میں اس خاک سار کی محبت ہے۔آپ کے خط سے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ آپ پڑھانے بھی لگے ہیں،اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور اسے ترقی کا زینہ بنائے۔اِن شاء اللہ آپ کی طلب ومحنت رائے گاں نہ جائے گی،ثمرہ مل کر رہے گا۔اگر یہ معلوم ہوتا کہ آپ لکھنؤ میں ہیں تو ابھی میں ۸؍دسمبر۱۹۷۲ء کو لکھنؤ سے گزرتا ہوا دیو بند آیا ہوں ضرور لکھنؤ اتر کر ملتا،میں نے سمجھا کہ جب آپ رمضان میں دہلی اور دیو بند نہیں آئے،تو گھر گئے ہوں گے۔آپ یقین کریں جس قدر خواہش آپ کو ملنے کی ہے،اس سے زیادہ قلبی طلب اِدھر بھی ہے اور اسی کا غالباً نتیجہ ہے کہ جواب نہ پہنچنے کے بعد بھی آپ نے پھر یاد کیا۔

عزیزم سجاد احمد سلمہ(۱) فراغت کے بعد گھر گئے تھے،ابھی شوال میں ان کو ’’سانحہ‘‘ بھیج کر آیا ہوں،وہاں وہ میٹرک کی تیاری میں ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں کام یاب فرمائے اور میاں حماد سلمہ(۲) کو جامعہ رحمانی مونگیر بھجوا دیا ہے،اس لیے کہ ’’سانحہ‘‘ سے قریب ہے۔میاں احمد سجاد اس کی نگرانی بھی کریں گے۔البتہ عبّاد سلمہ(۳) کو اپنے ساتھ یہاں لایا۔وہ یہاں حفظ کر رہے ہیں۔

مولانا علی میاں مدظلہ(۴) مولانا سعید الرحمٰن سلمہ (۵) اور مولانا شمس تبریز(۶) سے سلام مسنون عرض ہے۔اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے رہیں۔میرا علمی تعلق ندوہ سے بھی ہے،اس لیے کہ میں وہاں کچھ دنوں طالب علم رہ چکا ہوں،مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ اور مولانا محمد ناظم صاحبؒ اور مولانا اسحاق صاحب دامت برکاتہم(۷) یہ سب ہمارے اساتذہ رہے ہیں،گوندوہ والے یہ نہیں جانتے۔

محمد ظفیر الدین،دارالعلوم دیو بند

شبِ ۶ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۵ء میں حضرت الاستاذ مولانا وحید الزماں کیرانوی پر،ان کے انتقال کے چندماہ بعد راقم نے ان پر تاثراتی کتاب لکھی،تو مفتی صاحب نے اپنا برجستہ تاثر اس پر ذیل کے الفاظ میں،بہ صورتِ مکتوب میرے پاس ایک طالب علم کے ہاتھ کتاب بھیجنے کے دوسرے دن ارسال فرمایا،جو راقم کے لئے ایک وقیع سند کا درجہ رکھتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرِ عزیز(مولانا امینی)سلمہ اللہ تعالیٰ

السّلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،آپ کی تازہ تصنیف لطیف ’’وہ کوہ کن کی بات‘‘ ابھی ایک صاحب سے ملی،سرسری طور پر دیکھ گیا،پسند آئی،خاک سار پر جو حاشیہ لکھا ہے،وہ بھی پڑھا،بلکہ پڑھ کر اپنے عزیز طلبہ کو سنایا۔سبھوں نے پسند کیا اور مجھ پر تو آپ کا شکریہ واجب ہو گیا کہ آپ نے ایک بے مایہ کی عزت افزائی اور قدردانی کا ثبوت دیا،یہ آپ کی محبت کا زندہ وتابندہ ثبوت رہے گا۔**حماک اللّٰہِ عن شر النوائب،جزاک اللّٰہ فی الدارین خیراً۔**

آپ کی کتاب کا لب ولہجہ اور بے ساختگی دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ اگر میرا کوئی ایسا شاگرد ہوتا،تو مرجانے میں فائدہ تھا۔جو بھی آپ کی کتاب پڑھے گا اور اہلِ دل ہوگا،تو وہ ایسے تلمیذ رشید کی سعادت مندی پر لازماً فخر کرے گا اور کہے گا کاش ایسا ہونہار شاگرد مجھے بھی مل جاتا اور میں مرجاتا۔اللہ تعالیٰ آپ کی یہ خدمت قبول فرمائے اور اس کے ثمرے میں کوئی ویسا ہی شاگرد آپ کو بھی عطا کردے۔آمین۔

ہمارے طلبہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک نسخہ (کتاب کا) آپ تک بھیج کر بخل کیا، معلوم ہوتا ہے، یہی حال ان کی کتاب کا تو نہیں ہے کہ تحریر ہی تحریر ہے دل میں نقش نہیں، میں کہتا ہوں ایسی بات نہیں۔ اس کتاب کا ایک ایک جملہ بولتا ہے کہ دل میں ان کے استاذِ محترم کا جو نقش ہے، وہ اس سے بہت زیادہ گہرا ہے، میں استاذ نہیں، لیکن میں ان کو غیر مخلص نہیں جانتا، میرے تو صرف عزیز ہیں۔ والسلام

محمد ظفیر الدین، مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۲/ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

یہ سطریں کل کے مؤرخ اور سوانح نگار کے لیے قیمتی سرمایہ

ان سطروں میں مفتی صاحب کی خوبیوں کا احاطہ ممکن ہے نہ مقصود، یہ چند باتیں برجستہ قلم کی زبان پر آ گئیں، تو میں نے دستورِ زباں بندی پر عمل نہ کر کے قلم کو اپنی باتیں بہ عجلت اس لیے کہنے دی ہیں، تا کہ ہمارے طلبہ اور تحصیل علم کے راہ رو، اپنے ذوق شوق کو مہمیز کر سکیں اور مفتی صاحب کی قدر کرنے کی، انہیں مزید توفیق ہو، تا کہ ان کی شیخوخت سے لبریز زندگی کو غنیمت جان کر، ان سے زیادہ سے زیادہ استفادے کے لیے کوشاں ہوں۔ **و اللہ وحدہ الموفق لکل خیر۔**

نیز کل کے سوانح نویس اور تاریخ نگار کے لیے بھی، یہ باتیں ریکارڈ ہو جائیں، تا کہ انہیں اپنے کام میں سہولت ہو اور مفتی صاحب کے ساتھ ساتھ اس گنہگار کو بھی دعا دے کر اپنے رب سے اپنا بدلہ پا سکیں۔

وہ کوہ کن کی بات میں، ص ۱۲۰۔۱۲۱ پر حاشیے پر، اس راقم نے مفتی صاحب کے متعلق کئی سال قبل جو بات کہی تھی، جی چاہتا ہے کہ اس مضمون کو اسی پر ختم کیا جائے اس لیے ذیل میں وہ ہدیۂ ناظرین ہے:

مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی: مفتی دارالعلوم دیوبند: جہاں دیدہ، نرم و گرم چشیدہ، صائب الرائے، بے تکلف، رحم دل، بات میں سادہ، معانی میں دقیق، اردو کے بے ساختہ اہلِ قلم، بیسیوں کتابوں کے مصنف، خط ایسا پاکیزہ، جیسے موتیوں کی لڑی۔ تاریخ ولادت ۱۳۴۴ھ۔۱۹۲۶ء ہے، ان کا وطن ''پورہ نوڈیہا، ضلع دربھنگہ (بہار) ہے۔۱۹۴۴ء میں مفتاح العلوم مؤ سے فارغ ہوئے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (محدث جلیل) متوفی ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء) کے اخصّ تلامذہ میں ہیں۔ دینی، تاریخی اور سیرت و سوانح کے موضوعات پر بیس سے زائد گراں قدر کتابوں کے مصنف ہیں، تحقیقی مقالات و مضامین ان کے علاوہ ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ جن چند لوگوں کا میرے اوپر جو گراں قدر احسان ہے، ان میں سے ایک ہیں۔ راقم الحروف کے اردو کے مذاق کی تخلیق میں، عجیب نہیں کہ کچھ حصہ ان کا بھی ہو۔ زمانۂ طالب علمی میں ان کی وساطت سے پاکستان سے آمدہ اردو کے ادبی رسالے، اپنے کمرے لے جاتا اور ان سے بہت فائدے اٹھاتا۔ ہم محبانِ ادب طلبہ، روزانہ دن رات میں ایک مرتبہ، ان کے پاس ضرور بیٹھتے اور شوقِ زبان اردو کو بالیدہ کرنے کے ساتھ ساتھ، عقل و خرد کو بھی پختہ کرتے۔

دارالعلوم سے جانے کے بعد، مراسلت کے ذریعے ہمیشہ راہ نمائی کرتے رہے اور مادی و معنوی ہر طرح کی دست گیری سے زندگی کے کسی بھی مرحلے میں دریغ نہیں فرمایا۔ رسمی طور پر میرے استاذ نہ ہونے کے باوجود، استاذ سے زیادہ کچھ **جزاء اللہ خیر الجزاء۔**

❀ ❀ ❀

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

کامیاب مربی، مشہور فقیہ، اور عظیم مصنف

.... ● مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

گزشتہ بیسویں صدی کے چوتھے دہے کی بالکل ابتدا میں، میں مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد شاہی مئو میں ابتدائی مکتب میں داخل ہوا تھا، اس وقت میرے اساتذہ میں پرائمری درجات کے ذمہ دار جناب منشی گدا حسین صاحب فاروقی اور ناظرۂ قرآن کریم کے استاذ قاری عبدالمنان صاحب تھے، بہت جلد چند سالوں میں یہ مرحلہ پورا ہوگیا، پھر عربی درجات میں تعلیم حاصل کرنے کی سعادت اس خاکسار کو حاصل ہوئی اور درجہ اوّل سے لے کر غالباً سال ششم جلالین ومشکوٰۃ اور ہدایہ کے درجہ تک کی ساری کتابیں ۱۹۴۸ء مطابق ۱۳۶۸ھ تک اپنے سبھی جلیل القدر اساتذہ سے پڑھ لیا تھا، ان میں عربی ادب کی کتابیں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ اور درسیات کی جملہ کتابیں اپنے والد مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب اعظمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شمس الدین صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالباری صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمہ اللہ اور بعض دیگر اساتذہ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ فجزاهم الله خيرا كثيراً۔

مفتی صاحب میرے استاذ میرے مربی:

غالباً سال دوم میں علامہ جرجانی کی کتاب ''شرح مائۃ عامل'' کے اسباق حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمہ اللہ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ غالباً ۱۹۴۴ء کا زمانہ تھا، بالکل اسی زمانہ میں مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاح العلوم سے سند فراغ لے چکے تھے اور محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا معاون مدرس کی حیثیت سے مفتاح العلوم میں تقرر فرمالیا تھا، الحمدللہ ان کے طریقہ تدریس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا اور ترکیب نحوی کی مشق کرنے اور اعراب کی صحت کا ادراک حاصل ہوا، مولانا مفتاحی نے بہت خوبی اور وضاحت کے ساتھ یہ کتاب ہم کو پڑھائی۔ فجزاه الله خيرًا كثيرا.

متعدد مدارس میں تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں:

مولانا مفتاحی نے اپنا بیشتر تعلیمی سفر مفتاح العلوم میں پورا کیا، محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے جوہر کو اچھی طرح پہچان لیا تھا؛ اس لیے ان کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص طور سے متوجہ رہے اور حضرت مولانا سے مفتی صاحب کا علمی اور تربیتی تعلق بہت مضبوط ہوا، اور اس شجر سایہ دار؛ بلکہ شجر طوبیٰ کے سایہ میں اپنی علمی شخصیت کو پروان چڑھانے میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، اور اہل علم کی صفوں میں ان کا شمار ہونے لگا، اسی کے ساتھ انھوں نے اپنے استاذ ومربی علامہ اعظمی سے اجازت لے کر دو تین سال تک مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنوء میں تدریسی خدمت انجام دیں، ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم معینیہ سانحہ ضلع

مونگیر میں مدرس ہوئے اور عرصہ دراز تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، ایک سال ڈابھیل ضلع سورت کی جامعہ اسلامیہ میں تعلیمی خدمت انجام دی، لیکن وہاں کی آب وہوا راس نہ آنے کی وجہ سے پھر دارالعلوم سانحہ واپس تشریف لے گئے۔

مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مشورہ سے انھوں نے ۱۹۴۴ء ہی میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، اور تقریباً چھ ماہ بحیثیت طالب علم، یہاں قیام کر سکے، اس دوران وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، مولانا محمد اسحاق ندوی اور مولانا حمید الدین جیسے اساتذہ سے استفادہ کیا اور حضرت مولانا اویس ندوی نگرامیؒ کے مشورہ سے ان کے قصبہ نگرام کے مدرسہ معدن العلوم میں مدرس ہوگئے، اور ایک اچھا تعلیمی اور تربیتی وقت گذارنے کا وہاں موقع ملا۔

دارالعلوم دیوبند میں علمی مشغولیت:

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوکر کئی کتابیں تصنیف کیں، ان میں اسلام کا نظام مساجد، نظام عفت وعصمت خاص طور سے قابل ذکر ہے، ۷ سال تک اس شعبہ سے متعلق رہنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کے مرتب مقرر ہوئے اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب نو کا بیڑہ اٹھایا۔ ۲۱ جلدوں میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندی کے فتاویٰ کی تدوین کی اور یہ فتاویٰ شائع ہوئے، مفتی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے مختلف علمی اور تدریبی شعبوں کی سرپرستی کی اور اس کے ذریعہ سے بہت سے ذہین اور ہونہار طلباء کے اندر علمی اور تفسیری مطالعہ کا شوق پیدا کیا، اور انھوں نے ان کی بہترین رہنمائی میں اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا، دارالعلوم کے بہت سے شعبوں کو اپنی صلاحیتوں سے مالا مال کیا، دارالافتاء میں مفتی کا منصب آپ کو عطا کیا گیا، رسالہ ''دارالعلوم'' میں اداریہ لکھنے کے فرائض بھی آپ نے انجام دیے، اور ۱۴۲۹ھ میں دارالعلوم کے ساتھ سبکدوشی کی درخواست کی، اور اپنے وطن عزیز میں قیام فرمایا۔

مفتی صاحب مرحوم نے ہر اعتبار سے ایک کامیاب استاذ، انشاء پرداز اور افتاء میں مہارت کے ساتھ ساتھ جملہ دینی اور اخلاقی صفات کے ساتھ زندگی گذاری، وہ تعلیم وتربیت کے فن سے نہ صرف واقف تھے؛ بلکہ وہ اس فن سے پوری طرح مسلح تھے اور حدیث وفقہ کی کتابوں کو درجات علیا میں پڑھانے کی استعداد کامل رکھتے تھے۔

مفتی صاحب کے قابل صد افتخار اساتذہ:

مفتی صاحب کے اساتذۂ کرام میں سرفہرست محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحم اللہ علیہ، جن کے زیر تربیت رہ کر مفتی حاصل نے عالمانہ زندگی کا درس حاصل کیا، مطالعہ کی گہرائی، مسائل میں باریک بینی، ائمہ اسلام کی حیات وخدمات کا مطالعہ، علم دین کی اہمیت کے ساتھ حسنات دنیا سے پوری واقفیت، یہ ساری چیزیں حضرت محدث جلیل کی تربیت میں رہ کر ان کو سیکھنے کا خوب موقع ملا، ان کے دیگر اساتذہ کرام میں حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ جیسی نادرۂ روزگار ہستیاں شمار کی جاتی ہیں۔

برادر مکرم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب سے بے تکلفانہ مراسم:

دوران قیام دارالعلوم دیوبند مفتی صاحب مرحوم کا محبانہ تعلق ہمارے برادر اکبر حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ سے بہت بے تکلّفانہ تھا، اکثر یہ حضرات مجلسوں کی زینت بنتے تھے اور اپنے علم وآگہی سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے، اور صدق دلی کے ساتھ یہ دونوں حضرات اخیر تک ایک دوسرے سے برادرانہ اور محبانہ تعلق میں مشہور تھے، حکیم صاحب مرحوم اپنی چائے کی مجلسوں میں اکثر مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دیتے اور شرکت کرنے کی درخواست کرتے تھے، مفتی صاحب انتہائی خوشی اور انبساط کے ساتھ تشریف لاتے، اور جب تک وقت ساتھ دیتا علمی، دینی اور ادبی معلومات میں تبادلہ خیال کرتے اور زندہ دلی اور فوائد علمیہ کی ایک بہتر فضا قائم کر کے ایک دوسرے سے جدا ہوا کرتے تھے، مختلف مواقع پر حکیم صاحب مرحوم مفتی صاحب کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور وہیں ایک لطیف اور مفید مجلس منعقد ہو جایا کرتی تھی، بے تکلفی کے ساتھ ایک دوسرے کا احترام واعتماد مجلس کی زینت میں اضافہ کا باعث بنتا تھا اور جملہ اہل تعلق اس سے مستفید ہوتے تھے۔

مفتی صاحب نے تاحیات اپنے بنیادی ادارے مفتاح العلوم مئو سے مخلصانہ تعلق قائم رکھا، حضرت محدث جلیل کے مشورہ سے وہاں کی تعلیمی اور ادبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا کرتے تھے، جب بھی کوئی اہم موقع ہوتا، مفتی صاحب وہاں بلائے جاتے تھے، مفتاح العلوم کے ایک عظیم جلسہ تقسیم اسناد میں جو غالباً ۱۹۵۳ء میں جامع مسجد کے وسیع میدان میں ہوا، مفتی صاحب نے جلسہ کے تنظیمی امور میں خاطر خواہ حصہ لیا اور اپنے استاذ ومربی حضرت محدث اعظمی کی ہدایات کے مطابق وہاں کی سرگرمیوں میں مشغول رہے، مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد جہاں کہیں بھی تعلیمی اور تربیتی اعتبار سے قیام کیا، برابر محدث اعظمی سے رابطہ رکھا، اور ان کی ہدایات کے مطابق کام کیا، ان کی وفاداری کا حال یہ تھا کہ جب بھی وہ اپنے وطن جاتے یا وہاں سے واپس ہوتے مربی جلیل اور اساتذہ کرام کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے مئو میں بریک جرنی (JourneyBreake) کرتے، یا مزید کچھ وقت گذارنے کے بعد اپنے وطن واپس جاتے، محدث اعظمی سے اپنے خاص الخاص تعلق کی بنا پر ان سے تعلق رکھنے والے ہر فرد سے اور ان کے خاندان کے جملہ افراد سے مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کی صدارت:

دارالعلوم دیوبند میں قیام کے دوران وہاں کے دارالافتاء میں مفتی دارالعلوم کے منصب پر فائز ہوئے تو اسلامی فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ذمہ داروں نے ان سے درخواست کی کہ اس اکیڈمی کے رئیس کا منصب قبول فرما کر اپنی ہدایات اور مشوروں سے اس کے لیے ترقی کی راہ عمل تجویز فرمائیں، اور اپنی تجاویز سے ارکان اکیڈمی کو مستفید فرمائیں، الحمدللہ انھوں نے اس پیش کش کو قبول فرمالیا اور تاحیات اکیڈمی کے منصب صدارت پر فائز رہے، اکیڈمی کے سکریٹری جنزل حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہیں اور سیمینار کے انعقاد کے سکریٹری حضرت مولانا عبید اللہ الاسعدی ہیں، جب تک صحت نے ساتھ دیا، مفتی صاحب نے سیمیناروں میں شرکت فرمائی اور اپنی نگارشات اور تقریروں سے فقہ اسلامی کی روشنی میں مسائل جدیدہ کا حل تلاش کرنے کی لوگوں کو دعوت دی، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اہم ترین ارکان میں تھے، اور

فقیہانہ بلندی سے مسائل اور بورڈ کے سیمیناروں اور اجلاس کے ایجنڈے پر غور کرکے اپنی رائے دیا کرتے تھے اور بورڈ کے سبھی جلسوں میں شرکت فرماتے تھے۔

ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی کی تیاری میں مفتی صاحب کی سرگرمی:

مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی ندویؒ نے ۱۹۷۵ء میں ندوۃ العلماء کا پچاسی سالہ جشن منعقد کرنے کا فیصلہ فرمایا اور مجلس انتظامی نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی تو ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود مخطوطات کا تعارف لکھنے کے لیے حضرت مولانا کی نظر انتخاب مفتی صاحب مرحوم پر پڑی، اور دارالعلوم کے ذمہ داروں سے خط وکتابت کرنے کے بعد ان کو کم از کم دو مہینے تک ندوہ میں قیام کرنے کے لیے بلالیا، اس موقع پر مفتی صاحب سے جب میں ملا تو انھوں نے بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ سعید الرحمٰن! میں اب تمہارا مہمان ہوں، میں نے عرض کیا: میرے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے؛ چنانچہ ندوہ کے دوران قیام اور پچاسی سالہ اجلاس کی تیاریوں کی مشغولیت کی بنا پر بہت زیادہ خدمت کا موقع نہ مل سکا، مختلف مواقع سے دارالعلوم سے باہر اپنی قیام گاہ پر تشریف لے چلنے کی درخواست کیا کرتا تھا؛ تاکہ وہاں دوپہر کا کھانا نوش فرمائیں اور کھانے کے بعد عصر تک آرام فرمائیں، الحمدللہ اس طرح کے مواقع اُن اوقات میں بھی پیش آتے، جب وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی میٹنگ یا اجلاس کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء، دیگر ارکان اور علماء کے ساتھ تشریف لایا کرتے تھے، کئی اہم حضرات سے وہ اپنی خاص شفقت کے ساتھ میرا تعارف کراتے اور انتہائی شفقت کے ساتھ یہ بھی فرماتے کہ سعید الرحمٰن میرے شاگرد ہیں، مجھے بہت خوشی ہوتی تھی اور جی چاہتا تھا کہ میں مفتی صاحب کے قدموں میں رہ کر زندگی گذاروں۔

احقر پر مفتی صاحب کی شفقت:

اجلاس ندوۃ العلماء کے دوران قیام، مفتی صاحب کو یہاں کی آب وہوا اور کھانا موافق نہیں آتا تھا، ہم نے گذارش کی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے گھر کا پکا ہوا روکھا سوکھا کھانا آپ کی خدمت میں لایا کروں، لیکن انھوں نے مجھے اس کی مستقل اجازت نہیں دی؛ اس لیے مواقع کے انتظار میں رہا کرتا تھا؛ تاکہ مفتی صاحب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا موقع ملے، انھوں نے مجھے ہر موقع پر بہت دعائیں دیں اور ان کی دعاؤں سے مجھے فائدہ پہنچا، مجھے یاد ہے کہ کئی بار مفتی صاحب نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کچھ طلباء کے داخلہ کے سلسلے میں مجھے خط لکھا اور میں نے اس کی تعمیل کرنے کی پوری کوشش کی، ندوہ کے تمام ذمہ دار حضرات اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب کا بہت احترام اور خاص خیال فرماتے تھے۔ کسی موقع سے جب یہاں تشریف لاتے تو ان کے قیام وطعام کا خاص اہتمام فرمانے کا حکم فرماتے اور اکثر مجھ سے فرماتے کہ دیکھو! مفتی صاحب کا خیال رکھنا۔

مفتی صاحب کے صاحبزادگان:

مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب احمد سجاد قاسمی صاحب اپنے وطن کے قرب وجوار میں کسی ہائی اسکول میں استاذ ہیں، دوسرے صاحبزادے جناب حماد میاں صاحب جامعہ رحمانی مونگیر سے فارغ ہوئے اور تیسرے صاحبزادے جناب عباد میاں صاحب مفتی صاحب کے ساتھ رہتے تھے، انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں حفظ کیا۔

مفتی صاحب کے خط کا ایک حصہ جو انھوں نے۱۳۹۲ھ یعنی آج سے چالیس سال پہلے برادرمکرم حضرت مولانا نورعالم صاحب امینی کی خدمت میں بھیجا تھا، اس کا ایک حصہ نقل کرنا یہاں مفید ہوگا؛ اس لیے ان کی کتاب ''پس مرگ زندہ'' سے مفتی صاحب کے خط کا یہ ٹکڑا نقل کیا جارہا ہے۔

''عزیزم احمد سجاد سلّمہٗ فراغت کے بعد گھر گئے تھے، ابھی شوال میں ان کو ''سانحہ'' بھیج کر آیا ہوں، وہاں وہ میٹرک کی تیاری میں ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں کامیاب فرمائے اور میاں حماد سلّمہٗ کو جامعہ رحمانی مونگیر بھجوادیا ہے؛ اس لیے کہ سانحہ سے قریب ہے، میاں احمد سجاد اس کی نگرانی بھی کریں گے؛ البتہ عباد سلّمہٗ کو اپنے ساتھ لایا، وہ یہاں حفظ کررہے ہیں۔

مولانا علی میاں مدظلہ، مولانا سعید الرحمٰن سلّمہٗ اور مولانا شمس تبریز سے سلام مسنون عرض ہے، اپنی خیریت سے برابر مطلع کرتے رہیں، میرا علمی تعلق ندوہ سے بھی ہے، اس لیے کہ میں وہاں کچھ دنوں طالب علم رہ چکا ہوں، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ناظم صاحب اور مولانا اسحاق صاحب دامت برکاتہم، یہ سب ہمارے اساتذہ رہے ہیں، گو ندوہ والے یہ نہیں جانتے''

طالب دعا

محمد ظفیر الدین، دارالعلوم دیوبند

شب ۶ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ''

سانحہ وفات:

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۳ مارچ ۲۰۱۱ء ۸۵ سال اور ۲۵ دن اس دارفانی میں اپنے علم وتقویٰ اور تواضع، وسعت نظر اور بلندی فکر کی ایک مثال قائم کرکے راہیِ دار آخرت ہوئے اور علمی دنیا میں ایک ایسا خلا پیدا کرگئے جو مشکل سے پر ہوتا ہے، اور علم وعمل کی دنیا میں اس کو ایک بڑے نقصان سے تعبیر کیا جاتا ہے:

مت سہل ہمیں سمجھو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کے درجات بہت بلند فرمائیں، انھوں نے علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ اللہ کے دین اور اس کی شریعت اور کتاب وسنت کے علم کو پھیلانے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے اور دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی جو سعی بلیغ کی ہے، اللہ اس کو قبول فرمائیں اور دارآخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور جنت الفردوس کی بہاروں سے پوری طرح سرفراز فرمائیں۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا شاید مناسب ہو کہ مفتی صاحب کے مفتاح العلوم مئو کے زمانہ تعلیم میں حضرت محدث جلیل شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے، اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی علوم اسلامیہ کے درجات علیا میں استاذ ومربی تھے، اور میرے والد ماجد حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمی مفتاح العلوم کے ناظم اور علوم دینیہ وعقلیہ کے استاذ تھے اور دیگر بڑے اساتذۂ کرام کا ذکر اس مقالہ میں واضح طریقہ سے آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو غریق رحمت فرمائیں اور ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرماکر جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائیں، آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وآصحابه آجمعین۔

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

چراغ باد صبا نے بجھائے ہیں کیا کیا

.... ● نسیم اختر شاہ قیصر

اب کہاں واصفؔ ملیں گی وہ گذشتہ صحبتیں
اب وہ باتیں سربسر خوابِ پریشاں ہوگئیں

میری خوش قسمتی یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالب علمی میں کچھ ایسے لوگوں اورافراد کو دیکھنے کا موقع ملا جو اپنی نظیر آپ تھے۔اور یہ صرف ایک فرد کی بات نہیں بلکہ جماعت کی جماعت ایسی تھی جسے اللہ نے خصوصی کمالات اور امتیازات سے نوازا تھا ہر زاویہ سے ان کی زندگی قابل رشک تھی علم وفضل، کردار وعمل، حسن اخلاق، حسن سلوک، رواداری ومروّت جن کے خمیر میں پڑی ہوئی تھی اور یہ لوگ اس نسل سے تعلق رکھتے تھے جن کے یہاں دوسروں کے کام آنا، معاون بننا اور دکھ درد میں شریک ہونا اوّلین فریضہ کی حیثیت رکھتا تھا تصنع وبناوٹ سے یہ لوگ کوسوں دور تھے اور کسی کو نقصان پہنچانے کا کوئی جذبہ سرے سے تھا ہی نہیں۔شرافت، انسانیت اور آدمیت نے ان کے گرد اس طرح بسیرا کیا تھا کہ ان کا نفس انھیں کسی ایسی بات اور عمل پر نہیں ابھارتا تھا جو کسی کی تکلیف یا معمولی اذیت کا سبب بنے، سب اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کرتے تھے اور دوسروں کے لیے بھی ان کی یہی خواہش رہتی تھی۔مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں کیا جا سکتا ہے جو اپنی ذات پر دوسروں کو فوقیت دیتے تھے اور خاموشی ویکسوئی کے ساتھ کاموں میں مشغول رہتے تھے۔میری عمر اس وقت تقریباً چار پانچ سال رہی ہوگی جب مفتی صاحب دارالعلوم میں آئے ہوں گے یا شاید اس سے بھی چند سال پہلے۔اور اسی وقت سے انہیں دیکھنے، سننے اور ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملنے لگا۔وہ دارالعلوم دیوبند میں ملازم ہوکر آئے تو ان کی ملازمت کے سلسلے میں والد مرحوم مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر کی دلچسپی اور کوشش شامل تھی۔دارالعلوم دیوبند کو اس وقت ترتیب کتب خانہ کے لیے کسی عالم اور مستعد آدمی کی ضرورت تھی جس کی جانب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو والد مرحوم نے توجہ دلائی اور حکیم الاسلامؒ نے مفتی صاحب مرحوم کی صلاحیت، قابلیت اور کمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو دارالعلوم دیوبند میں آنے کے لیے کہا اور وہ باقاعدہ دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے۔

ان کے دیوبند پہنچنے سے پہلے ہی رسالہ دارالعلوم دیوبند میں ان کے مضامین ومقالات شائع ہوتے رہتے تھے اور یہی والد مرحوم سے ان کے تعلق کی بنیاد تھی، پہلے اور پھر بعد کے ملازمت کے عرصے میں ان کے لاتعداد مضامین اور مقالات اور کتابوں وغیرہ پر تبصرے خوب شائع ہوئے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ وہ دارالعلوم دیوبند کا اداریہ بھی لکھنے پر مامور ہوئے اور سترہ سال تک وہ والد مرحوم کی ادارت کے زمانہ میں اداریے سپردِ قلم کرتے رہے۔اس طرح ان کا والد مرحوم اور میرے خاندان سے ابتدا سے ہی ایک مضبوط اور گہرا تعلق قائم ہوگیا وہ

پابندی کے ساتھ رسالہ دار العلوم کے دفتر میں آتے اور کافی وقت وہاں گزارتے پھر یہ سلسلہ دراز ہوتے ہوتے ان کی آمد گھر تک ہوگئی اور گھر بھی وہ عصر کے بعد آتے اور اکثر مغرب اور عشاء کی نمازیں وہیں ادا فرماتے۔ان کے ساتھ تشریف لانے والے لوگوں میں حضرت الاستاذ مولانا محمد حسین بہاریؒ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ مولانا سید محبوب رضویؒ مولانا مفتی شکیل قاسمی سیتاپوریؒ وغیرہ شامل ہیں۔ کچھ حضرات مغرب کی نماز پڑھ کر رخصت ہو جاتے کچھ عشاء کی نماز ادا کر کے چلے جاتے تنہا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ تھے جو بعد نماز عشاء کئی گھنٹے ٹھہرتے اور ان کی گفتگو جاری رہتی مفتی صاحبؒ کو اللہ نے بڑی صلاحیت کا مالک بنایا تھا اور ان کا مطالعہ نہایت وسیع تھا مشکل سے مشکل موضوعات پر وہ لکھنے کے عادی تھے اور جو کچھ لکھتے پوری تحقیق کے بعد لکھتے۔موضوع کے اعتبار سے مضامین کافی طویل اور پھیلے ہوئے ہوتے جو بسا اوقات کئی کئی قسطوں میں شائع ہوتے اسی زمانے میں مختلف موضوعات اور شخصیات پر منعقد ہونے والے سمیناروں میں بحیثیت مقالہ نگار ان کی شرکت لازمی تھی گو وہ زمانہ زیادہ سمیناروں کا نہیں تھا مگر امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ مختلف عنوانات کے تحت مفتی صاحب مرحوم سے کام لیتے اور ان کے کام پر اطمینان کا اظہار فرماتے۔امارتِ شرعیہ بہار اور مسلم پرسنل لاء بورڈ نے ان سے انتہائی نازک اور حساس مسائل پر بہت سی چیزیں لکھوائیں اور مفتی صاحبؒ نے انھیں شرح وبسط کے ساتھ لکھا۔

مفتی صاحبؒ کا اپنا ایک اسلوب تھا جو سادگی سے عبارت تھا مگر ان کی تحریریں رواں ہوتی تھیں ۔کہیں الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں۔اپنی بات نہایت خوبی اور سلیقے کے ساتھ ادا کرتے تھے۔زمانہ طالب علمی میں ہی ندوۃ المصنّفین دہلی سے شائع ہونے والی سیرت پر ان کی ایک کتاب پڑھنے کا موقع ملا جس میں مفتی صاحبؒ کا رنگ ہی دیگر ہے۔نہایت شگفتہ اور شاداب تحریر خالص ادبی رنگ لیے ہوئے مگر ساتھ ساتھ صحت واقعات کا بھرپور اہتمام۔کتاب پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ مفتی صاحبؒ کے قلم کا شاہکار ہے۔ہر جملے سے ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت، محبت، تعلق، دلی وروحانی وابستگی کا ایسا نقش ابھرتا ہے کہ مفتی صاحبؒ اپنے تمام تحریروں کے مقابلے میں اس مقام پر الگ کھڑے دکھائی دیتے ہیں یہ کتاب انھوں نے پورے جذبے کے ساتھ لکھی کافی کتابیں ان کی بازار میں آئیں اور اہل علم کے یہاں انھیں قدر کی نظر سے دیکھا گیا۔ذاتی اعتبار سے مفتی صاحبؒ سادہ اور شریف انسان تھے اور یہ سادگی ان کی گفتگو، ان کے لباس ان کے رہن سہن، ان کے معاملات سب سے عیاں تھی۔ان کو دور سے دیکھنے والا یہ اندازہ ہی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ شخص اتنے کمالات کا مالک ہے۔بڑے خاموش اور گوشہ گیر انسان تھے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ان کا نصب العین تھا۔ضیاع وقت کو کامیاب زندگی کے لیے یا کسی بھی انسان کے لیے زہر قاتل سمجھتے تھے اور اپنے شب وروز کو انھوں نے اس طرح سے تقسیم کیا ہوا تھا کہ کاموں کا ہجوم بھی نہ ہوتا اور وہ آسانی اور سہولت کے ساتھ اپنے تمام کام پورا کرلیتے۔

85 سال کی عمر میں وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے اپنی زندگی میں انھوں نے بے شمار بڑے انسانوں کو دیکھا اور ہر شخص سے کچھ نہ کچھ حصہ پایا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی ایک

عالم کی زندگی تھی۔ ایک ایسا عالم کہ جس کے یہاں علمی دینی اور تحقیقی کاموں کے علاوہ اور کسی کام کی گنجائش نہ تھی۔ ان کے تین صاحبزادے دارالعلوم دیو بند میں پڑھتے تھے مولانا احمد سجاد قاسمی، مولانا حماد قاسمی، ہم سے عمر میں بڑے بھی تھے اور تعلیمی اعتبار سے سینئر بھی۔ تیسرے صاحبزادے ڈاکٹر ابوبکر عباد بھی پڑھ رہے تھے مگر وہ مجھ سے کافی چھوٹے تھے دونوں بڑے صاحبزادے بہار ہی میں درس وتدریس سے وابستہ ہیں اور ڈاکٹر ابوبکر عباد دہلی میں مقیم ہیں اور ان کے مضامین ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ میرا تعلق عمر کے فرق کے باوجود مولانا حماد قاسمی سے رہا۔ میں ان کے اور وہ میرے گھر کے فرد کی حیثیت سے لگ بھگ دس سال ساتھ رہے۔ مفتی صاحبؒ اس اعتبار سے خوش قسمت تھے کہ اللہ نے انھیں سنجیدہ، صالح اور فرماں بردار اولاد عطا فرمائی تھی اس میں ان کی تربیت اور محنت کا بھی بڑا دخل رہا اور آج تینوں ہی لڑکے مضبوط روزگار اور معاش کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

مفتی صاحبؒ کی ذات سے وابستہ کتنی یادیں ہیں کہ جن پر اگر نظر ڈالیں تو دفتر کے دفتر تیار ہو جائیں۔ ان کی رہائش دارالعلوم دیو بند کے ایک کمرے میں تھی اور ہمارا اکثر ان کے کمرے پر جانا ہوتا۔ وہ اگر موجود ہوتے تو کچھ لکھتے ہوئے دکھائی دیتے یا پھر کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف ہوتے۔ کبھی میں نے انھیں ان دو حال سے خالی نہیں پایا الا یہ کہ وہ کچھ ساعتوں کے لیے کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئے ہوں۔ انھیں کے کمرے کے قریب حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ اور مولانا بدرالحسن قاسمی مقیم حال کویت کی بھی رہائش گاہ تھی اور تینوں کا تعلق بڑا قریبی تھا۔ اس طرح مفتی صاحبؒ کے یہاں حاضری ہوتی تو ان دونوں حضرات سے ملنے اور ان کے قریب بیٹھنے کے مواقع ملتے رہتے۔ مضمون نگاری کے ابتدائی دور میں مفتی صاحبؒ سے اصلاحِ مضامین کا تعلق بھی قائم ہوا۔ مگر مفتی صاحبؒ کی یکسوئی اور تنہائی پسندی و مصروفیت کی بناء پر یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا۔ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی اور ذہنی تربیت کا مفتی صاحب کو خاصہ ملکہ تھا اور وہ چاہتے تھے کہ نئی نسل ایک کارآمد اور کامیاب زندگی گزارے۔ خود چوں کہ ان کا مزاج یہی تھا اس لیے ہر شخص کے لیے ان کی سوچ یہی تھی۔ ان کا اصل تعلق تو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا اور ان کے وصال کے بعد انھوں نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے یہ رشتہ استوار کرلیا تھا مگر چوں کہ طبیعت میں انتہائی سادگی اور خود کو چھپانے کی عادت تھی اسی وجہ سے بیعت وخلافت کی راہ اختیار نہیں کی۔ حالاں کہ حکیم الاسلام کی جانب سے انھیں اجازت حاصل تھی۔ انھوں نے بہت اچھی اور کامیاب زندگی گزاری اور کوئی موقع اپنی گفتگو، رکھ رکھاؤ سے ایسا نہیں آنے دیا کہ کوئی ان سے کبیدہ خاطر ہوا ہو۔ وہ طوفان جو 1980 کے بعد دارالعلوم دیو بند میں آیا اور جس میں بڑے بڑے بہہ گئے مفتی صاحبؒ اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے اور ان کی زبان وقلم سے کوئی جملہ اور لفظ ایسا ادا نہیں ہوا جس سے کسی کی تحقیر اور تضحیک ہو۔ دونوں جانب ان کا تعلق برابر رہا اور ان تعلقات کو انھوں نے ملازمت سے کبھی متاثر نہیں ہونے دیا۔ یہ ان کی صالح طبیعت اور اعتدالِ فکر کا نتیجہ ہے جس سے ان کے مزاج اور طبیعت تک آسانی کے ساتھ رسائی حاصل ہوتی ہے۔

کتب خانہ کی ترتیب کے بعد فتاویٰ دارالعلوم دیو بند

کی ترتیب ان کے ذمہ کی گئی۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے فتاویٰ ہیں، جو مفتی صاحبؒ کی محنت، لگن، صلاحیت اور کاوش کا نتیجہ ہیں 12 ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے چھپ چکے ہیں اور اس کے متعدد ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔ اپنی ملازمت کے آخر زمانہ میں وہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے مفتی کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں رہے اور یہاں رہ کر بھی ان کی صلاحیتوں کی روشنی بکھری رہی۔ مفتی صاحبؒ جیسے لوگ دیر سے وجود میں آتے ہیں اور جب دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو ان کی کمی کا احساس بہت دنوں تک باقی رہتا ہے اور یہ احساس دن گزرنے کے ساتھ اس لیے دو چند ہو جاتا ہے کہ جو جگہ وہ چھوڑ کر گئے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ وہ جگہ ہمیشہ ہی خالی رہے گی۔ ان کا بدل مشکل سے سامنے آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو ان روایتوں اور اداؤں سے خالی ہوگا جو مفتی صاحبؒ کے ساتھ خاص تھیں اور جنھیں وہ اپنے ساتھ لے کر رخصت ہو گئے۔ پرانے لوگ تیزی کے ساتھ بساطِ حیات سمیٹ رہے ہیں اور ہر دن کسی بڑے کی دنیا سے روانگی کا سانحہ اس کچھ طرح پیش آتا ہے جیسے رات کے اندھیروں کو اپنی روشنی دینے والے چراغ صبح دم بجھ جاتے ہیں مگر انھیں چراغوں سے ہزاروں چراغ جلتے ہیں جو اندھیروں کے مقابل اپنے وجود کا احساس دلاتے ہیں۔

وہ جن کی لو سے ہزاروں چراغ جلتے تھے
چراغ بادِ صبا نے بجھائے ہیں کیا کیا

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی کے سانحہ ارتحال پر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کا اظہار تعزیت

موت برحق ہے، اس کے خونخوار پنجے سے آج تک نہ کوئی بچا ہے اور نہ کوئی بچ سکتا ہے، مگر کچھ شخصیات کی موت پر ان کے عظیم کارناموں اور بے نظیر خدمات کے باعث زمانہ آنسو بہانے پر مجبور ہوتا ہے۔ انہی عبقری شخصیات میں ایک نام حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاویٰ دارالعلوم و مفتی دارالعلوم دیوبند کا ہے جو گزشتہ دنوں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ حضرت مفتی صاحب کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کے بانی و مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کی موت، **موت العالم موت العالم** ' کے حقیقی مصداق ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک ایک باوقار عہدہ پر فائز رہنے کے باوجود ان کی زندگی میں جو سادگی اور نفاست تھی وہ معاصرین علماء میں ان کو ممتاز و ممیّز کرتی ہے۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ حضرت مفتی صاحب کی علمی، دینی اور تصنیفی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے، خاص طور سے فقہ اسلامی اور اصلاح معاشرہ کے تعلق ان کی کاوشوں کی ایک طویل فہرست ہے، اپنے ان نیک کارناموں کے سبب آپ ہمیشہ یاد رہیں گے۔ حضرت مفتی صاحب کی ایک درجن سے زائد علمی تصانیف ہیں مگر فتاویٰ دارالعلوم اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب آپ کی مرہون منت ہے۔ اسی طرح مجموعہ قوانین اسلامی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ترتیب انتھک کوششوں اور جہد مسلسل کا ثمرہ ہی نہیں بلکہ ان کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ اللہ رب کریم ان کارناموں کو مغفرت اور جنت الفردوس میں داخلہ ذریعہ بنائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

❁ ❁ ❁

مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

جہد مسلسل سے عبارت رہی زندگی

● فضیل احمد ناصری القاسمی

مارچ کی 31ویں تاریخ تھی، دارالعلوم وقف دیوبند کے احاطے میں غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد تھا، اسی جلسے میں شرکت کے لیے وہاں موجود تھا، بالکل خالی الذہن، جلسہ حسب روایت چل رہا تھا، اسی دوران کہ اب ''حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثالی شخصیت'' کی رسم اجراء ہوگی، اس کتاب کے مصنف مولانا احمد سجاد قاسمی ہیں، یہ کتاب صد سالہ اجلاس کے موقع پر لکھی گئی تھی اور اس وقت چھپی بھی تھی، لیکن اب نایاب تھی، مصنف کتاب آفتاب فقہ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے صاحب زادے ہیں، میں چونکا کہ اناؤنسر صاحب کیا بول رہے ہیں، وہ ہوش میں بھی ہیں یا نہیں، دو تین ثانیے کے بعد وہ خود ہی بولے کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج ہی وہ مرحوم ہو گئے ہیں، پہلے صرف چونکا ہی تھا، اب بھونچکا رہ گیا، بجلی کی چکا چوندھ اور اجلاس کی رنگینیاں کوئی کام نہ آسکیں، آنکھوں کے سامنے جو اندھیرا چھایا تھا اس کی سنگینی کچھ ایسی ہی تھی، غم واندوہ کے ساتھ رات بسر ہوئی، صبح ہوئی تو مرحوم کی یادیں تھیں اور صدمات کے سائے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے نام وکام سے آشنا پہلے سے تھا اور اس وقت سے جب کہ زلف نے پریشانی کا خواب بھی نہ دیکھا ہوگا، استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد ابوبکر قاسمی مفتی واستاذ مدرسہ اسلامیہ شکرپور بھروارہ (دربھنگہ) کے کمرے میں ایک کتاب دیکھی، جس کا نام تھا ''حیاتِ مولانا گیلانی'' نئی کتابوں کو الٹنے پلٹنے کا شوق بچپن سے رہا ہے، وہ کتاب پڑھی تو معلوم ہوا کہ اپنے عہد کے ایک صاحب طرز ادیب اور اردو زبان وادب میں علمائے دیوبند کے نمائندہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی سوانح ہے، جو مفتی ظفیر الدین مفتاحی نامی کسی عالم کے قلم سے ہے، شعور کی نمود ہی کا دور تھا، ابھی اس کی پختگی کا کوئی سوال نہ تھا، لیکن محسوس ہوا کہ صاحب کتاب نے صاحب سوانح کو جس رنگ میں پیش کیا ہے، وہ بڑا جاذب اور گہرا رنگ ہے، اس میں سہل نگاری کے ساتھ سحر طرازی بھی ہے، عقیدت ومحبت کی چمن آرائی بھی ہے، معلومات کی فراوانی بھی ہے، شیریں زبانی کے دل کش نمونے بھی ہیں، کتاب کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہ درحقیقت مولانا گیلانی کے تحریری رشحات ہیں، ان رشحات کے ساتھ مصنف کی پیوند کاری اتنی دل کشا معلوم ہوئی کہ میں نہ صرف مصنف کی قلمی بانکپن کا معتقد ہوا بلکہ نادیدہ طور پر ان کی اہم شخصیت کا علمی مرید بھی ہوگیا۔

ان کی اس کاوش کے بعد ذہن نے ان کی شخصیت کا جو خاکہ تراشا اس میں ہر طرح کا رنگ تھا، علم وفہم بھی، رعب وداب بھی، جلال وجمال بھی، صدق وصفا بھی، لیکن 1996 میں بصیغہ طالب علمی جب دارالعلوم پہنچا اور ان کی پہلی بار زیارت ہوئی، تو یقین ہی نہیں آیا کہ مفتی ظفیر الدین مفتاحی نامی عبقری روح جسم کے جس قفص عنصری میں بسیرا کرتی ہے وہ اس شان اور اتنی سادگی کا پیکر

ہوسکتا ہے، ایسا لگتا تھا کہ جس خاکی تن پر مفتی مذکور کا اطلاق ہوتا ہے اس کا حقیقت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے جو کچھ ہے سب مجاز ہے۔

ترا رعبِ علم و کمال تھا جو ہمیشہ صیغۂ راز میں
کوئی کم نظر نہ سمجھ سکا کہ ہے کیا لباسِ مجاز میں
(عنبر ناصری)

مفتی صاحبؒ کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت رہی، 7 مارچ 1926 مطابق 21 شعبان 1344ھ میں صوبہ بہار میں واقع ضلع دربھنگہ کے ایک قصبہ پورہ نوڈیہہ میں انھوں نے آنکھیں کھولیں، تین چار سال کی عمر ہوئی کہ مکتب کی آمد ورفت انھوں نے شروع فرمادی، پانچ سال کے ہوئے تو گاؤں سے دور بہت دور اپنے چچازاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ امیر شریعت خامس بہار واڑیسہ کی معیت میں مدرسہ محمودیہ راج پور ترائی نیپال کے لیے رخت سفر باندھا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب اس مدرسے کے صدرالمدرسین تھے، غور کیجیے، اتنی کم سنی میں اقامتی ادارہ میں رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے، ایک کم سن بچہ اس وقت خود کو غریب الدیار سمجھتا ہے، لیکن انھوں نے دل جمعی کے ساتھ پڑھا اور اس وقت تک منہمک رہے جب تک انھوں نے اپنی طالب علمی کا زمانہ ختم نہیں کرلیا، اپنی خودنوشت سوانح ''زندگی کا علمی سفر'' میں انھوں نے لکھا ہے کہ فراغت کے بعد خیال آیا کہ اب آرام کرنے کا موقع ملے گا لیکن زندگی کے دوسرے جھمیلے کسی کو کب چھوڑتے ہیں، پھر انھوں نے اپنی جدوجہد بھری زندگی کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی سنگریزے کو ہیرا بننے میں صرف سال دو سال کافی نہیں ایک عرصۂ دراز درکار ہوتا ہے، ہر طرح کی ٹھوکریں کھانے اور چیلنج قبول کرنے کے بعد ہی کامیابی کی منزل ہاتھ آتی ہے۔

تعلیم و تربیت: اولاد کی تربیت میں والدین کی تمنا اور ان کی کوشش بڑی زود اثر ہوتی ہے، مفتی صاحب کے والد محترم منشی شمس الدین صاحب کوئی دینی تعلیم یافتہ نہ تھے، ان کے پاس جو تعلیم تھی وہ عصری تھی، اس لیے وہ ریلوے کے ملازم تھے البتہ ان کی خواہش یہ تھی کہ ان کا بچہ عالم دین بنے، اس مقصد کے تحت انھوں نے اپنے بچے کو گاؤں کے مکتب میں بٹھایا جہاں میاں جی محمد یوسف صاحب پڑھاتے تھے، میاں جی نے مفتی صاحب کو ہندی، پہاڑے، قواعد بغدادی پھر پارۂ عم پڑھایا، پانچ سال کی عمر ہوئی تو مدرسہ محمودیہ راج پور ترائی نیپال حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ تشریف لے گئے، یہاں پارۂ عم سے شروعات کی، ناظرہ قرآن حافظ میاں جان صاحب سیتامڑھی اور ان کے بعد حافظ محمد جان صاحب مظفر پوری سے پڑھا، ناظرہ خوانی مکمل ہوئی تو درجہ حفظ میں بٹھا دیا گیا، ڈیڑھ پارہ تک پہنچے ہی تھے کہ ان کے استاذ نے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو بتایا کہ بچہ بہت چھوٹا ہے، درجہ حفظ اس کے لیے مناسب نہیں، چناں چہ بھائی صاحب نے انہیں درجہ اردو میں داخل کیا، اس درجے میں اردو کی مختلف کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، یہ درجہ مولانا (عبدالرحمٰن) کے ذمہ تھا، اس لیے مفتی صاحب نے اردو کا قاعدہ اور اردو کی پہلی انھیں سے پڑھی، اردو آگئی تو تعلیم الاسلام پھر دروس التاریخ (للخیاط) قواعد اردو اور اخیر سال میں مسدس حالی بھی پڑھی، مؤخر الذکر تینوں کتابیں تقریباً انھیں ازبر یاد تھیں، ہر شب جمعہ کو مکالمے ہوتے جن میں طلبہ کی یادداشت اور اسباق سے ان کی دلچسپیوں کا جائزہ لیا جاتا۔

مفتی صاحب بڑے ذہین وطباع واقع ہوئے تھے، انھوں نے کبھی استاذ کی مار نہیں کھائی، حافظہ قوی تھا، جو بھی کتابیں پڑھتے

انھیں زبانی یاد کر لیتے، جو بھی ان سے سوال کرتا فرفر جواب دے دیتے، حجاب وشرم اور ڈر وخوف جو اکثر بچوں میں پایا جاتا ہے بالکل نہ تھا، اپنے عہد طفولیت کا ایک واقعہ انھوں نے اس طرح لکھا ہے کہ:

''سالانہ امتحان مولانا عبدالرزاق نامی ایک غیر استاذ نے لیا جو ایک دوسرے مدرسے میں مدرّس اوّل تھے وہ ہماری یادداشت اور حاضر جوابی سے حیرت زدہ رہ گئے، ان اسباق میں ہم صرف تین ساتھی تھے، مظفر حسین، واعظ الحق مرحوم اور خاکسار ظفیر الدین، عمر میں یہ دونوں مجھ سے بڑے تھے، ذکاوت وتیزی میں مجھے لوگ ترجیح دیا کرتے تھے، سمجھ ان دونوں کی اونچی تھی اور یادداشت میری۔'' (زندگی کا علمی سفر،ص:23)

مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں:

نیپال میں ڈھائی سال رہ کر 15 جنوری 1933 کو گھر چلے آئے اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی معیت میں مدرسہ وارث العلوم چھپرا (بہار) منتقل ہوگئے، یہ 1933 کا ابتدائی ماہ تھا، مولانا عبدالرحمٰن صاحب یہاں بھی بحیثیت صدرالمدرّسین ہی آئے، یہاں آمدنامہ، عزیز القواعد اور ضوابط فارسی شروع ہوئیں، ضوابط فارسی مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے اور آمدنامہ سید محمد قادری سے پڑھیں، ڈیڑھ سال تک فارسی کتابوں میں لگے رہے، 1934 آیا تو عربی چہارم میں داخلہ لیا، اس درجہ میں کتاب الصرف، نحومیر، علم الصیغہ اور مرقاۃ (منطق) پڑھی، مرقاۃ کے استاذ مولانا شاہ محمد حبیب تھے، 35ء میں پنجم، 36ء میں ششم عربی پڑھی، 37ء میں عربی ہفتم پڑھا، جس میں قدوری، کافیہ، اوضح المسالک، قلیوبی، اخوان الصفا اور مستطرف جیسی کتابیں تھیں، اسی سال اس مدرسے میں مفتی صاحب نے جمعیۃ الطلبہ کی بنیاد رکھی جس میں طلبہ تقریر کی مشقیں کیا کرتے تھے، اسی سال مفتی صاحب نے 3 ستمبر کو یوم فلسطین کا جلوس نکالا، جو جامع مسجد چھپرہ سے شروع ہوا اور پورے شہر میں گشت کیا، اپریل 38ء میں فوقانیہ کا امتحان دیا، جس میں تمام مدارس کا سینٹر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ تھا، اپنی قلمی صلاحیتوں کو صیقل کرنے کے لیے اسی سال ماہ نامہ ''القاسم'' نکالا اور اس کے مدیر قرار پائے، مدرسہ وارث العلوم حکومت سے فوقانیہ تک ہی منظور تھا اس لیے اس مدرسے کی باضابطہ طالب علمی اسی سال مکمل ہوگئی، البتہ فوقانیہ امتحان میں کامیابی کے بعد اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے مشورے سے مزید تعلیم کے لیے دو سال اور ٹھہر گئے، اس مدت میں انھوں نے پرائیویٹ طور پر اگلی کتابیں پڑھیں، یہ سلسلہ دو سال تک چلا، اس دوران مفتی صاحب کا اس مدرسے میں مدرّس عربی پنجم کی جگہ تقرر بھی ہوا جہاں انھوں نے پڑھنے کے ساتھ پڑھایا بھی، 1940 میں جب مولوی کا امتحان ہوا تو مفتی صاحب نے ٹسٹ اور فائنل سارے امتحان میں شرکت کی، حالاں کہ انھوں نے مولوی کی کتابیں باضابطہ نہیں پڑھی تھیں، تیاری بھی نہیں کی تھی، لیکن یہ ان کی ذہانت اور اخاذ فطرت ہی تھی کہ سکنڈ ڈویژن سے پاس ہوئے، اس طرح 33ئسے 40ء تک کا تعلیمی زمانہ مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں گزارا۔

نومبر میں اپنے استاذ مولانا نظیر احمد صاحب کے صاحبزادے مولوی اظہار الحق کے ساتھ مدرسہ مفتاح العلوم مئو کے لیے روانہ ہوگئے، پہلی ملاقات مولانا قاری ریاست علی سے ہوئی جو اپنے وقت کے خدارسیدہ، صوفی منش اور جیدالاستعداد عالم دین تھے، میرے والد حضرت مولانا جمیل احمد ناصری صاحب مدظلہ نے بھی دارالعلوم مئو میں ان سے پڑھا ہے، قاری صاحب کے ایماء پر مفتی صاحب نے مدرسہ مفتاح العلوم کی راہ لی، جہاں انھوں نے

اعلیٰ تعلیم میں داخلے کے لیے امتحان کی درخواست دی، اس وقت ناظم مدرسہ مولانا محمد ایوب صاحب تھے، انھوں نے خود امتحان لیا، اور بے حد خوش ہوئے، مفتی صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھے اختیار دے دیا کہ جس جماعت میں چاہو داخلہ لے لو، اس لیے میں نے شرح وقایہ کی جماعت میں داخلہ لے لیا، اس پر ناظم مولانا ایوب صاحب نے ٹوکا کہ یہ کتابیں تم توپڑھ چکے ہو، پھر دوبارہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ ہدایہ میں داخلہ لے لو، چناں چہ میں نے ہدایہ میں داخلہ لے لیا، تعلیم تو مدرسے میں پاتے رہے، لیکن مولانا ایوب کی ایماء پر چھتر پورہ کی مسجد کے ایک کمرے میں قیام کیا، وہاں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، اسی کمرے میں انجمن لمعات البیان کی بنیاد رکھی اور قلمی پرچہ ''لمعات'' کا آغاز کیا، اگلے سال جماعت جلالین میں داخلہ لیا، یہ 42ء تھا، اسی سال اگست میں فرنگیوں کے خلاف ''ہندوستان چھوڑ و تحریک'' شروع ہوگئی اس لیے تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا، یہ پورا سال وطن میں ہی گزرا، اس دوران موقع غنیمت سمجھ کر عالم کے امتحان میں شرکت کی، چوں کہ وارنٹ گرفتاری کا ان کے خلاف بھی تھا، اس لیے انھوں نے روپوشی اختیار کرلی، 43ء میں جب حالات معمول پر آئے تو محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کی اطلاع پر دوبارہ مفتاح العلوم پہنچے اور وہیں سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر 1944 میں فراغت حاصل کی، بخاری اور ترمذی مولانا اعظمی سے پڑھی، جب کہ مسلم اور ابوداؤد مولانا عبداللطیف نعمانی سے، مولانا محمد یحییٰ اور مولانا شمس الدین مئوی بھی دورۂ حدیث میں ان کے استاذ تھے، فراغت کا یہ سن ہجری اعتبار سے ۱۰/شعبان 1263ھ تھا۔

فراغت کے بعد:

مدرسہ مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد مفتی صاحب مزید تعلیم چاہتے تھے، انھوں نے محقق دوراں، مؤرخِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی لکھی ہوئی کتاب حیاتِ شبلی دیکھ رکھی تھی، اس نے سید صاحب سے عقیدت پیدا کردی، دارالمصنفین اعظم گڑھ اس وقت ہندوستان بھر میں اپنی تحقیق و تدقیق، علم وفن کی نئی نئی دریافت اور نوادرات کی اشاعت میں اپنی دھاک جما چکا تھا، اس لیے مفتی صاحب کی خواہش ہوئی کہ سید صاحب کی خدمت میں رہ کر مزید علم حاصل کرلیں، اس سلسلے میں مولانا اعظمی اور مولانا ندوی کے درمیان گفتگو بھی ہوئی تھی، مولانا ندوی کو کسی نئے فاضل کی تلاش تھی جو فقہ میں تخصص کرنے کا خواہش مند ہو، مولانا اعظمی نے مفتی صاحب کا نام بڑے وقیع اور مضبوط پیرائے میں پیش کیا، مفتی صاحب ان سے ملاقات کے لیے اعظم گڑھ ملاقات کے لیے پہونچ گئے، سید صاحب جون پور تشریف لے گئے تھے، دودن کے بعد واپس آئے تو ملاقات ہوئی، آنے کی غرض بتائی، سید صاحب نے آزمانے کے لیے بڑی ردّ وقدح کی، فرمانے لگے کہ میرے ساتھ رہ کر تم زیادہ سے زیادہ دو چار کتابوں کے مصنف بن جاؤ گے، اس سے کیا ہوگا، یہاں نہ تمھیں دین ملے گا، نہ دنیا، تمہارے پاس جو علم ہے آخرت سنوارنے کے لیے وہی کافی ہے، یہ تقریر کرنے کے بعد فرمایا ''ظہر بعد ملئے''، ظہر کے بعد ملاقات کے لیے گئے تو پھر آزمائش کے طور پر وہی تقریر دہرائی، اس پر مفتی صاحب نے جو مسکت جواب دیا اس سے مفتی صاحب کی ثاقب ذہنی خوب آشکارا ہوتی ہے، فرمایا:

حضرت اقدس! واقعہ یہ ہے کہ اس وقت نہ مجھے دولت اور شہرت کی خواہش ہے، اور نہ ولی کامل بننے کا ارادہ، میں تو یہ تمنا لے کر حاضر ہوا ہوں کہ عمر کا ایک حصہ میں نے پڑھنے میں صرف کیا ہے مگر جسے علمی رسوخ کہتے ہیں مجھے حاصل نہیں ہوا ہے اور نہ اپنے

علم پر پورا اعتماد ہے، چاہتا ہوں کہ رسوخ فی العلم کا کوئی گوشہ میرے اندر بھی پیدا ہو جائے۔ (زندگی کا علمی سفر، ص:38)

مفتی صاحب کا ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ:

اس گفت و شنید کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ جب ایسا ہے تو تمہیں ندوہ میں پڑھنا پڑے گا اس لیے درخواست لکھ دو، کہا، منظور ہے۔ درخواست لکھ کر سید صاحب کو دے دی تو فرمایا کہ ندوہ چلے جانا، مفتی صاحب ندوہ کے ارادے سے پہلے وطن پہنچے، لیکن ہوا یہ کہ انہیں اچانک حدتِ خون (ٹی بی) کا مہلک مرض لاحق ہوا اور کئی ماہ اس میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ محرم آ گیا، محدث کبیر سے خط و کتابت چل رہی تھی، انھوں نے فرمایا کہ تم یہیں (مفتاح العلوم) آ جاؤ، تمہارے لیے تربیت افتاء کا شعبہ اپنے طور پر قائم کیا جائے گا، چناں چہ 14 محرم 1364ھ کو مئو پہنچے، یہاں آئے تو ایک بڑے حادثے کا علم ہوا، ایسا حادثہ جس نے اہل شہر کی ہوا اکھاڑ دی، وہ یہ کہ محدث کبیر مفتاح العلوم سے اب دارالعلوم دیوبند جا رہے ہیں، جہاں وہ صدر مفتی کے فرائض انجام دیں گے، دارالعلوم کے ارکانِ شوریٰ نے باضابطہ انہیں طلب کیا ہے، مفتی صاحب کا خواب چکنا چور ہو گیا، مفتاح العلوم سے کئی اساتذہ کے چلے جانے اور پھر محدث کبیر کے مستعفی ہو جانے سے اساتذہ کی اسامیاں خالی رہ گئیں تھیں، اس لیے اربابِ مفتاح نے انہیں اپنا مدرّس چن لیا، وہاں چند ماہ ہی رہنا ہوا تھا کہ ایک سازش کے تحت انہیں مدرسے سے برطرف کر دیا گیا، ان کی بحالی کی محدث کبیر سمیت بڑے اساتذہ نے کوشش کی، لیکن کام یابی نہ ملی، مفتی صاحب کا دل اچاٹ ہو گیا اور گھر چلے گئے، 1945ء ندوہ پہنچے، جہاں مولانا شاہ حلیم عطا صاحبؒ، مولانا ناظم ندویؒ اور مولانا اسحاق سندیلویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جس جماعت میں داخلہ ملا اس میں ساری کتابیں پڑھی پڑھائی تھیں، چند ایام کے بعد ہی ان کی طبیعت اکتا گئی، مولانا اویس ندوی نگرامی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ چھٹی گزار کر ندوہ واپس آئے تو انہوں نے بھی مفتی صاحب سے کہا کہ پڑھی کتابیں پڑھنے سے کیا فائدہ؟ تم میرے گاؤں چلے جاؤ، وہیں مدرسہ معدن العلوم نگرام (لکھنؤ) میں بطور صدر مدرّس کام کرنا، ندوہ سے دل اچاٹ تو تھا ہی، مولانا اویس ندوی کی ترغیب نے انہیں ترکِ تعلیم اور ندوہ چھوڑنے پر مزید آمادہ کر دیا، اور وہ نگرام چلے آئے، جہاں انہوں نے شروع نومبر 45ء سے دسمبر 1947 تک تین سال تدریسی خدمات انجام دی۔

قیامِ ندوہ کے دوران ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا، ہوتا یہ تھا کہ ''الاصلاح'' نامی انجمن میں جب طلبہ ابتداءً جمع ہوتے تو تعارفی تقریر ہوتی، جب مفتی صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی تو بڑے پُرجوش انداز میں کھڑے ہوئے اور بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی گفتگو شروع کی، حیاتِ شبلی کے مطالعہ سے ندوہ کا جو نقشہ ان کے ذہن میں بیٹھا تھا وہ یہاں نادارد تھا، پھر یہ کہ پڑھی کتابیں ملنے سے طبیعت مکدر ہو چکی تھی، اس لیے نہایت تیز و تند تقریر کی، آگے کی بات مفتی صاحب سے ہی سنئے: ''میں نے ندوہ کے علمی ماحول کی تعریف کرنے کے بعد کہا کہ دراصل مجھے ندوہ حیاتِ شبلی کھینچ لائی ہے، اب سے چند سال پہلے جب وہ چھپی تھی تو میں نے بڑے غور و فکر اور اہتمام سے اس کا مطالعہ کیا تھا اور کافی متأثر ہوا تھا، مجھے سوانح پڑھنے کا بڑا ذوق ہے، آپ حضرات کو حیرت ہوگی میں دوبار شروع سے اخیر تک پڑھی، اس کے بعد کہا حضرات! ایک بات عرض کر دوں، جو ندوہ حیاتِ شبلی میں ہے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ اب وہ ندوہ باقی نہیں رہا، اس وقت جو

حالات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی تبدیلی آئی ہے، بس صدر جلسہ نے حکم دے کر مجھے آگے بولنے سے روک دیا اور کہا بیٹھ جائیں۔'' (زندگی کا علمی سفر ص:52)

مفتی صاحبؒ کا تقریری مذاق:

حضرت مفتی صاحب کو تقریر و خطابت کا بڑا استھرا ذوق تھا، وہ بڑی مؤثر اور دل پذیر تقریریں کیا کرتے تھے، راقم الحروف نے قیام دارالعلوم کے دوران انجمن تہذیب الافکار کے جلسوں میں بارہا ان کی تقریریں سنی ہیں، وہ پانچ منٹ بولیں، یا پچاس منٹ، پوری تقریر طوفان بردوش اور گرما گرم ہوا کرتی، دیکھنے میں نحیف و لاغر اور انتہائی کمزور معلوم ہوتے لیکن جب بولنے پر آتے تو لگتا کہ ان کا عہد شباب عود کر آیا ہے، بجلی کی سی کوند، الفاظ کی موسلا دھار بارش اور زورِ خطابت سب کچھ ہی ہوتا، تقریر کی مشق انہوں نے مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں ہی کی تھی اور اسی عرصے میں وہ مؤثر تقریریں کرلیا کرتے تھے، ان کی اس صلاحیت کا اعتراف وہ لوگ بھی کرتے تھے جو مدرسہ وارث العلوم کی مخالفت صرف اس لیے کرتے تھے کہ یہ ادارہ جمعیۃ علماء سے وابستہ تھا، مسلم لیگ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، لیگی حضرات جمعیتوں کو جہنمی اور کافر گردانتے، مفتی صاحب لکھتے ہیں: ''1939 میں مسلم لیگ کی طرف سے فلسطین ڈے منایا گیا، ایک بڑا جلوس نکلا جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے، بعد مغرب میونسپل ہال میں جلسہ ہوا اس میں ساتھیوں نے میری تقریر لکھوادی، نوجوانی میں میں نے بڑے پُر جوش تقریر کی اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کل تک جہنمی سمجھ کر ہم کو تھوکتے تھے اور لاحول پڑھتے تھے وہ جہاں سے میں گذرتا اب دکانوں سے نکل کر سلام کرنے لگے اور بڑی محبت و شفقت کا اظہار ہونے لگا۔ تعالی اللہ شانہ'' (علمی سفر ص26)

تحریک آزادی میں مفتی صاحبؒ کی شرکت:

تقریر کی یہ استعداد اور جوانی کا یہ جوش ہی تھا کہ اگست 1942 میں انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں نے جب ''ہندوستان چھوڑو'' تحریک شروع کی، تو مفتی صاحب بھی اس کا حصہ ہوگئے، مفتاح العلوم میں ابھی ان کی طالب علمی چل ہی رہی تھی، انہیں طلبہ نے اپنا لیڈر منتخب کرلیا، جلسہ ہوا تو مفتی صاحب نے اتنی زناٹے دار اور شعلہ بار تقریر کی کہ حالات دگرگوں ہوگئے، برطانوی فوج مئو میں بھی گشت کرنے لگی، دس دن کے بعد اس نے داروگیر بھی شروع کردی، مسلمانوں کو بے دریغ پسِ زنداں کیا جانے لگا، وارنٹ جن لوگوں کے نام جاری ہوا ان میں مفتی صاحب کا نام بھی شامل تھا، انہیں کی زبانی سنئے:

''گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوگیا، مجبوراً مجھے چھپ جانا پڑا، کئی دن فاقے کے گذرے، پھر نثار مرحوم کی مدد سے کھانے کا انتظام ہوا، ٹرینیں بند ہوچکی تھیں، ڈاک خانے کا نظام بھی ٹوٹ چکا تھا، اس لیے منی آرڈر (روپے) گھر سے نہیں آرہے تھے، بے سروسامانی کا عجیب عالم تھا، کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو کا مصداق بنا ہوا تھا، اس وقت میری لیڈری کچھ کام نہ آئی، بلکہ اپنے لیے مصیبت بن گئی، سر چھپانا مشکل ہورہا تھا، دوستوں اور ساتھیوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا، کوئی دوست قرض دینے کے لیے بھی تیار نہ تھا، اللہ تعالی کے سوا سب کٹ گئے تھے، چھتر پورہ محلّہ کی مسجد کے کمرے میں مقیم تھا، اور مسجد کا امام بھی تھا، گیارہ روز ایسے ہی گزرے، جب یہ راز محلّہ والوں پر کھلا کہ مجھ پر وارنٹ ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ محلّہ چھوڑ دیں، آپ کی وجہ سے محلّہ پر بھی آنچ آسکتی ہے، مجبوراً گیارہ دنوں کی روپوشی کے بعد سفر کا ارادہ کرنا پڑا۔ (علمی سفر ص33)

لوح و قلم کے بادشاہ:

مفتی صاحب جہاں میدانِ خطابت کے شہ سوار تھے وہیں انشاء پردازی کے قافلہ سالار بھی تھے، وارنٹ گرفتاری منسوخ ہونے کے بعد سیاست سے ان کا تعلق یوں بھی ختم ہوگیا تھا،تقریروں کا سلسلہ ضرور جاری رہا،مگر اب ان کا رجحان زمامِ قلم کی طرف ہوگیا، چناں چہ تدریس سے بچے ہوئے اپنے سارے اوقات انشاء پردازی کے لیے وقف کردیئے، اپنی 85 سالہ زندگی میں انہوں نے تحریروانشاء کی راہ سے وہ خدمات انجام دیں جن کی ہمت عام طور پر بڑے بڑے اہل علم بھی جٹا نہیں پاتے، مدرسہ معدن العلوم میں قیام کے دوران انہوں نے ''اسلام کا نظام مساجد'' کے عنوان سے کتاب نویسی کا جوسلسلہ شروع کیا تھا وہ ''زندگی کا علمی سفر'' پر آ کر رکا۔موضوع دقیق ہو یا سہل،خشک ہو یا رس دار،لکھا اور خوب دادِ مہارت دی،بعض کتابیں تو اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کے عربی اور انگریزی زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے،اسلام کا نظام عفت وعصمت،نظام تعلیم وتربیت،اسلامی حکومت کے نقش ونگار،ان کی وہ کتابیں ہیں جنہیں ہر باذوق اپنے لئے سرمایہ گردانتا ہے،فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب تو ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ ایک باخبر مفتی اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، بارہ ضخیم جلدوں میں یہ کتاب ہر اہل علم کے لیے ایک سوغات ہے،ترتیب کا لفظ سن کر عصر حاضر کے فضلاء یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو کوئی کوہ کنی نہ ہوئی، دارالعلوم کے مفتی اوّل مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ کے فتاویٰ کو جمع کرنا اور ترتیب دینا کون سا مشکل کام تھا،لیکن جنھوں نے مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی تحریروں کو دیکھا ہے ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ کس جاں فشانی سے یہ کام انجام پایا ہوگا،شکستہ تحریریں، بوسیدہ اوراق،منتشر مضامین،اور پھر طویل استفتاجات کی دودو تین تین سطروں میں تلخیص کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھی،مگر مفتی صاحب نے پوری تن دہی،کمالِ توجہ اور مکمل استغراق کے ساتھ اپنی پختہ کاری اور دقت نظری کا ثبوت دیا، جس دور میں یہ کتابیں ترتیب دی گئیں وہ مفتی صاحب کے کتب خانہ کی ادارت کا زمانہ تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے وقت کی صحیح قدروقیمت جان کر اسے اچھی طرح وصول کیا اور اس طرح ارکانِ مجلس شوریٰ کی خواہش کو بروئے کار لانے میں کامیاب رہے۔

ان کا ایک بڑا کارنامہ رسالہ دارالعلوم کی لگاتار سترہ سال اداریہ نویسی ہے،اہل نظر جانتے ہیں کہ رسالہ دارالعلوم پابندی سے نکلتا تو ضرور تھا،مگر اس میں اداریہ نہ ہوتا تھا،کوئی بھی رسالہ بغیر اداریہ کے سر بریدہ ڈھانچہ معلوم ہوتا ہے،ایک معتبر اور بین الاقوامی درس گاہ کے رسالے میں یہ عیب یقیناً بڑا عیب تھا،ارکانِ شوریٰ نے اسے محسوس کیا اور ماہ صفر 1385ھ میں انہیں باقاعدہ رکن ادارت بنادیا،مفتی صاحب نے نہ صرف ادارتی ذمہ داری کو نبھایا بلکہ رسالہ اور اس کی رفتار کو ایک نئی جہت دے دی، اس کے اداریے ایسے ہوتے کہ بہت سے قارئین صرف اداریے کے لیے رسالہ کے منتظر رہتے،عربی واردو کے شہرۂ آفاق ادیب حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہٗ نے بالکل درست لکھا ہے کہ ''مفتی صاحب میں تالیف و انشاء کا فطری ذوق ہے،زبان سادہ اور رواں لکھتے ہیں،ان کی تحریر ہر طرح کے تکلف سے پاک ہوتی ہے،انہوں نے بہت سی کتابیں اور سیکڑوں مقالات لکھے، جو ملک (وبیرون ملک) کے طول وعرض میں مختلف رسائل میں چھپے،انہیں جمع کردیا جائے تو دسیوں کتابیں تیار ہوجائیں گی۔(پسِ مرگ زندہ،ص:931)

مفتی صاحب کے اسلوب تحریر کا سب نے لوہا مانا،علم

وتحقیق،فکر ونظر، حسن ادا، برجستگی اور سلاست ان کے قلم کی خصوصیت ہوا کرتی تھی، کسی کی علمی گرفت یا تنقید بھی کرتے تو اتنے شستہ اور دل چسپ پیرائے میں کہ فریق مخالف کو برا نہ لگتا، اعتدال وتوازن ان کی تحریر کا جوہر تھا، جماعت اسلامی کی رد میں انہوں نے کئی رسالے اور مضامین لکھے ہیں، لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب ہذیان گوئی یا ناشائستگی پر اتر آئے ہوں، اسے دیکھنا ہو تو جماعت اسلامی کے دینی رجحانات اور مطالعۂ مودودیت ملاحظہ فرمائیں۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد 24 تک پہنچتی ہے، مضامین و مقالات ان سے علیحدہ ہیں، غیر مطبوعہ تصنیفات کی بھی یقیناً ایک بڑی تعداد ہوتی، خود ان کے فتاویٰ کا ذخیرہ اس قدر ہے کہ کئی ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔

تدریسی خدمات:

مفتی صاحبؒ کی تدریسی خدمات کا سلسلہ 1938 سے چلا تو وفات سے دو سال قبل تک وہ برابر چلتا رہا، درمیان میں چند سال ضرور تدریس سے علیحدہ گزرے، لیکن ان کی عمومی زندگی تدریس کے لیے ہی وقف رہی، جیسا کہ گزر چکا ہے کہ فراغت کے بعد ایک سال مفتاح العلوم میں مدرّس رہے، اس کے بعد ستمبر 1945 سے دسمبر 47ء تک مدرسہ معدن العلوم نگرام ضلع لکھنؤ میں تین سال تدریسی خدمات انجام دی، جنوری 1948 میں دارالعلوم معینیہ موضع سانحہ ضلع مونگیر (حال بیگوسرائے) میں مدرّس ہوئے، یہاں 1956 تک درس و تدریس میں مشغول رہے، درمیان میں ایک سال محرم 1368ھ تا اواخر 1368ھ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل وسملک سابق ضلع سورت حال ضلع نوساری میں تدریسی خدمتیں انجام دیں، وہاں بیمار ہوگئے، اس لیے واپس دارالعلوم معینیہ سانحہ آگئے۔ دارالعلوم دیوبند آئے تو یہاں بھی 1993 سے درجۂ افتاء میں تدریس سپرد ہوئی، جب تک یہاں قیام رہا افتاء کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آمد:

9 ستمبر 1956، 1376ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے، اپنے دارالعلوم آمد کا واقعہ مفتی صاحب نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کی لائبریری کا افتتاح ہونا تھا، اس موقع پر ایک بڑا اجلاس ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحبؒ تشریف لائے تھے، اس اجلاس میں امیر شریعت حضرت مولانا محمد منت اللہ رحمانیؒ کی اجازت سے کتب خانے کی اہمیت وعظمت پر ایک مقالہ پیش کیا تھا، یہ طویل مقالہ اپنی جامعیت وعلمیت کی بنا پر دو نشستوں میں پڑھا گیا، اس مقالے پر مفتی صاحب کو خوب داد ملی، یہی تحریر دارالعلوم آنے کا سبب بن گئی، قاری صاحبؒ نے 1375ھ انہیں طویل خط لکھا، مفتی صاحبؒ نے اسے سعادت سمجھ کر قبول کرلیا اور دارالعلوم تشریف لے آئے۔ یہاں آئے تو انہیں شعبۂ تبلیغ میں رکھ دیا گیا جس میں فرقِ ضالہ کے ابطال میں مضامین ورسائل کی ذمہ داری سپرد کی گئی، سات سال تک اس شعبہ سے منسلک رہے، 1383ھ میں انہیں کتب خانہ منتقل کر دیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ مفتی صاحب کی آمد سے قبل غیر مرتب تھا، کتابوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، مطلوبہ کتابیں تلاشنے کے باوجود بڑی مشکل سے اور کئی کئی دنوں کے بعد ملتی تھیں، اہل علم کو اس سے بڑی شکایتیں تھیں، ارکانِ شوریٰ نے اس مسئلے کے حل کے لیے مفتی صاحب کو منتخب کیا، گو مفتی صاحب اس ذمہ داری سے خوش نہ تھے، اور بہت مکدر بھی ہوئے، لیکن دارالعلوم کے مفاد میں

اسے قبول کرلیا، اس کی صحیح ترتیب کے لیے مختلف لائبریریوں کی خاک چھانی، پٹنہ، رامپور، علی گڑھ اور نہ جانے کہاں کہاں کا دورہ کیا، اور اسے کئی سالوں میں ایک باوقار لائبریری بنادیا، کتب خانہ میں موجود مخطوطات کا تعارف بھی دو جلدوں میں لکھا، دارالعلوم کے کتب خانہ کی موجودہ ترتیب ان کا ایک شان دار کارنامہ ہے، اسے قابل ذکر نہ سمجھنا حقائق سے آنکھیں چرانا ہے۔

مفتی صاحب جہاں اور کمالات سے مالامال تھے وہیں مردم گری اور رجال سازی میں بھی انہیں یدطولیٰ حاصل تھا، ان کے دامنِ علم سے جو بھی طالب علم وابستہ رہا، کھرا سونا بن کر نکلا، ''سانحہ'' کا مدرسہ معینیہ؛ مکتب سے دارالعلوم ان کی اسی صفت کے طفیل میں بنا، ان کے طرزِ تدریس سے طلبہ کھنچ کھنچ کر ان سے استفادہ کے لیے آتے، دارالعلوم دیوبند میں 1384ھ میں ''مطالعۂ علوم قرآنی'' کے نام سے جب نیا شعبہ قائم کیا گیا تو اس کی نگرانی اور سرپرستی کے لیے ارکانِ شوریٰ نے انہیں کو منتخب کیا، یہ شعبہ دارالعلوم کے ذہین طلبہ اور باصلاحیت فضلاء کے لیے اپنی علمی اور تحریری لیاقت کو پختہ کرنے کا بہترین ذریعہ تھا، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم اور مولانا سمیع اللہ گونڈوی وغیرہم نے اسی شعبہ میں رہ کر مفتی صاحب سے فیض حاصل کیا ہے، یہ شعبہ چار سال تک باقی رہا۔ 1388ھ میں اسے بند کردیا گیا، اس کے بند ہونے پر مفتی صاحب بہت ناراض بھی ہوئے لیکن تقدیر کے آگے کس کی چلی ہے؟

سادگی کے پیکر:

مفتی صاحب اپنی تمام تر علمی برتری کے باوجود خود کو چھوٹا ہی محسوس کرتے، اور اخفاء حال کی پوری کوشش کرتے، 1385ھ میں جب اداریہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور انہیں مدیر بنایا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اداریہ تو میں ضرور لکھوں گا، مگر بحیثیت مدیر ٹائٹل پر میرا نام نہیں ہونا چاہئے، 1402ھ تک انہوں نے رسالہ کا کام کاج سنبھالا، مگر اکثر لوگ یہ نہ سمجھ پائے کہ اس رسالہ کے مدیر مولانا ازہر شاہ قیصر ہیں یا مفتی صاحب۔ اپنی سادگی کی بنا پر وہ سہل الحصول تھے، جو جب چاہتا انہیں بلالیتا، باحیثیت، بے حیثیت، خورد وکلاں سب کی آواز پر وہ لبیک کہہ دیتے اور جہاں بٹھایا جاتا بیٹھ جاتے، جو کھلایا جاتا کھالیتے، بیل گاڑی اور ہوائی جہاز، فرش خاکی اور تختِ شاہی کے درمیان ان کے یہاں کوئی فرق نہ تھا، حالاں کہ وہ بڑے تھے، بہت سے اکابر علماء کے استاذ تھے، نہ جانے کتنے ہی مفتیانِ کرام ان کے خوانِ علم کے زلہ ربا ہیں، لیکن جس سے ملتے، جھک کر ملتے، نہ چیں بہ جبیں، نہ عتاب وغصہ، بلکہ طلبہ سے تفریح بھی کرلیا کرتے، ایک دن راقم الحروف ان کے ساتھ بازار گیا، انہیں بڑے رومال کی ضرورت تھی، راقم نے ایک عربی رومال کی طرف اشارہ کیا جس کی زمین سفید تھی اور نقش ونگار سرخ تھا، فرمانے لگے ''بوڑھی گھوڑی لال لگام'' اور اس طرح آگے بڑھ گئے، کسر نفسی اور فنائیت ان کی زندگی کی عبا تھی، سادہ لباس زیب تن کرتے، موٹا جھوٹا کپڑا ان کی شناخت تھا، اتنے بڑے عالم سے اس قدر خاکساری بہت بڑی کرامت ہے، جب تک انہوں نے خود کو کام کے لائق سمجھا، کام کرتے رہے، اور جب انہیں لگا کہ ان سے مزید خدمت نہیں ہوسکتی، تو انہوں نے سبکدوشی کرلی، 20 شعبان 1429ھ مطابق 22 اگست 2008 بروز جمعہ انہوں نے دارالعلوم کو خیر باد کہا اور دو ہزار پنشن پر وطن تشریف لے گئے۔ اس طرح انہوں نے جہاں کی مٹی سے سر نکالا تھا اسی مٹی میں سو گئے۔ فرحمه الله رحمة واسعة۔

❀ ❀ ❀

یادیں جوان کی آتی ہیں ....

مولانا مفتی ظفیر الدینؒ

.... ● ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین کو میں نے پہلی بار 1992 کی ایک صبح دارالعلوم دیوبند کے دار جدید روم نمبر 21 میں دیکھا تھا۔ چار پانچ طالب علم ان کے گرد بیٹھے ہوئے اپنی اپنی ضرورتوں کا اظہار کر رہے تھے۔ اسی سال میں بھی یہاں داخلہ کی غرض سے آیا تھا۔ جب میں ان سے ملنے کے لئے کمرہ سے نکلا تو راستہ بھر ان کے متعلق ذہن میں جو خیالی نقشہ کھینچا تھا، انہیں اس کے برعکس پایا۔ سلام ومصافحہ کے بعد انہیں اپنا اور اپنی بستی کا نام بتایا تو وہ دادا جان حکیم محمد سلیمان صاحب کے حوالے سے پہچان گئے اور خیریت معلوم کی۔ میری دل جوئی/ ضیافت میں انہوں نے ایک روپے کی سوجی اور ایک روپے کا دودھ منگوایا اور ٹوٹی ہوئی روٹیوں کو سوجی میں ملا کر حلوا بنوایا اور چائے تیار کروائی جسے سب لوگوں نے مل کر کھایا پیا۔ اس پہلی ملاقات میں ان کی سادگی اور انکساری کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ اس کے بعد ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ اسی دوران ایک بار ان سے ملنے گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ کے دادا کا خط آیا تھا، آپ کے داخلہ کے سلسلے میں وہ بہت فکر مند تھے، میں نے خط کا جواب لکھ دیا ہے۔ اس میں انہوں نے دادا جان کو اطمینان دلایا تھا کہ جس طرح آپ کا نواسا یہاں سے کامیاب ہو کر نکلا ہے، پوتا بھی کامیاب ہو کر نکلے گا۔

ان ابتدائی دنوں میں میں نے ایک خاص بات دیکھی، جو مجھے حیرت میں بھی ڈالے ہوئی تھی کہ مفتی صاحب کی خدمت میں جو کوئی آجاتا اور ان سے اپنی ضرورت بیان کرتا اور انہیں محسوس ہوتا کہ واقعی یہ ضرورت مند ہے اور کسی سے کچھ کہنے سننے سے اس کی ضرورت کی تکمیل ہو جائے گی تو وہ اس میں کوتاہی نہ کرتے، بلکہ ایسا کرنے میں وہ خوشی محسوس کرتے تھے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں جب داخلہ امتحان کا زمانہ آتا تو ہر علاقے سے تعلق رکھنے والے طلبا کو مفتی صاحب کے کمرہ میں بہ کثرت دیکھا۔ مقصد یہ ہوتا کہ وہ کسی کو سفارشی خط لکھ دیں گے تو داخلہ مل جائے گا یا کھانا کھل جائے گا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ ہی لیا: حضرت آپ اتنی زیادہ سفارش کرتے ہیں، کیا سب قبول ہو جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم، مگر ان بچوں کا دل توڑا بھی تو نہیں جاتا۔ بڑی امید لگا کر میرے پاس آتے ہیں۔ اگر میرے لکھنے سے ایک دو کا بھی بھلا ہو جائے تو کتنی اچھی بات ہے، یہ دعائیں دیں گے۔ ان کی بات سن کر میں خاموش ہو گیا۔

دورۂ حدیث کے سال تک مفتی صاحب سے گاہے گاہے ملاقات ہوتی رہی، مگر جب میرا داخلہ شعبہ افتا میں ہو گیا تو ان سے ملاقات میں اضافہ ہو گیا۔ جب بھی کوئی فقہی مسئلہ سمجھنے میں دقت ہوتی، ان کی خدمت میں پہنچ جاتا۔ وہ بڑے ہی آسان طریقہ سے اس کی تفہیم کرا دیتے۔ اگر کسی وجہ سے ان سے ملنے

میں تاخیر ہوجاتی تو وہ کبھی کبھی فضل الرحمٰن صاحب (بھائی فضلو) استاد شعبہ خوش خطی دارالعلوم یا کسی اور طالب علم کے ساتھ میرے کمرہ پر تشریف لاتے اور مغرب تک وہیں رہتے۔ جیسے ہی مغرب کی اذان کا وقت ہوتا وہ وہاں سے چل دیتے۔ میں ان سے کہتا کہ حضرت آپ نے آنے کی زحمت کیوں کی، میں آج نہ کل آپ سے مل ہی لیتا۔ اس پر وہ فرماتے: بھائی مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تم بیمار تو نہیں پڑ گئے، اس لئے عیادت کے لئے آ گیا۔ اب تمہیں اچھا دیکھ کر خوشی ہوئی۔ پھر اپنے پیسے سے چائے کا سامان منگواتے، چائے بنتی اور ہم سب پیتے۔

رفیق سفر کی حیثیت سے مفتی صاحب کے ساتھ میرا پہلا سفر دیوبند سے علی گڑھ تک اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آٹھویں سمینار میں شرکت کی غرض سے اکتوبر 1996 میں ہوا۔ اس پورے سفر میں ان کی جو نوازشیں میرے ساتھ ہوئیں میں اس کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ اتنی بڑی تعداد میں ملک کے بڑے بڑے علما اور دانش وروں کو پہلی بار دیکھنے اور ان سے ملاقات کا شرف انہیں کے طفیل حاصل ہوا۔ خردوں کی کیسے دل جوئی کی جاتی ہے اور ان کے حوصلوں کو بڑھایا جاتا ہے، کوئی ان سے سیکھے۔ اس سہ روزہ فقہی سمینار کا ایک موضوع ''عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت'' بھی تھا۔ اس تعلق سے علما اور دانش وروں کی بہت سی کارآمد باتیں سامنے آئیں اور مباحثہ ومناقشہ کا بازار گرم رہا۔ صدارت مفتی صاحب ہی فرما رہے تھے۔ مغرب کی اذان سے پانچ سات منٹ پہلے انہیں صدارتی کلمات کہنے کا موقع دیا گیا۔ مختصر سے وقت میں انہوں نے ظاہر کردیا، دیکھنا تقریر کی لذت۔ سارے لوگ ان کے خطاب کو سن کر عش عش کرنے لگے۔

مفتی صاحب کے ساتھ میرا دوسرا سفر 1997 میں جولائی یا اگست کی کسی تاریخ میں علی گڑھ کے لئے ہوا۔ میں نے یونیورسٹی کے شعبہ سنی دینیات میں ایم.اے کے لئے فارم بھردیا تھا، داخلہ کے لئے میرا نام منتخب کرلیا گیا۔ معلوم ہوا کہ فلاں تاریخ کو داخلہ کی کارروائی مکمل ہونی ہے۔ اس کی اطلاع ان کو دی۔ وہ فرمانے لگے میں بھی تمہارے ساتھ علی گڑھ جاؤں گا۔ میں نے اپنے دل میں سوچا: اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے، ہامی بھرلی۔ اس سفر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس میں ان کی ایمان داری، بردباری، کسر نفسی اور انسانی ہمدردی وغیرہ کے بہت سے درس ملے۔ واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ریل میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہم لوگ دیوبند سے میرٹھ اسٹیشن پر اس وقت پہنچے کہ سنگم اکسپریس کے کھلنے کا سگنل ہوگیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا: دیکھو جنرل ڈبہ کدھر ہے۔ میں نے کہا: ہم جنرل کے بجائے سلیپر ڈبہ میں بیٹھیں گے۔ انہوں نے فرمایا: یہ تو غلط ہوجائے گا، ہمارے پاس ٹکٹ جنرل کا ہے۔ میں نے کہا: آپ اس کی فکر نہ کریں، میں ٹی ٹی سے بات کرلوں گا۔ میرا ارادہ بھی یہی تھا کہ جنرل ڈبہ میں بیٹھوں گا، لیکن مشکل یہ تھی کہ میں دوڑ کر جنرل ڈبہ تک چلا جاتا مگر وہ ضعیف، بھاری جسم والے اور دارالعلوم کے استاذ تھے، یہ ان کی شان کے خلاف ہوتا۔ اسی دوران ایک ٹی ٹی سامنے آ گیا۔ میں نے چلتے چلتے اس سے کہا: یہ میرے گرو (استاذ) ہیں اور ہمارے پاس جنرل ٹکٹ ہے اور جنرل ڈبہ میں کافی بھیڑ ہوگی اور کوئی ٹھیک نہیں کہ وہاں پہنچنے سے پہلے ریل چل پڑے۔ اگر اجازت دیں تو ہم سلیپر ڈبہ میں بیٹھ جائیں، علی گڑھ تک جانا ہے۔ اس نے کہا: جایئے فلاں بوگی میں فلاں سیٹ پر بیٹھ جایئے۔ بڑی مشکل سے ان کو اس بوگی میں سفر کرنے کے لئے آمادہ کیا۔

ہم متعینہ بوگی میں ٹی ٹی کی بتائی ہوئی سیٹ پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک جوان لڑکی کھڑکی سے ٹیک لگائے سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے، دوسری طرف سامنے والی سیٹ پر تین چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سامان کو سیٹ کے نیچے رکھا اور مفتی صاحب سے کہا: آپ یہاں بیٹھ جائیے۔ جیسے ہی وہ بیٹھنے لگے، لڑکی نے بڑے ہی حقارت بھرے لہجے میں کہا: بڑے میاں آپ ہٹ کر وہاں بیٹھئے۔ وہ ابھی بیٹھے بھی نہ تھے کہ کھڑے ہونے لگے۔ میں نے ان کا شانہ دباتے ہوئے کہا: آپ یہیں بیٹھیں گے۔ پھر میں نے اس لڑکی سے کہا: کیا آپ اپنے والد کو بھی اسی طرح مخاطب کرتی ہیں۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ چراغ پا ہوگئی اور کہنے لگی کہ تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ میں نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اتنا تو سمجھ گیا ہوں کہ آپ بہت بدتمیز ہیں، بڑے چھوٹے کا آپ کے اندر شعور نہیں ہے۔ مفتی صاحب بار بار مجھ سے کہتے رہے کہ خاموش ہو جاؤ، کیا ہوا ہم زمین پر ہی بیٹھ کر چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ میں نے چپ سادھ لی۔ مگر وہ خاموش ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس پر سامنے والی سیٹ کے لوگوں نے اس کو ڈانٹا کہ تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا، غلطی تمہاری ہے، تمہیں تو ان سے معافی مانگنی چاہیے۔ اس کے بعد اس کا بڑبڑانا ختم ہوا۔

کچھ دیر کے بعد بلند شہر سے ایک دو اسٹیشن قبل گاڑی ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی، وہ لڑکی بدستور کھڑکی سے ٹیک لگائے رہی۔ کسی لٹیرے نے اسے تاڑ لیا، کیوں کہ وہ سونے کے زیورات پہنے ہوئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں جیسے ہی گاڑی چلی، باہر سے اس نے اس کے کان پر حملہ کر دیا اور سونے کی آئرن کو لے کر چلتا بنا، جس سے اس کا کان بری طرح زخمی ہوگیا۔ لڑکی نے چیخ لگائی تو سارے لوگ حیرت واستعجاب میں پڑ گئے کہ آخر اس کو کیا ہوا۔ مزید کچھ کہنے کے بجائے وہ کان پکڑ کر بیٹھ گئی اور آہ وبکا کرنے لگی۔ دیکھا کہ خون اس کے کان سے تیزی سے بہہ رہا ہے۔ مفتی صاحب نے جھٹ سے اپنا رومال نکال کر اس کو دیا کہ بیٹی اس سے زخم کو دبا لو۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا: میرا بیگ کھولو، اس میں فلاں دوا ہے اسے نکال کر اس بچی کو کھلاؤ تاکہ اس کی تکلیف کی شدت کم ہو۔ یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے خود سے ہی اپنے تھرمس سے پانی نکال کر اسے دیا اور کہا لو بیٹی یہ دوا کھا لو شاید جلدی تم کو آرام مل جائے۔ تھوڑی دیر میں بلند شہر اسٹیشن آ گیا، جہاں اسے اترنا تھا، البتہ اب اس کی ساری اکڑن ختم ہوگئی تھی اور وہ معافی مانگتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوئی۔

لڑکی کے جانے کے بعد مفتی صاحب نے مجھے سمجھانا شروع کیا کہ سفر میں آدمی کو ٹھنڈے دماغ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ اگر اس نے مجھے ایسا ویسا کہہ دیا تو کیا ہوا میرا قد گھٹ تو نہیں گیا، ہم جیسے ہزاروں مفتی روزانہ سفر کرتے ہیں، کون جانتا ہے کہ کون مفتی ہے اور کون دار العلوم کا استاذ۔ لڑکی کی اس بے ہودگی کا ان پر ذرہ برابر اثر نہ تھا، اور وہ اسے اس کی نادانی پر محمول کر رہے تھے۔ گویا کہ وہ مجھے یہ نصیحت کر رہے تھے:

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ
رستے میں خواہ دوست کہ دشمن کا گھر ملے

مفتی صاحب علی گڑھ آتے تو پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی یا پھر اپنے بیٹے ڈاکٹر ابوبکر عباد کے یہاں قیام کرتے۔ (عباد صاحب اس وقت شعبہ اردو میں ریسرچ اسکالر تھے اور فیملی کے ساتھ فردوس نگر میں رہتے تھے، اب دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں) عام طور سے وہ ابوبکر صاحب کو اور مجھے ساتھ لیتے اور خاص طور سے پروفیسر ابوالکلام قاسمی

، پروفیسر اعظم قاسمی، حکیم مودود اشرف، پروفیسر مسعود اشرف، قاضی افضال حسین اور مولانا ہناد احمد قاسمی وغیرہ سے ملنے ان کے دولت خانہ پر تشریف لے جاتے۔ یہ حضرات ان سے بڑی محبت اور عقیدت سے ملتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وہ علی گڑھ آئے ہوں اور اپنے جاننے والوں سے ملے بغیر چلے گئے ہوں۔ ان کا جب بھی میرے پاس خط آتا تو نام بنام لکھتے کہ فلاں فلاں لوگوں کو میرا اسلام عرض کردو گے۔

جب میں مسلم یونیورسٹی کے آفتاب ہال کے میکڈانل ہوسٹل بالترتیب روم نمبر 39 اور 21 میں رہنے لگا تو مفتی صاحب نے کئی مرتبہ خواہش ظاہر کی کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوسٹل میں ہی رہوں گا، مگر میں بعض وجوہ کی بنا پر ٹال دیتا اور کہتا کہ آپ اپنے بیٹے کے یہاں ٹھہریں تو زیادہ بہتر ہوگا، وہاں ہر طرح کی سہولت موجود ہے۔ مگر جب میں آفتاب ہوسٹل کے روم نمبر 60 میں رہنے لگا تو ایک مرتبہ انہوں نے ایک رات کے لئے میرے کمرہ پر قیام کیا۔ چوں کہ یہ سنگل سیٹ روم تھا، اس لئے مجھے ان کو یہاں ٹھہرانے میں کسی طرح کی قباحت محسوس نہیں ہوئی، بلکہ خوشی ہوئی۔ وہ میرے باضابطہ استاذ تو نہ تھے، مگر اس سے کم بھی نہ تھے اور وہ مجھے بہت عزیز رکھتے تھے اور میں ان کی کفش برداری کو اپنے لئے فخر اور سرمایہ زندگی سمجھتا تھا:

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اور یہاں کے لوگوں سے مفتی صاحب کو بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے چھوٹے لڑکے ابوبکر اور پوتے محمد رضوان یہاں پڑھتے تھے، یا چند جاننے والے یہاں درس و تدریس پر مامور تھے۔ بلکہ یونیورسٹی سے ان کا لگاؤ فطری تھا۔ میں نے تو انہیں 1995 کے بعد سے علی گڑھ آتے ہوئے دیکھا، جب کہ وہ بہت پہلے سے علی گڑھ آتے جاتے تھے۔ جب کبھی انہیں یونیورسٹی کے ناخوش گوار واقعات کی خبر ملتی تو وہ بے چین ہو جاتے اور متعدد ذرائع سے یہاں کے حالات کی خبر لینے کی کوشش کرتے۔ ہم لوگوں سے بارہا انہوں نے فرمایا: آخر مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے، وہ اپنے ہی گھر کو اجاڑنے اور بدنام کرنے میں کیوں لگے ہوئے ہیں، کب انہیں ہوش آئے گا، لے دے کر ایک ہی مسلم سرکاری ادارہ ہے، اس کو بھی لوگوں نے سیاست کی آماج گاہ بنادیا ہے۔

مفتی صاحب کو میں نے اکثر یا تو اپنے کمرہ میں لڑکوں سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھا یا دارالافتا میں استفتا کا جواب لکھتے ہوئے پایا۔ انہیں منصوبہ بند طریقے سے اور معمولات کے مطابق کسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ مگر ان کا یہ بھی خاص وصف تھا کہ وہ سبق کا مطالعہ کئے بغیر نہ پڑھاتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا: حضرت آپ پڑھتے لکھتے کب ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ کمرہ دیکھتے ہو، میں رات کے ۲؍بجے بیدار ہو جاتا ہوں اور وضو کر کے پہلے تہجد کی نماز ادا کرتا ہوں اس کے بعد گھڑی دیکھ کر دو گھنٹہ پڑھتا لکھتا ہوں، پھر سو جاتا ہوں اور فجر کی نماز کے لئے اٹھتا ہوں۔ اس کے باوجود انہوں نے عظیم علمی کام کیا ہے۔ اب تک جو کچھ شائع ہو چکا ہے، وہ تو بڑی حد تک لوگوں کے سامنے ہے، مگر اس سے زیادہ بڑا اور قیمتی سرمایہ ان کی ان گٹھریوں میں بند ہے جن کی طرف اشارہ کر کے انہوں نے فرمایا تھا: ان سب میں قیمتی مسودہ موجود ہے، جب کہ ایک بڑا علمی سرمایہ دارالعلوم کے ہنگامے میں ضائع ہو گیا۔ بڑا ہی اچھا کام کیا ہے

مولانا احمد سجاد قاسمی نے کہ وہ اپنے والد محترم کے علمی اثاثہ کو آخر وقت میں دیوبند سے منتقل کر کے اپنے گھر لے آئے اور زندگی بھر کی جمع کی ہوئی کتابوں کو انہیں کے ہاتھوں قائم کئے ہوئے گاؤں کے مدرسہ 'شمس العلوم' کو دے دیا اور ان کے نام پر لائبریری قائم کردی۔ بقیہ علمی نوادر جوان کی گٹھریوں میں بند ہیں انہیں وہ جلد ہی کھولیں گے۔ دیکھئے اس میں سے کیا کیا نکلتا ہے۔

مفتی صاحب نے چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں تحریر کیں اور سیکڑوں مضامین ومقالات سپرد قلم کئے اور نہ معلوم کتنی بڑی تعداد میں تقریظ، پیش لفظ اور مقدمہ لکھا، کم وبیش ۱۷ رسال تک دارالعلوم کے ماہانہ ترجمان 'دارالعلوم' کا اداریہ لکھتے رہے۔ اسلام کا نظام مساجد، اسلام کا نظام عصمت وعفت، اسلام کا نظام امن، امارت شرعیہ: دینی جدو جہد کا روشن باب، سوانح مولانا مناظر احسن گیلانی، مخطوطات دارالعلوم وغیرہ بڑی مقبول ہوئیں۔ یہ وہ محققانہ کتابیں ہیں جو اپنے موضوع پر لاجواب سمجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے فقہ کی مشہور کتاب 'درمختار' کی بھی اردو شرح 'کشف الانوار' کے نام سے لکھی، جو چھپ چکی ہے۔ 'زندگی کا علمی سفر' اور 'علمی مراسلے' ان کی دو اہم کتابیں ہیں، ان کے مطالعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نابغہ روزگار معاصر علماء اور دانش وروں سے ان کے مراسم کتنے گہرے تھے اور ان لوگوں کی نظر میں ان کا کیا مقام ومرتبہ تھا۔ خاص طور پر مولانا عبدالرحمٰنؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ ان کے نزدیک آئیڈیل لوگوں میں تھے، جن کا ذکر خیر ہمیشہ کرتے رہتے تھے۔ وہ مسلم پرسنل لا بورڈ، امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فعال رکن وممبر رہے۔ قاضی مجاہدالاسلام قاسمی کے انتقال کے بعد اکیڈمی کے صدر بنائے گئے۔ مختلف مکاتب ومدارس اور سماجی وملی تنظیموں کے سرپرست ونگران بھی رہے۔

مفتی صاحب دارالافتا میں ہوتے تو طلبا کو پڑھانے کے بعد استفتا کا جواب لکھنے میں مشغول ہوجاتے۔ ان کی میز پر صرف چند کتابیں ہوتیں، مگر جواب لکھنے کے لئے ان کتابوں سے مراجعت کرنے کی بہت کم نوبت آتی۔ لفافہ کھولتے، سوال پڑھتے اور جواب لکھنا شروع کردیتے۔ بغیر حوالہ اور فقہی جزئیات نقل کئے وہ جواب نہ لکھتے اور بڑی بڑی عبارتیں کتاب دیکھے بغیر نقل کردیتے تھے۔ روزانہ صبح وشام جوڈاک ان کے حصے میں آتی اس کا جواب اسی وقت لکھ کر منشی یا محرر کے حوالے کردیتے تھے۔ وہ آج کا کام کل پر ڈالنے کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ متوسلین ومتعلقین کے خطوط واستفسارات کے جوابات کسی اور وقت لکھتے تھے۔

مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل نہ تھے اور نہ انہوں نے یہاں کبھی پڑھا تھا۔ وہ مدرسہ مفتاح العلوم مئو، اعظم گڑھ کے تعلیم یافتہ اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی محدثؒ کے شاگرد رشید تھے۔ اپنے استاذ کے ساتھ انگریزوں کے خلاف 1942 کی 'ہندوستان چھوڑو تحریک' میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس کی پوری تفصیل مفتی صاحب کے کتابچہ 'جنگ آزادی کا یادگار سفر' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ 1943 میں وہاں سے فراغت کے بعد وہ ملازمت کے سلسلے میں دارالمصنفین اعظم گڑھ گئے، لیکن علامہ سید سلیمان ندویؒ کے مشورہ سے ندوۃ العلما لکھنو میں پڑھنے لگے، وہاں دل نہیں لگا، درمیان سال میں تعلیم ترک کر کے وطن آ گئے اور موضع 'ساٹھا' (بیگو سرائے، بہار) کے ایک چھوٹے سے مدرسہ 'معینیہ' میں مدرس ہوگئے، کچھ دن کے بعد وہاں سے

ڈابھیل (گجرات) چلے گئے، مگر وہاں وہ بیمار رہنے لگے تو وطن لوٹ آئے۔ صحت بحال ہوئی تو دوبارہ وہاں جانے کا قصد کیا، مگر غالبا والدین یا چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمٰن صاحب سابق امیر شریعت بہار واڑیسہ (جن کی سرپرستی ونگرانی میں انہوں نے پہلے 'راج پور' نیپال کے مدرسہ محمودیہ میں پھر مدرسہ حمیدیہ 'گودنا' چھپڑا، بہار میں تعلیم حاصل کی تھی) کے حکم سے دوبارہ 'ساٹھا' کے اسی مدرسہ میں آ گئے۔ انہوں نے انتھک محنت سے چھوٹے سے مدرسہ کو بڑا مدرسہ بنا دیا اور اس کے لئے لوگوں سے بیس بیگہ زمین بھی وقف کروائی۔ انہیں دنوں مدرسہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے یہاں کے کتب خانہ کے افتتاح کے موقع سے ایک بڑا جلسہ کیا، اس میں خاص طور سے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تھے۔ مفتی صاحب نے اس جلسہ میں لائبریری اور اس کی اہمیت وافادیت پر نہایت معلوماتی اور پرمغز مقالہ پڑھا۔ اسے سن کر قاری صاحب نے فیصلہ کیا کہ اس صالح اور نوجوان محقق کو دارالعلوم لے جانا چاہیے۔ انہوں نے امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ سے فرمایا کہ جس طرح سے بھی ہو سکے آپ انہیں دارالعلوم میں خدمات پیش کرنے کے لئے آمادہ کریں۔ بعد میں خود قاری صاحب کا خط مفتی صاحب کے پاس آیا کہ آپ جیسے باصلاحیت آدمی کی دارالعلوم کو ضرورت ہے۔ اس طرح وہ 1957 میں بڑے ہی آؤ چاؤ سے دارالعلوم پہنچے۔ وہاں غالبا ابتدا میں ان کے ذمہ دارالعلوم کے کتب خانہ کی دیکھ بھال اور اس کی فہرست سازی کا کام سپرد کیا گیا۔ جسے انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ یہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔

جب فتاویٰ دارالعلوم کی ترتیب وتدوین کی ذمہ داری ان کو دی گئی تو انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد فتاویٰ کی پہلی جلد کا مسودہ تیار کر لیا اور اسے قاری صاحب کے حکم سے کتابت کے لئے خطاط کے سپرد کر دیا۔ انہیں دنوں قاری صاحب پاکستان چلے گئے۔ انہیں وہاں کافی دنوں تک ٹھہرنا پڑ گیا۔ اب مسئلہ یہ درپیش تھا کہ ٹائٹل پر مرتب کا نام ہو یا نہ ہو۔ کچھ لوگ چاہتے تھے کہ ان کا نام اس پر لکھا ہی نہ جائے۔ کسی طرح ان کو اس کی خبر لگ گئی۔ انہوں نے پیش کار کی مدد سے قاری صاحب سے رابطہ کیا اور صورت حال سے آگاہ کروایا۔ بالآخر لمبی خط وکتابت کے بعد قاری صاحب کا حکم آیا کہ فتاویٰ پر مرتب کا نام ضرور شائع ہونا چاہیے۔ دارالعلوم کے حق میں ان کا یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہے جو انہوں نے 12 جلدوں میں ایک خاص عہد تک کے تمام فتاویٰ کو جمع کر کے انجام دیا ہے۔ جب تک یہ مجموعہ فتاویٰ دنیا میں باقی رہے گا ان کا نام زندہ رہے گا۔ مفتی صاحب کی ہمہ گیر شخصیت اور فقیہانہ بصیرت اس بات کی مستحق تھی کہ وہ دارالعلوم کے مفتی اعظم کی مسند پر رونق افروز ہوتے۔ لیکن بعض لوگوں کی وجہ سے وہ اس اعزاز سے محروم رہے۔

> **میرے لئے بہتر تو یہی ہے کہ دیوبند ہی میں رہوں، یہاں پڑھنے لکھنے اور لوگوں سے ملنے جلنے میں وقت کٹ جاتا ہے۔ گھر جانے کے بعد تنہائی کی وجہ سے غم سے نڈھال اور کم زور ہو جاؤں گا۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اسی طرح دارالعلوم کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے اٹھا لے اور مزار قاسمی میں پاک طینت لوگوں کے قدموں میں جگہ مل جائے۔**

ایک دن عصر کے بعد مفتی صاحب سے ملنے ان کے کمرہ پر گیا۔ دیکھا کہ کچھ اساتذہ اور طلبا وہاں بیٹھے ان سے گفت وشنید کر رہے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم میرے پہنچنے سے قبل تک وہاں کیا باتیں ہو رہی تھیں، مگر وہ کچھ اس طرح کی باتیں کہہ رہے تھے کہ کیوں مولانا اسعد مدنی صاحب مجھے اپنی مجلس میں حاضری کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ میں دارالعلوم کا ملازم ہوں نہ کہ ان کا۔ اس پر کسی صاحب نے مزاحیہ انداز میں کہہ دیا: اگر وہاں حاضری نہیں دیں گے تو دارالعلوم سے نکالے جائیں گے۔ انہوں نے فرمایا: مجھے کوئی غم نہیں، میں کوئی درخواست دے کر یہاں آیا ہوں، مجھے تو لایا گیا ہے۔ دارالعلوم والے لکھ کر دے دیں گے تو میں بخوشی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ پھر کہنے لگے کہ ایسے کیسے نکال دیں گے، کوئی وجہ تو ہونی چاہیے، میں اپنی ڈیوٹی بحسن وخوبی انجام دیتا ہوں۔ ایک صاحب نے کہا: آپ کی ضعیفی کو وجہ بنالیں گے۔ اس پر انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: تب تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مجھ سے پہلے مہتمم کے عہدہ سے ہٹانا ہوگا، کیوں کہ وہ مجھ سے زیادہ ضعیف ہو چکے ہیں، میں تو ان سے ہٹا کٹا ہوں۔

مارچ 1996 میں مفتی صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو گویا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مرجھا سے گئے اور پہلے جیسا حوصلہ وولولہ ان کے اندر نہ رہا۔ تاہم پوری ذمہ داری کے ساتھ دارالعلوم میں خدمات انجام دیتے رہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے فرمایا: احمد سجاد کی والدہ کے انتقال کے بعد میرے جینے کا مقصد ہی فوت ہوگیا، اب اچھا نہیں لگتا۔ میں نے عرض کیا: حضرت آپ کی عمر زیادہ ہوگئی ہے، صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی، بہتر ہوتا کہ ملازمت ترک کر کے وطن چلے جاتے، بچوں کے ساتھ رہیں گے تو غم نہ ستائے گا۔ انہوں نے فرمایا: یہ تو میں بھی سوچتا ہوں، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ بچے اور بوڑھوں کا دماغ یکساں ہو جاتا ہے۔ وہ تو ہیں نہیں، وہاں کون خیال رکھے گا، سجاد اپنی ڈیوٹی پر چلے جائیں گے، بہو کہاں تک دھیان دے گی۔ میرے لئے بہتر تو یہی ہے کہ دیوبند ہی میں رہوں، یہاں پڑھنے لکھنے اور لوگوں سے ملنے جلنے میں وقت کٹ جاتا ہے۔ گھر جانے

مفتی صاحب گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ میں نے ان کو نہ کبھی کسی سے ناراض ہوتے ہوئے دیکھا اور نہ ان کو کبھی مغموم پایا، کوئی بھی بات ہوتی دل میں دبائے رہتے اور ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے۔ میں نے انہیں نہ کبھی کسی کی غیبت اور شکایت کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ نہ فضول خرچ تھے نہ بخیل، سادہ مزاج تھے اور سادگی کو پسند کرتے تھے۔ ملن سار ایسے کہ چھوٹوں سے ملنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے اور اگر کسی سے ملے ہوئے زیادہ دن ہوجاتے تو چاھے وہ استاذ ہو یا طالب علم یا اور لوگ، خود ھی ان سے ملنے چلے جاتے۔ نمود ونمائش اور شہرت کو وہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ کسی کو کچھ دیتے تو اس کی خبر کسی دوسرے کو نہ ہوتی اور خود بھی بھول جاتے تھے۔ مہمان نواز ایسے کہ چھوٹے بڑے کا قطعاً خیال نہ کرتے اور اپنی بساط کے مطابق بڑی فیاضی سے ضیافت کرتے۔ جو کام کرتے محنت اور خوش اسلوبی سے کرتے۔ کوئی بات بولتے تو نپی تلی کہ کبھی شرم سار نہ ہونا پڑے۔

کے بعد تنہائی کی وجہ سے غم سے نڈھال اور کمزور ہو جاؤں گا۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اسی طرح دارالعلوم کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے اٹھالے اور مزار قاسمی میں پاک طینت لوگوں کے قدموں میں جگہ مل جائے۔ مگر قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔

حضرت مفتی صاحب سے میری آخری ملاقات اپریل 2008 میں دارالعلوم شیخ علی متقی، برہان پور میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے سالانہ سمینار میں ہوئی۔ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا، وہ لیٹے ہوئے تھے۔ میرے سلام کی آواز سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ خیریت معلوم کی، پھر وہ اپنے خاص لہجے میں کہنے لگے کہ اب تم آگئے ہو میرا سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ پریشانی کچھ بھی نہیں تھی، دل اچاٹ ہو گیا تھا، وطن جانا چاہتے تھے اور مراد یہ تھی تم ہی مجھے یہیں سے چند دنوں کے لئے وطن پہنچادو۔ کافی دیر کے بعد میں نے ان سے کہا: فکر نہ کریں آپ گھر ضرور جائیں گے۔

سمینار کے آخری دن یعنی ۷ر تاریخ کو میں نے مفتی امتیاز صاحب کو بلایا اور مفتی صاحب کے سامنے ان سے پوچھا: آپ لوگ حضرت کو گھر کس طرح اور کیسے پہنچائیں گے؟ انہوں نے پروگرام بتادیا۔ میں نے کہا: آپ ان کو دہلی سے دیوبند نہ پہنچائیے، بلکہ گھر پہنچا دیجئے یا کسی قابل اعتماد آدمی کے ساتھ بھجوا دیجئے۔ اگر کسی وجہ سے آپ لوگ معذور ہوں تو مجھے اس کی اطلاع کردیجیے گا، میں کوئی انتظام کرلوں گا۔ اس پر وہ راضی ہو گئے۔ مفتی صاحب خوش ہوئے اور کہنے لگے دیکھا نہ شمیم آگیا، میرا سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وطن گئے اور کچھ دن رہ کر پھر دیوبند آگئے۔ اس کے بعد ان کی صحت مستقل خراب رہنے لگی اس لئے ملازمت ترک کر کے اگست 2008 میں ہمیشہ کے لئے وطن آگئے۔

مفتی صاحب گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔ میں نے ان کو نہ کبھی کسی سے ناراض ہوتے ہوئے دیکھا اور نہ ان کو کبھی مغموم پایا، کوئی بھی بات ہوتی دل میں دبائے رہتے اور ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے۔ میں نے انہیں نہ کبھی کسی کی غیبت اور شکایت کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ نہ فضول خرچ تھے نہ بخیل، سادہ مزاج تھے اور سادگی کو پسند کرتے تھے۔ ملنسار ایسے کہ چھوٹوں سے ملنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے اور اگر کسی سے ملے ہوئے زیادہ دن ہو جاتے تو چاہے وہ استاذ ہو یا طالب علم یا اور لوگ، خود ہی ان سے ملنے چلے جاتے۔ نمود و نمائش اور شہرت کو وہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ کسی کو کچھ دیتے تو اس کی خبر کسی دوسرے کو نہ ہوتی اور خود بھی بھول جاتے تھے۔ مہمان نواز ایسے کہ چھوٹے بڑے کا قطعاً خیال نہ کرتے اور اپنی بساط کے مطابق بڑی فیاضی سے ضیافت کرتے۔ جو کام کرتے محنت اور خوش اسلوبی سے کرتے۔ کوئی بات بولتے تو نپی تلی کہ کبھی شرمسار نہ ہونا پڑے۔ سب کو جانا ہے اور سب جانے کے لئے ہی آئے ہیں، مگر ان میں کچھ لوگوں کے جانے کا غم بہت ہوتا اور دیر تک رلاتا اور ستاتا ہے۔ مفتی صاحب کے انتقال (31 مارچ 2011) سے جو علمی خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ علم و عمل کا یہ چراغ 85 سال کی عمر پا کر ایک دن ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔ وہ ۷ر مارچ ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ تقریباً ۶ر ہزار لوگوں نے انہیں اپنے قائم کئے ہوئے چھوٹے سے مدرسہ کے ایک کنارے اگلی صبح یکم اپریل کو پونے دس بجے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ کہتے ہوئے دفن کردیا۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدینؒ

وہ صاحب جلال نہ جانے کدھر گئے

● ادارہ ....

انسان روزانہ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں جن کا وقت موعود آچکا ہوتا ہے، دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں، کچھ دنوں تک عزیزوں و اقارب کو اس کی موت کا ملال رہتا ہے، اور پھر وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، لوگ بھول جاتے ہیں، مگر اس دنیا میں انسانوں کے بیچ سے کچھ ایسے انسان کو بھی اللہ تعالیٰ منتخب کرتا ہے جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں، قرآن کریم نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

''ولاتقولو المن یقتل فی سبیل اللّٰہ امواتا، بل احیاؤ ولکن لا تشعرون''

(جو لوگ اللہ کی راہ میں دنیا سے چلے گئے اور شہید ہو گئے ان کو مرا ہوا مت کہو، وہ تو زندہ ہیں، مگر تم اس کو محسوس نہیں کر سکتے اس کا تم کو شعور نہیں ہے)

حدیث میں جناب نبی کریم خاتم المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''من قتل دون مال، فھو شھید، ومن دون نفسہ فھو شھید، ومن قتل دون عرضہ فھو شھید''**

(جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا، اللہ کے بھیجے ہوئے دین کی حفاظت کرتا ہوا، منکر کے خلاف لڑتا ہوا، دنیا سے جائے وہ تو شہید ہیں، اس کا نام بھی رہتی دنیا تک زندہ رہے گا اور کام بھی)

حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس زمین پر پیدا ہونے والے ان خوش نصیبوں میں ہیں جو مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں، اور اپنے کارناموں اور علم و دین کی خدمت کے جو انہوں نے نقوش چھوڑے ہیں ان کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہیں گے کوئی فراموش کر کے بھی ان کو بھول نہیں سکتا، وہ اللہ کے ولی تھے، ان کو مٹی بھی کھانے سے شرمائے گی۔

آج جب میں یہ تحریر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھ رہا ہوں اس ملک کی چند وہ شخصیات جن کو میں نے دیکھا یا ان سے کسب فیض اور استفادہ کا موقعہ اس............کو میسر ہوا ان میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، حضرت مولانا قاری محمد صدیق احمد صاحب باندوی، حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب استاذ حدیث افضل المعارف الہ آباد، حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری، حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی، حضرت مولانا اجتباء حسن صاحب ندوی، حضرت مولانا احرار الحق صاحب استاذ (دارالعلوم دیوبند)، حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی، حضرت مولانا محمد نصیر احمد خاں صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، استاذ محترم حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب، حضرت مولانا مجیب الغفار صاحب بنارس، حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی، حضرت محمد حسین صاحب (ملقب بہ ملا بہاری) حضرت مولانا زبیر احمد صاحب سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، (استاذ گرامی حضرت مولانا وحید الزماں

صاحب کیرانوی، حضرت مولانا محمد انظر شاہ مسعودی، حضرت مولانا محمد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا فضیل احمد قاسمی جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا باقر حسین صاحب بانی و مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی، حضرت مولانا محمد مجیب اللہ ندوی صاحب، حضرت مولانا مصطفیٰ مفتاحی صاحب، حافظ مجیب الرحمٰن صاحب اور ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب (یہ دونوں ہمارے ابتدائی اساتذہ میں ہیں جو ہمارے گاؤں کے مدرسہ فلاح المسلمین اربٹہ دربھنگہ میں مدرس تھے، اور ہمارے ممدوح محترم جناب حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی صاحب۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مذکورہ تمام بزرگوں کو ان کی دینی اور ملی وقومی خدمات کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔

مذکورہ تمام بزرگوں سے ہم اس مختصر سی مدت میں فیضیاب ہوئے، اور ہمیشہ یہ ہمارے بزرگان یاد آتے رہتے ہیں، میں اس تحریر میں ان تمام اکابر علماء ربانیین کو خراج عقیدت پیش کرنا مناسب سمجھ رہا ہوں، آج جو کچھ بھی ہوں اللہ رب العالمین کی عنایت، اپنے مخلص والدین کی شفقت اور اپنے انھیں بزرگوں کی نظر توجہ اور دعاؤں کے صدقہ ہوں۔

حضرت مولانا مفتی صاحب ملاقات:

حضرت مفتی صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات، خود ان کے کمرہ احاطہ دارالعلوم دیوبند میں اس وقت ہوئی جب بیت المعارف الہ آباد سے سال سوم کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سال چہارم میں داخلہ کیلئے ام المدارس دارالعلوم دیوبند گیا، داخلہ کا امتحان چونکہ شوال میں ہوتا ہے، میں امتحان کی تاریخ سے کافی پہلے ہی دیوبند چلا گیا، تاکہ تیاری کرسکوں، مفتی صاحب کے بارے میں پہلے ہی سے معلوم تھا کہ حضرت دیوبند میں ہیں چنانچہ اس لئے حاضر ہوا کہ حضرت سے دعاء کی درخواست بھی کروں گا اور اپنا تعارف بھی، عصر کی نماز کے بعد کمرے پر حاضر ہوا، سلام ومصافحہ کے بعد کنارے بیٹھ گیا، اپنا نام بتایا، گاؤں کا نام بتایا، تھوڑی دیر وہاں رہا چلنے لگا تو مصافحہ کیا اور حضرت سے دعاء کی درخواست کی اس کے بعد امتحان داخلہ تک حضرت کے پاس نہیں گیا۔

دارالعلوم کا امتحان دیا اور وہاں سے یہ سوچ کر مظاہر علوم سہارنپور چلا گیا کہ کہیں دارالعلوم میں داخلہ مقدر نہ ہوا تو سال خراب نہ ہو، وہاں جا کر امتحان دیا بحمد للہ کامیاب ہوگیا، داخلہ بھی ہوگیا، مظاہر علوم میں امتحان کا مستحق ہونے کے لئے دو پارے ۲۹، اور ۳۰، یاد ہونے ضروری ہیں چنانچہ حسب حکم ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا محمد اللہ صاحب وہاں کے درجہ حفظ کے کسی استاذ کے پاس قرآن سنانے گیا، انھوں نے دوتین مقامات سے زبانی پڑھنے کو کہا، میں نے سنا دیا، اس کے بعد باضابطہ میں مظاہر علوم کا طالب علم ہوگیا، ابھی تعلیم کا آغاز ہونا باقی تھا، بخاری شریف کے درس کا آغاز ہو چکا تھا، تبرکاً شیخ محمد یونس صاحب کے درس بخاری میں شریک ہوا۔

اور پھر اس کے دوتین دنوں بعد ہی دارالعلوم کے داخلہ کا امتحان کا نتیجہ آیا، فون کرکے ہمارے دوست مولانا محمد حسین قاسمی صاحب جو ان دنوں دہلی میں ہیں شاستری پارک میں ایک مدرسے کے بانی اور مہتمم ہیں انھوں نے بتایا کہ آپ کا نام کامیاب طلبہ کی فہرست میں آگیا ہے، آپ فوراً دیوبند آجائیں، اتنا سنتے ہی میری خوشی کی انتہا نہ رہی، سچائی یہ ہے کہ جتنی خوشی مجھے اس دن دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کی خبر سے ہوئی اور مسرت کی لذت جو اس دن محسوس ہوئی تھی، آج تک مجھے ایسی مسرت نصیب نہیں ہوئی، اور آج تک خوشی کی لذت کو محسوس کرتا رہتا ہوں، دیوبند پہونچتے ہی میں نے سب سے پہلے داخلہ کی فہرست دیکھی، اس کے بعد سب سے پہلے حضرت مولانا مفتی صاحب سے ملاقات کی اور ان کو خوشخبری سنائی، حسب عادت وہ بہت خوش ہوئے دعائیں دیں۔ ❁ ❁ ❁

سوانحی خاکہ

● نام: ظفیر الدین، پیدائش: ۲۱ر شعبان ۱۳۴۴ھ مطابق ۷ر مارچ ۱۹۲۶ء والد صاحب کا نام محمد شمس الدین تھا، جو ریلوے میں ملازم تھے، ان کی وفات ۱۹۴۶ھ/ ۱۳۶۵ھ میں ہوئی۔

● وطن: موضع پورہ نوڈیہا، ضلع دربھنگہ، بہار، جو دربھنگہ سے جانبِ شرق میں ۵ کلومیٹر کی دوری پر ''کملا ندی'' کے کنارے واقع ہے۔

● تعلیم ابتدائی ومتوسط: ابتدائی تعلیم گھر پر، پھر مدرسہ محمودیہ، راج پور، ترائی نیپال میں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۰ء تک مدرسہ وارث العلوم چھپرا (بہار) میں جہاں ان کے چچازاد بھائی مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ (متوفی ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء) امیر شریعت پڑھاتے تھے۔ یہاں انہوں نے فارسی اور عربی کی کتابیں متوسطات تک پڑھیں۔

● اعلیٰ تعلیم: ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء تک آپ نے اعلیٰ تعلیم جامعہ مفتاح العلوم مؤ میں حاصل کی۔ آپ کے یہاں کے اساتذۂ گرامی میں محدثِ کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء) اور عالم وقائد مولانا عبداللطیف نعمانی مؤیؒ (۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۹ء-۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء) مولانا محمد یحییٰ اعظمیؒ، مولانا شمس الدین مؤیؒ وغیرہ اہم تھے۔

● تدریسی وعلمی خدمات: ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں فراغت کے بعد ایک سال مفتاح العلوم مؤ میں مدرس رہے، اس کے بعد ستمبر ۱۹۴۵ء سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک مدرسہ معدن العلوم، نگرام، ضلع لکھنو میں تین سال تدریسی خدمت انجام دی، جنوری ۱۹۴۸ء میں دار العلوم معینیہ موضع ''سانحہ''، ضلع مونگیر (حال ضلع بیگوسرائے) میں مدرس ہوئے، یہاں ۱۹۵۶ء تک درس وتدریس میں مشغول رہے، درمیان میں ایک سال از محرم ۱۳۶۸ھ تا اواخر ۱۳۶۸ء جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل وسملک، سابق ضلع سورت حال ضلع نوساری، میں تدریسی خدمتیں انجام دیں، وہاں بیمار ہوگئے، اس لیے واپس دار العلوم معینیہ سانحہ آگئے۔

● ندوۃ العلماء لکھنؤ میں: قابلِ ذکر ہے کہ مفتی صاحبؒ نے علامہ سید سلیمان ندوی کی تشویش وترغیب پر شوال ۱۳۶۴ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں پڑھنے کے لیے داخلہ لیا، لیکن وہاں کچھ مہینے ہی گزار سکے پھر ''نگرام''، ضلع لکھنؤ کے مدرسہ معدن العلوم میں حضرت مولانا محمد ادریس ندوی نگرامی کی ذہن سازی کی وجہ سے مدرس ہوگئے۔ ان کے ندوہ کے اساتذہ میں مولانا حلیم عطا شاہؒ، مولانا محمد ناظم ندویؒ مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ اور مولانا حمید الدینؒ وغیرہ تھے۔

● دار العلوم دیوبند میں: (۹ستمبر ۱۹۵۶ء) ۳ر صفر ۱۳۷۶ھ کو دار العلوم میں شعبۂ تصنیف وتالیف سے منسلک ہوئے۔ ۱۳۸۳ھ میں مرتب کتب خانہ کے عہدے پر فائز ہوئے، اسی دوران فتاویٰ دار العلوم دیوبند کی ترتیب کا عظیم الشان کام انجام دیا، جو ۱۲ جلدوں میں مسلسل شائع ہو رہا ہے، یہ سارے فتاویٰ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ کے ہیں۔ آپ کے مزید فتووں کی ترتیب کے سلسلے میں اب دار العلوم میں پیش رفت ہو رہی ہے۔ اس وقت (۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء) میں ۱۳ویں اور ۱۴ویں جلدیں بعض اساتذۂ دار العلوم کی نگرانی میں چھپ چکی ہیں۔

● مطالعۂ علومِ قرآنی کی نگرانی وسرپرستی: ۱۳۸۴ھ میں

دارالعلوم میں ایک خصوصی شعبۂ ''مطالعۂ علوم قرآنی'' کے نام سے قائم کیا گیا جس کی سرپرستی، نگرانی اور رہ نمائی کے لیے مجلس شوریٰ نے حضرت مفتی صاحب ہی کو منتخب کیا۔ یہ ۱۳۸۸ھ تک قائم رہا، اس کے بعد بعض ذمہ داروں کے ایما سے اس کو بند کر دیا گیا۔ یہ شعبہ بہت کامیاب اور دارالعلوم کے ذہین طلبہ اور باصلاحیت فضلا کے لیے، اپنی علمی اور تحریری لیاقت کو پختہ کرنے کا بہترین ذریعہ تھا۔

- اداریہ رسالۂ دارالعلوم' کے لیے انتخاب: صفر ۱۳۸۵ھ میں مجلس شوریٰ نے رسالہ دارالعلوم کے اداریے کی تحریر کے لیے مفتی صاحب کو منتخب کیا اور انہیں باقاعدہ رکنِ ادارت قرار دیا۔ ماہِ ربیع الاوّل ۱۳۸۵ھ سے انہوں نے اداریہ لکھنا شروع کیا، یہ سلسلہ تقریباً ۱۷؍سال تک جاری رہا، ۱۴۰۲ھ میں موقوف ہوا۔

- دارالافتا میں مفتی: ۱۹۹۳ء میں آپ دارالافتاء میں مفتی دارالعلوم کے منصب کے لیے منتخب کیے گئے ۹؍شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۱؍اگست ۲۰۰۸ء بروز جمعرات تک اس منصب پر فائز رہے۔

- ۲۰ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲؍اگست ۲۰۰۸ء بروز جمعہ کو خود سے سبک دوشی لے کر گھر چلے گئے، کیوں کہ کم زوری اور پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے اَعذار پیدا ہو گئے تھے۔ دارالعلوم سے ۲۰۰۰ روپے ماہانہ وظیفہ تاحیات کا اجرعمل میں آیا۔

- تصنیفات: مفتی صاحبؒ میں تالیف وانشا کا فطری ذوق ہے، زبان سادہ اور سادہ اور رواں لکھتے ہیں، ان کی تحریر ہر طرح کے تکلف سے پاک ہوتی ہے، انہوں نے بہت سی کتابیں اور سیکڑوں مقالات لکھے، جو ملک کے طول وعرض میں مختلف رسائل میں چھپے، انہیں جمع کر دیا جائے تو دسیوں کتابیں تیار ہو جائیں گی۔

مشہور ومعروف تصانیف:

۱۔ جماعتِ اسلامی کے دینی رجحانات۔ ۲۔ اسلام کا نظام مساجد۔ ۳۔ نظامِ عفت وعصمت۔ ۴۔ نظام امن۔ ۵۔ نظام تعلیم وتربیت۔ ۶۔ نظام تعمیر سیرت۔ اسلامی حکومت کے نقش ونگار۔ ۸۔ تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانی۔ ۹۔ تذکرہ مولانا عبدالرّشید رانی ساگری۔ ۱۰۔ دینی جدوجہد کا روشن باب: امارت شرعیہ۔ ۱۱۔ حکیم الاسلام اور ان کی مجالس۔ ۱۲۔ تعارف مخطوطات کتب خانۂ دارالعلوم دیوبند، دوجلدیں۔ ۱۳۔ مشاہیر علمائے دیوبند۔ ۱۴۔ دارالعلوم کا قیام اور اس کا پس منظر۔ ۱۵۔ حیاتِ مولانا گیلانی۔ ۱۶۔ اسلامی نظام معیشت۔ ۱۷۔ تاریخ المساجد۔ ۱۸۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، بارہ جلدیں۔ ۱۹۔ جرم وسزا کتاب وسنت کی روشنی میں۔ ۲۰۔ اسوۂ حسنہ مصائب سرکار دوعالم ﷺ۔ ۲۱۔ زندگی کا علمی سفر (خودنوشت)۔ ۲۲۔ ترجمہ درمختار از ابتدا تا ختم کتاب الطلاق۔ ۲۳۔ درسِ قرآن۔ ۲۴۔ مسائل حج وغیرہ۔

- بیعت وخلافت: مفتی صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسن احمد مدنیؒ سے بیعت تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری طیبؒ کے دست گرفتہ ہوئے۔ اسی دوران مولانا سید فضل اللہ جیلانیؒ نے بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (مزید معلومات کے لیے دیکھئے ان کی خودنوشت ''زندگی کا علمی سفر'' شائع کردہ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارن پور، یوپی)

(ماخوذ ''پس مرگ زندہ'')

❁ ❁ ❁

ابا جان کی وفات پر

وہ فقہ وفتاویٰ علمِ نبی کا نیّر تاباں ڈوب گیا

● مولانا احمد سجاد قاسمی

ہر سمت اداسی چھائی ہے مغموم یہاں ہر پیر و جواں
ہر دل میں غموں کا طوفاں ہے ہر چہرے سے ہے کرب عیاں
نمناک بنی ہیں ہر آنکھیں ماحول میں ہر سو آہ وفغاں
پژمردہ ہیں سب گلہائے چمن اور دیدۂ نرگس اشک فشاں
اے حلم ومروت کے خوگر اے مہر ومحبت کے پیکر
اے رہروِ راہِ خلد بریں پھر ڈال دے شفقت سے تو نظر
وہ خواب سلیماںؒ ندوی کے وہ عاشقِ حضرت گیلانیؒ
محبوبِ حبیبؒ رحماں تھے شاگردِ رشیدِ نعمانیؒ
وہ دیدۂ طیبؒ مدنیؒ کے دلداۂ منتؒ رحمانی
اسلاف کے تھے وہ عکس حسیں اور ان سے تھا رشتہ روحانی
وہ فقہ وفتاویٰ علم نبی کا نیّر تاباں ڈوب گیا
سرتاپا جو درس قرآں تھا وہ مہرِ درخشاں ڈوب گیا
وہ نرم مزاج وشیریں زباں وہ جود وسخا کا نقشِ حسیں
تھی ذوقِ عبادت سے ہر دم مہتاب سی روشن ان کی جبیں
تھے آپ تصنّع سے عاری اور ان میں تکلف کچھ بھی نہیں
وہ سہل نگار وسہل بیاں، وہ سہل پسندی کے تھے امیں
اخلاقِ جلیلہ کا حامل تربت میں ابھی خوابیدہ ہے
تھا لمبا سفر، اب منزل پر آسودہ ہے آرامیدہ ہے
''ترتیب فتاویٰ'' علم فقہ کی دنیا میں شہکار بنی
تو ''اسوۂ حسنہ'' عشقِ نبی کے جذبے کا اظہار بنی

پھر ''عفت وعصمت'' کی شہرت سے دنیا لالہ زار بنی
اور ایک ''نظام امن'' تری لوگوں کے گلے کا ہار بنی
''تاریخ مساجد'' بھی لکھی اور اس کے نظامِ اعلا کو
اور ''درسِ قرآن'' کی خوشبو سرشار کرے گی دنیا کو
تخریج مسائل میں یکتا تحقیق کے فن میں تو اعلیٰ
تحریر تمہاری اہل قلم کے واسطے روشن مینارا
سب تجھ سے محبت کرتے ہیں تو سب کی آنکھوں کا تارا
جو کام ادارے کرتے ہیں وہ تنہا تونے کرڈالا
اب قادرِ مطلق کی جانب سے جنت میں اکرام ملے
ہر حرف کے بدلے میں تجھ کو اعزاز ملے ، انعام ملے
سب آپ کے مرشد اور بڑے ہیں آج یقیناً خلد نشیں
استاذ جو دل کی دھڑکن تھے وہ سب کے سب ہیں زیر زمیں
غمخوار میاںؔ صاحب تیرے ہمدرد عتیقؔ مفتیؔ دیں
احباب میں ازہرؔ شاہ ہوں یا علامہ بہاریؔ کوئی نہیں
یوں دنیا میں جو آئے ہیں سب جانے کو ہی آئے ہیں
پھر ہوک سی دل میں کیوں اٹھی کیوں ہر سو غم کے سائے ہیں
جب دارالافتا کی مجلس میں چائے کی پیالی آئے گی
کچھ چشم حزیں اس محفل میں کچھ اور ہی شے چھلکائے گی
اور ہنستے کھلتے چہروں پر یکلخت اداسی چھائے گی
اک ا?ہ بھی نکلے گی دل سے اور عرش تلک وہ جائے گی
سب لوگ عبیدِ رحماںؔ سے تب دل کا حال سنائیں گے
اور غم کو ہلکا کر کرکے بادیدۂ نم اٹھ جائیں گے

❁ ❁ ❁

مامو جان کی وفات پر

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

● رضوان الحق قاسمی

26اپریل2011 کے سہ پہر کا وہ وقت شاید میں زندگی میں کبھی بھول نہیں سکتا، جب میرے عزیز بھائی عمران الحق سلمہ نے سعودی عرب سے مجھے فون کر کے یہ بتایا کہ ماموں جان اب اس دنیا میں...... یہ جملہ وہ پورا بھی نہیں کر پائے کہ ان کی آواز بھرا گئی اور ایسا لگا کہ زمین و آسمان سب گردش کرنے لگے، میرے پاؤں میں لرزہ طار ہوگیا۔ ابھی 21اپریل کو ہی تو میں پٹنہ کے ہارٹ ہوسپٹل، جہاں وہ عارضہ قلب کے علاج کے سلسلہ میں داخل تھے، دس دن بعد یعنی یکم مئی کو ان کی صاحبزادی شگفتہ کی شادی کی تقریب میں آنے کا وعدہ کر کے دہلی آیا تھا۔ لیکن وہ 26اپریل کو ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے (آمین) ان سے یہ شکوہ ضرور رہے گا کہ آپ نے مجھے دعوت دے کر بلایا اور خود اس عالم میں چلے گئے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا، اگر مجھ سے کوئی غلطی یا گستاخی ہوئی تھی تو پھر حسب عادت اپنی شفقت بھری مسکراہٹ بکھیر کر در گزر کرتے۔ بہر حال ان کی یادیں، ان کی شفقت و محبت ہر وقت ذہن و دل میں گردش کرتی رہتی ہیں، اور چوبیس گھنٹہ میں کوئی وقت ایسا ضرور آتا ہے کہ ان کی یادیں آنکھوں کو نم کر جاتی ہیں۔

ماموجان سادہ طبیعت کے مالک تھے پورے گاؤں میں کوئی ایسا شخص نہیں، جس سے ان کا کوئی اختلاف رہا ہو، اپنے بچوں کو خوش رکھتے، اور ان کی خوشیاں انہیں بہت عزیز تھیں، بچوں کی تعلیم کے تعلق سے نہایت سنجیدہ رہتے تھے۔ آج کے دور میں جب رشتوں کی قدریں ختم ہوتی جا رہی ہیں، ہر طرف گھریلو نظام ٹوٹتا بکھرتا نظر آ رہا ہے ماموجان اس مزاج کے آدمی تھے کہ انہیں رشتوں کا پاس تھا وہ سب کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے، اور باوجودیکہ وہ تلاش معاش کے سلسلہ میں تنزانیہ (افریقہ) رہتے، لیکن اپنے رشتہ داروں اور متعلقین سے غافل نہیں رہتے سب کی خیریت فون سے معلوم کر ہی لیتے تھے۔ میں نے جب سے دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کرلیا تو میرے ابا، چچا اور دیگر رشتہ دار مجھے بلاتے وقت میرے نام کے ساتھ روایتی طور پر مولوی ضرور لگاتے ہیں لیکن اس روایت سے ہٹ کر وہ تنہا آدمی تھے جو روایت نہیں، بلکہ شفقت کے قائل تھے اور وہ مشفقانہ لفظ، جس سے بچپن سے ہی پکارا کرتے تھے یعنی ''ماما'' کہہ کر ہی پکارتے اور اپنے تمام بھانجے اور بھانجیوں کو محبت سے اسی لفظ سے پکارا کرتے تھے۔ کتنا پیار تھا اس لفظ میں اور کتنی محبت اور شفقت تھی جب وہ اپنی زبان سے کہتے تھے اس کے اظہار کے لیے کئی صفحات ناکافی ہیں۔

<u>**میری تمام قارئین سے درخواست ہے**</u> کہ اپنی دعاؤں میں بطور خاص مرحوم ماموجان (مختار احمد) کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے نیک اعمال کے بدلے انہیں جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے آمین۔

ان کے انتقال سے ہمارے ددھیال سے ننھیال تک سب لوگوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے خاص کر میری اماں جن کے وہ تنہا بھائی تھے اور وہ ان کی اکلوتی بہن، نانی، ممانی اور ماموجان کے بچے برادر عزیز سنبل سلمہ، مدثر اور چھوٹی صاحبزادی رضوانہ جس کو انہوں نے بڑے شوق سے علم دین کی تعلیم سے آراستہ کیا تھا جو امسال سورت گجرات کے ایک بڑے تعلیمی ادارے سے عالمہ کا کورس مکمل کر چکی ہیں یہ سب ان کی موت کے صدمے سے کافی متاثر ہیں اللہ ان سب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین

اداس چھوڑ گیا وہ ہر ایک موسم کو
گلاب کھلتے تھے کل جس کے مسکرانے سے

مکرمی ایڈیٹر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

معارف قاسم جدید کے توسط سے عام لوگوں تک اپنی یہ بات پہنچانا چاہتا ہوں کہ ہمارا معاشرہ روز بروز پراگندہ ہوتا جا رہا ہے، مذہب اسلام کے پاکیزہ اصول وضوابط سے ہم دور ہوتے جا رہے ہیں، غیر قوموں کے رسم و رواج کا چلن مسلم معاشرہ میں بھی پروان چڑھتا جا رہا ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ پہلے یہ بیماری صرف اہل ثروت اور اعلی تعلیم یافتہ طبقے میں تھی، متوسط طبقہ اس وبا سے کافی حد تک محفوظ تھا مگر دھیرے دھیرے اس طبقہ نے بھی ان رسومات قبیحہ کو اپنانا شروع کر دیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ ان برائیوں کے عام ہونے کی وجہ سے ہمارے سماج میں بھی انہیں کار گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ اچھی باتوں، نیک کاموں اور اسلام کے زریں اصول سے ہمارا ماحول خالی ہے، گھر میں یا گھر سے باہر، دوست احباب کی مجلس ہو یا بزرگوں کی محفل، کوئی بھی شخص جانتے ہوئے بھی اصلاح کی کوشش نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب سے بیزاری اور نبی کریم ﷺ کے اسوہ سے دوری کے سبب ہم طرح طرح کے مصائب اور پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ سیاسی اور سماجی طور پر بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ہر طرح کے فتنہ وفساد میں ہمیں پھنسانے کی کوشش کی جارہی ہے مگر ہم پھر بھی ہوش کے ناخن نہیں لیتے۔

صرف یہ کہنے سے کہ ہم پر ظلم ہو رہا، ہم ستائے جا رہے ہیں، ہمارے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالا جارہا ہے، ہمارے جان مال کی حفاظت کے تئیں حکومت سنجیدہ نہیں ہے، عدالتوں میں ہمیں انصاف نہیں ملتا، پولیس محکمہ کی زیادتی بڑھتی جارہی ہے وغیرہ... سے کسی بھی مسئلہ اور پریشانی کا حل ناممکن ہے۔ کسی انسان کے سامنے یہ شکوہ کرنے سے بہت بہتر ہے کہ پہلے اپنے اعمال کا جائزہ لیں، آس پاس کے ماحول پر غور سے نظر ڈالیں، اپنی زندگی دین اسلام کے مطابق بسر کریں، رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور بزرگان دین کے نقش قدم پر چلیں تو ان شاء اللہ ہماری ہر مشکلات اپنے آپ دور ہو جائیں گی۔

عماد الدین قاسمی

ریاض سعودی عرب

قابل احترام مدیر اعلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ معارف قاسم جدید کئی سالوں سے مطالعہ میں رہتا ہے۔ مارچ ۲۰۱۰ کے شمارہ میں 'دنیائے انسانیت کو خیر امت کی تلاش' مضمون ہمہ وقت دل کو کچوکے لگاتا رہتا ہے، امت محمدیہ کے مصائب کے اسباب اور اس پر فتن دور میں اپنے شاندار ماضی کی طرف لوٹنے کا تذکرہ دل میں نقش کرنے اور اس پر عمل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

معارف قاسم تاخیر سے موصول ہونے پر صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگتا ہے اور اس کی جستجو بڑھتی جاتی ہے۔ معارف قاسم علما کرام کے حالات اور ان کی کاوش وکارناموں کو پیش کرنے والا واحد مجلّہ ہے۔ اس کے ذریعہ عوام الناس کے دلوں میں علماء کی عظمت وعزت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ میں دعاگو ہوں کہ اللہ پاک اسے قیامت تک قائم رکھے اور ہر گھر میں معارف کی لو جلتی رہے۔

محمد آصف

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

معزز قارئین کرام! آپ کو یہ شمارہ کیسا لگا اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔ اپنے مشورے ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com

رمضان المبارک کے موقع پر
جامعۃ القاسم کے نمائندے

رمضان المبارک کے موقع پر حسب سابق امسال بھی ملک و بیرون ملک میں جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، مدھوبنی، سپول، بہار کے مندرجہ ذیل نمائندے اہل خیر حضرات کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ لہذا دینی بھائیوں اور اہل خیر حضرات سے التماس ہے کہ خیر و برکت کے اس موقع پر جامعۃ القاسم اور اس سے طلبہ کو بھی ضرور یاد رکھیں اور اپنا بھرپور تعاون دیکر شکریہ و اجر و ثواب کے مستحق بنیں۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی (مہتمم)
مولانا محمود الحسن ایوبی (ناظم مالیات)
قاری ذاکر حسین نعمانی (استاذ جامعہ)
مولانا علی احمد رازی (معتمد)
مولانا ضیاء اللہ رحمانی (استاذ جامعہ)
قاری سیف اللہ اشاعتی (استاذ جامعہ)
قاری عزارائیل صدیقی (استاذ جامعہ)
مفتی عقیل انور مظاہری (ناظم تعلیمات)
مولانا عبدالواحد رحمانی (استاذ جامعہ)
ماسٹر مرشد عالم (استاذ جامعہ)
حافظ مقصود عالم (خادم جامعہ)
مولانا خورشید عالم محمودی (خادم جامعہ)
مظفر حسین رحمانی (انچارج شعبہ نشر و اشاعت)

قاری شمشیر عالم جامعی (استاذ جامعہ)
مظہر حسین رحمانی (کارگزار ناظم)
مولانا حمید الدین مظاہری (نائب ناظم)
مفتی احمد اللہ قاسمی (استاذ جامعہ)
مولانا رہبر راشد قاسمی (استاذ جامعہ و ناظم کتب خانہ)
قاری عمیر احمد اشاعتی (استاذ جامعہ)
قاری صدام حسین اشاعتی (استاذ جامعہ)
قاری اعجاز احمد نعمانی (استاذ جامعہ)
قاری رضوان احمد مدنی (استاذ جامعہ)
مولانا یوسف انور صدیقی
مولانا مستقیم (خادم جامعہ)
شاہد عبداللہ (آفس سکریٹری)
محمد حسنین (مطبخ انچارج)

جمعیة الإمام قاسم التعلیمیہ
الخیریہ الاسلامیہ الھند

امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا ایک دینی، اصلاحی، اور فلاحی ادارہ ہے، جوشمالی بہار میں متحرک اور فعال ہے۔ ہندوستان کی ریاست بہار کے شمال مشرقی علاقہ کوسی اور پورنیہ دومشہور کمشنریاں ہیں جوسات اضلاع پر مشتمل ہیں، یہ علاقہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے ایک طرف نیپال کی لمبی سرحد ہے تو دوسری طرف شمال مشرقی ہند کی ریاستوں اور بنگلہ دیش کی سرحد ملی ہوئی ہے اس علاقہ میں تقریباً ۵۰/ لاکھ مسلمان آباد ہیں جو تعلیمی، معاشی اور سیاسی طور پر انتہائی پسماندگی کا شکار ہیں، مسلمانوں کی معاشی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت تو دور ان کی صحیح طریقہ سے کفالت کی بھی سکت نہیں رکھتے اور قبائلی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان حالات کا ادراک کرتے ہوئے جمعیۃ کے ماتحت مکاتب ومدارس کا قیام، دینی واصلاحی پروگرام، مسلمانوں کی شعوری وفکری تربیت اور مسلمانوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

الحمد للہ اس وقت 85 مکاتب کام کررہے ہیں، ضلع سُپول میں بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے ''معہد عائشہ صدیقہ''، ''شیخ زکریا چیری ٹیبل ہاسپٹل''، ''مولانا آزاد اسکول اینڈ ٹیکنیکل سینٹر'' اور دینی ماحول میں انگلش میڈیم اسکول کا قیام زیر منصوبہ ہے۔ ان منصوبوں کی تکمیل کی لاگت کا تخمینہ تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ روپے ہے۔ اس کے علاوہ امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا اس علاقے کے معاشی طور پر کمزور، معذور افراد کی مدد اور یتیم بچیوں کی شادی، حادثات وآفات سے متاثرین کیلئے راحت و ریلیف کا نظم بھی کرتا ہے۔

مدارس کے غریب اور نادار فضلاء کے لیے جو کالجز اور یونیورسٹی میں داخلے کے خواہش مند ہیں، حتیٰ المقدور وظائف کا نظم کرتا ہے۔ ان سب منصوبہ جات پر عمل درآمد کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے، جو آپ حضرات کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں، خاص کر ۱۱/ ستمبر کے بعد مسلمانان ہند جس طرح کے حالات سے دوچار ہوئے ہیں اس پس منظر میں اہل ثروت اور تعاون کا جذبہ رکھنے والے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر دست تعاون دراز کریں، تاکہ آپ کے تعاون سے یہ عظیم کام انجام پاسکے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا کرے اور تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔ آمین

الداعیان

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سکریٹری جنرل
امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا
بانی ومہتمم، جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول بہار

(مولانا) نسیم احمد مظاہری
صدر
امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا

اگر آپ چاہتے ہیں کہ:

• ہمارے گھروں میں دین کی باتیں ہوں! • مجالس اور لوگوں کی زبان پر ہمیشہ اصلاحی باتوں کا تذکرہ ہو! عوام وخواص میں ہمیشہ اصلاح کی فکر لاحق ہو! • پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ، تعلیمات نبوی اور اسلاف کی پاکیزہ روایات سے معاشرہ کو روشناش اور اس کے تئیں بیداری پیدا کی جائے۔

تو آئیے! ان مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' کی علمی وفکری بیداری مہم میں شامل ہو جائیے۔

ممبر بن کر اور بنا کر

اس عظیم مہم کو کامیاب بنانے میں معاون بنیں

یقیناً آپ کا تعاون ''معارف قاسم جدید'' کی ترقی کا ضامن بن سکتا ہے۔

ہندوستان میں سالانہ زرتعاون صرف 200 / روپے اور بیرومما لک میں 70 / ڈالر

اس کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل طریقہ سے بھی تعاون کر سکتے ہیں

- اہل خیر حضرات کو اشتہار کی طرف توجہ دلائیں۔
- اپنی جانب سے علاقے کے بااثر حضرات، دینی اداروں، ملی تنظیموں اور لائبریریوں کے نام رسالہ جاری کرائیں۔
- معارف قاسم جدید میں کاروباری اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
- ممبر سازی کے لیے جو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ان کا بھرپور تعاون کریں۔
- پانچ آدمیوں کو ممبر بنا کر اپنا ایک سال کے لیے رسالہ مفت جاری کرائیں۔

یقین ہے کہ ہمارے قارئین کا پرخلوص تعاون ہمیں برابر حاصل رہے گا۔ انشاء اللہ۔

خط وکتابت: ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی'' این 93 / سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر ۲، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی۔ 110025

ممبرشپ فارم

جس مدت کے لیے ممبرشپ چاہئے اس کے سامنے صحیح نشان لگائیں

☐ سالانہ فیس .... (200/-)

☐ دوسال کے لیے .... (400/-)

☐ تین سال کے لیے .... (600/-)

☐ تاحیات .... (10,000/-)

نام: .... ولدیت: ....

مکمل پتہ: ....

ملک: .... پن کوڈ: .... ٹیلیفون نمبر: ....

عمر: .... پیشہ: ....

معارف قاسم جدید کی ممبرشپ کے لیے ہے۔

منی آرڈر / چیک / ڈرافٹ نمبر: .... تاریخ: ....

بذریعہ: .... روپئے: .... بھیج رہا ہوں / رہی ہوں۔

نوٹ: یہ شرح صرف ہندوستان کے لیے ہے۔

چیک / ڈرافٹ ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' دہلی کے نام سے بنوائیں۔

برائے مہربانی اس فارم کو بھر کر ڈاک سے معارف قاسم جدید این 93 دوسری منزل، لائن ۲، سیلنگ کلب روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی-۲۵ کے پتہ پر ارسال کریں۔

نرخ اشتہار

آخری ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	4,000/-
اندرونی ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	3,000/-
مکمل صفحہ	(اندرونی، بلیک)	1,500/-
آدھا صفحہ	//	1000/-
چوتھائی صفحہ	//	500/-

ہماری مطبوعات

نام کتاب	مصنف	مرتب
مقامات مقدسہ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
زکوٰۃ اور اس کا مصرف (اردو/انگریزی)	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
خطبہ حجۃ الوداع (اردو/انگریزی)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قاضی مجاہدالاسلام حیات وخدمات نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سیرت النبی نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مسلم پرسنل لانمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
پیام انسانیت نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
رمضان کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجاہد کی للکار	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی حقیقت	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
ہندوستان میں مدارس اسلامیہ (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور امن وآشتی، اردو/انگریزی (زیرطبع)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قادیانیت کی حقیقت (اردو/انگریزی/ہندی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجموعۂ رسائل حضرت علامہ نور محمد خان ٹانڈویؒ		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ (زیرطبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ذکرا قائماً (20ویں صدی کے علماء گجرات کی علمی، دینی خدمات)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
دینی مدارس ماضی، حال اور مستقبل تقاضے، چیلنجز اور ان کا حل		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانیوں کو غور وفکر کی دعوت		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
محمد رسول اللہ کے بعد کوئی نبی نہیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
قادیانیت منظر اور پس منظر	حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	
چند نامور علماء	حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی	عبدالقادر شمس قاسمی
قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے		مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری
قادیانیوں کی چال سے ہوشیار رہیں!		مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری
قادیانیت انگریزوں کا خودکاشتہ پودا (اردو، ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری
عام مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری
ایمان اور کفر کی حقیقت (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری
قادیانیت کے متعلق علمائے اسلام اور سرکاری عدالتوں کا فیصلہ		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
قادیانی تحریروں کی روشنی میں قادیانیوں کی سیاسی وسماجی پوزیشن		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
دین اسلام سے قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں (ہندی)		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
تحریک تحفظ ختم نبوت اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
کوسی کا تباہ کن سیلاب اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		(رپورٹ) شاہ جہاں شاد
متاع زندگی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی جہد مسلسل، تحریکات، خدمات		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
شجرۂ طیبہ		مولانا محمد شاہد قاسمی

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر رسائل ومجلّات طباعت کے مرحلے سے گذر کر جلد ہی منظر عام پر آنے والے ہیں۔